

نقوشِ حیات

فخرالمحمد تین

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب^{رح}

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تالیف

خلیل الرحمن قاسمی برنی

ابن حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

besturdubooks.net

تفصیلات

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب :	نقوش حیات
مرتب :	فخر المحمد ثین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری مولانا مفتی خلیل الرحمن صاحب برتنی بلند شہری امام و خطیب مسجد الفاروق ولیمس ٹاؤن، بنگلور
تعداد :	۱۵۰۰
قیمت :	۱۰۰/۰۰ روپیہ
کمپیوزنگ :	ابو عبد اللہ عبد الجلیل خان قاسمی بلگرامی ہردوئی مرحبا کمپیوٹر کتابت سینٹر، تمسندر، کنکا پورہ تعلق، بنگلور

PH:08892698077

طباعت :
ناشر :



انتساب

☆ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے نام:

جس کے اکابرین اور فرزندوں نے خصوصاً برصغیر اور عموماً عالم اسلام میں اپنی دینی، علمی خدمات اور مذہبی قیادت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

☆ اپنے محبوب اور مشفق اساتذہ کے نام:

جن کی توجہات عالیہ اور خصوصی محنتوں سے ہم جیسے سینکڑوں افراد میں لکھنے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

☆ والد محترم حضرت مولانا فاری شفیق الرحمن صاحب کے نام:

جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ و مربی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آں موصوف کا سایہ عاطفت و شفقت تادیر صحت و عافیت کے ساتھ قائم رکھے اور آپ کی عنایتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عطا فرمائے۔

اجمالی فہرست

- پیش لفظ : از مؤلف ۲۴
- تقریظات : اکابر علمائے دیوبند ۲۶
- پہلا باب : خاندان، وطن اور ماحول ۳۸
- دوسرا باب : تعلیم و تربیت ۶۵
- تیسرا باب : دارالعلوم دیوبند میں داخلہ و تعلیم اور دارالعلوم
میں آپ کے اساتذہ ۸۳
- چوتھا باب : حضرت شیخ الحدیث کا تدریسی دور ۱۲۰
- پانچواں باب : بیعت و سلوک اور حضرت شیخ الحدیث ۱۳۷
- چھٹا باب : آپ کے چند مشہور اور نامور تلامذہ ۱۶۷
- ساتواں باب : اوصاف و کمالات اور امتیازات و خصوصیات ۲۲۷
- آٹھواں باب : زندگی کے آخری ایام ۲۶۹
- نواں باب : ارشادات و ملفوظات شیخ الحدیث ۳۰۱
- مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ
- دسواں باب : تاثراتی مضامین ۳۹۰

حسن ترتیب

- ☆ انتساب ۳
- ☆ اجمالی فہرست ۴
- ☆ پیش لفظ ۲۴

تقریظات

- ☆ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
- ☆ استاذ حدیث و مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۶
- ☆ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
- ☆ شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ۲۷
- ☆ جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

- ☆ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیت علمائے ہند ۲۹
- ☆ استاذ العلماء حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم ۳۱
- ☆ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم ۳۲
- ☆ استاذ ادب و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۳۲
- ☆ حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی ۳۴
- ☆ خلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب بانی و مہتمم جامعہ مسیح العلوم بنگلور ۳۴
- ☆ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم ۳۶
- ☆ استاذ ادب و فقہ دارالعلوم دیوبند ۳۶

پہلا باب

خاندان، وطن اور ما حول

- ☆ خطہ بلند شہر ۳۹
- ☆ جنگ آزادی میں بلند شہر کا کردار ۴۰
- ☆ جنگ آزادی میں بارہ بسی کا کردار ۴۲

بلند شہر کی چند نامور علمی ہستیاں

- ☆ پروفیسر علامہ الیاس صاحب برٹی ۴۳
- ☆ مولانا عاشق الہی صاحب بلند شہری ۴۵
- ☆ علامہ ماہر القادری صاحب برٹی ۵۲
- ☆ مولانا مشتاق احمد صاحب برٹی ۵۳

صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب

- ☆ ولادت ۶۱
- ☆ ماحول ۶۱
- ☆ خاندانی احوال ۶۲
- ☆ حضرت شیخ کے والد محترم اور ان کا تقویٰ ۶۲
- ☆ والد محترم کے سایہ سے محرومی ۶۳
- ☆ حضرت کی والدہ محترمہ ۶۴

دوسرا باب

تعلیم و تربیت

- ☆ قاری بہادر خاں صاحب ۶۶
- ☆ حفظ سے فراغت تک ۶۷
- ☆ فارسی کی تعلیم اور اس کے اساتذہ ۶۸
- ☆ آپ کی طویل المیعاد تعلیم گاہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ۶۹
- ☆ منبع العلوم سے فیض حاصل کرنے والے چند اساطین علم و فضل کا تعارف
- ☆ حافظ محمد احمد صاحب ۷۲
- ☆ مولانا محمد میاں منصور الانصاری ۷۳
- ☆ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ۷۴
- ☆ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ۷۵
- ☆ مولانا فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی ۷۶
- ☆ مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہری ۷۷

تیسرا باب

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم اور دارالعلوم میں آپ کے اساتذہ

- ☆ بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ۸۴
- ☆ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے والہانہ تعلق ۸۶
- ☆ فنون کی تکمیل ۸۷
- ☆ اساتذہ کے معتمد ۸۹
- ☆ دارالعلوم دیوبند میں محصلہ نمبرات ۹۰
- ☆ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ
- ☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ۹۴
- ☆ شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب ۹۹
- ☆ استاذ و مرشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ ۱۰۲
- ☆ حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب ۱۰۷
- ☆ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب امر وہوئی ۱۰۹
- ☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک ۱۱۱

- ☆ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب پنجابی..... ۱۱۳
- ☆ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ملتائی..... ۱۱۴
- ☆ حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھی..... ۱۱۶

چوتھا باب

حضرت شیخ الحدیث کادور تدریس اور آپ کی اسانید عالیہ

- ☆ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز..... ۱۳۹
- ☆ آپ کے زیر درس کتابیں..... ۱۴۲
- ☆ دیوبند میں درس حدیث اور اس کے تعلق سے.....
- ☆ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی خدمات..... ۱۴۳
- ☆ آپ کے درس بخاری کی خصوصیات..... ۱۴۸
- ☆ فن ہیت سے آپ کا تعلق..... ۱۳۲
- ☆ دوران تدریس طلب علم کا شوق..... ۱۳۳
- ☆ حج بیت اللہ..... ۱۳۴
- ☆ رمضان المبارک کا معمول..... ۱۳۴
- ☆ کوئٹہ و تملنا ڈ سے آپ کا تعلق..... ۱۳۵
- ☆ شہر کوئٹہ و ر میں آپ کے اثرات..... ۱۳۵
- ☆ کوئٹہ و ر کے مولانا الیاس صاحب مدظلہ..... ۱۳۶

اسانید عالیہ

- ☆ حدیث میں آپ کا سلسلہ اسناد..... ۱۳۹
- ☆ پہلا سلسلہ حدیث..... ۱۳۹
- ☆ دوسرا سلسلہ حدیث..... ۱۳۹
- ☆ تیسرا سلسلہ حدیث..... ۱۳۹
- ☆ چوتھا سلسلہ حدیث..... ۱۴۰
- ☆ پانچواں سلسلہ حدیث..... ۱۴۰
- ☆ چھٹا سلسلہ حدیث..... ۱۴۳
- ☆ ساتواں سلسلہ حدیث..... ۱۴۱
- ☆ آٹھواں سلسلہ حدیث..... ۱۴۱
- ☆ نوواں سلسلہ حدیث..... ۱۴۱

- ☆ دسواں سلسلہ حدیث ۱۴۲
- ☆ گیارہواں سلسلہ حدیث ۱۴۲
- ☆ بارہواں سلسلہ حدیث ۱۴۲
- ☆ اجازت نامہ از: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی .. ۱۴۳

پانچواں باب

سلوک و تصوف

- ☆ بیعت و سلوک اور حضرت شیخ الحدیث ۱۵۱
- ☆ تصوف کی تعریف ۱۵۲
- ☆ تصوف کی حقیقت ۱۵۳
- ☆ تصوف کی حقیقت امام ربانی کی ایک تحریک کی روشنی میں ۱۵۵
- ☆ تصوف کی حقیقت کے سلسلہ میں امام ربانی کی ایک جامع تحریر ۱۵۷

راہ تصوف میں بیعت اور اس کا شرعی ثبوت

- ☆ بیعت کی تعریف ۱۵۶
- ☆ بیعت اسلام ۱۵۶
- ☆ بیعت جہاد ۱۵۶
- ☆ بیعت ہجرت ۱۶۷
- ☆ بیعت توبہ یا بیعت طریقت ۱۶۷
- ☆ بیعت کی ضرورت عقل کی روشنی میں ۱۶۹
- ☆ سلوک و تصوف میں مرشد کی اہمیت و ضرورت اور اس کی پہچان ۱۶۹
- ☆ انتخاب مرشد اور بیعت ۱۶۱
- ☆ صحبت شیخ کی تاثیر ۱۶۲
- ☆ اجازت و خلافت ۱۶۳
- ☆ نسبت کا فیضان ۱۶۵
- ☆ تصوف کے تعلق سے آپ کا ایک گراں قدر ملفوظ ۱۶۶

چھٹا باب

آپ کے چند مشہور اور نامور تلامذہ

- ☆ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی ۱۶۸

☆	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب بہاریؒ	۱۷۳
☆	حضرت مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب بلند شہریؒ	۱۷۷
☆	حضرت مولانا خورشید عالم صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند	۱۸۴
☆	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم	۱۸۹
☆	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم	۱۹۵
☆	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بناری دامت برکاتہم	۲۹۹
☆	حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم	۲۰۴
☆	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم	۲۰۷
☆	حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدراسی دامت برکاتہم	۲۱۰
☆	حضرت مولانا عبدالحق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم	۲۱۴
☆	حضرت علامہ قمر الدین صاحب گورکھپوری دامت برکاتہم	۲۱۹
☆	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی دامت برکاتہم	۲۲۲
☆	حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری دامت برکاتہم	۲۲۵

ساتواں باب

اوصاف و کمالات اور امتیازات و خصوصیات

☆	علمی کمالات	۲۲۸
☆	اتباع سنت	۲۳۰
☆	عذر کے باوجود نماز کے لئے مسجد میں حاضری	۲۳۱
☆	تقویٰ و تدین	۲۳۲
☆	تواضع اور خدمت خلق	۲۳۶
☆	خوف و گریہ	۲۴۰
☆	تعلق مع اللہ	۲۴۲
☆	اعلیٰ ظرفی	۲۴۳
☆	اہل علم کی قدر	۲۴۴
☆	بلند اخلاق	۲۴۵
☆	عالمانہ وقار	۲۴۹
☆	زہد و استغناء	۲۵۱
☆	سخاوت و مہمان نوازی	۲۵۲

- ☆ معاصرین کے ساتھ ۲۵۶
- ☆ صبر و استقامت ۲۵۹
- ☆ قرآن اور قرن آپڑھنے والوں سے محبت ۲۶۵
- ☆ کمالِ حلم ۲۶۵
- ☆ سراپا ۲۶۷

آٹھواں باب

زندگی کے آخری ایام

وفات، تدفین، قطعات تاریخ وفات، خراج عقیدت پیش کرنے والے اشعار اور تعزیتی تحریریں

- ☆ زندگی کے آخری ایام ۲۷۰
- ☆ ذمہ داریوں سے سبک دوشی ۲۷۳
- ☆ وفات حسرت آیات ۲۷۳
- ☆ نماز جنازہ اور تدفین ۲۷۴
- ☆ پسماندگان ۲۷۴
- ☆ قطعہ تاریخ وفات ۲۷۶
- ☆ قطعات تاریخ وفات ۲۷۷
- ☆ خراج عقیدت ۲۸۱
- ☆ یاد موت ۲۸۴
- ☆ ذکر نصیر ۲۸۷
- ☆ یاد نصیر ۲۹۰
- ☆ سانحہ ارتحال پر دارالعلوم دیوبند میں تعزیتی اجلاس اور تدفین
- ☆ از: مولانا اشتیاق احمد صاحب ۲۹۴

نواں باب

ارشادات و ملفوظات

- ☆ ایک عمومی مصیبت اور اس کا دفعیہ ۳۰۱
- ☆ استاذ محترم کا ذکر ۳۰۱
- ☆ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی مولانا فضل الرحمن صاحب گنج
- ☆ مراد آبادی کی خدمت میں حاضری اور حضرت گنج
- ☆ مراد آبادی کا کشف ۳۰۱

- ☆ ایک خوددار اور مستغنی قاری صاحب کا واقعہ..... ۳۰۳
- ☆ تحدیث بالنعمة..... ۳۰۴
- ☆ حضرت مولانا بایزید صاحب خلیفہ اجل حضرت مدنی سے ایک پر لطف ملاقات اور استاذ محترم حضرت مدنی کے احسانات کا ذکر جمیل..... ۳۰۵
- ☆ دہلی کے بزرگوں کے احوال کا تجزیہ ایک نووارد صاحب کشف کی زبانی.. ۳۰۷
- ☆ حالات کا بگاڑ قرب قیامت کی علامت ہے..... ۳۰۸
- ☆ شاہ عبدالقادر دہلوی کی ایک کرامت، شیعوں میں سے اصلی سید کو پہچان لینا ۳۰۸
- ☆ اصلاح کا طریقہ کار..... ۳۱۰
- ☆ علماء نہ ہوں تو دین کا کام ٹھپ ہو جائے..... ۳۱۰
- ☆ طلبہ دین کی قدر کرنی چاہئے..... ۳۱۱
- ☆ ہلال رمضان کے تعلق سے شاہ عبدالقادر صاحب کی ایک عجیب کرامت اور ولی اللہی خاندان کی خدمات کا ذکر..... ۳۱۲
- ☆ بنیادی کتابوں میں بے انتہا محنت کی ضرورت ہے..... ۳۱۳
- ☆ احتیاط کے فقدان پر اظہار افسوس اور مولانا رفیع الدین صاحب کے کمال احتیاط کا ذکر..... ۳۱۴
- ☆ کسی کے اعتماد کو خراب نہیں کرنا چاہئے..... ۳۱۴
- ☆ حدیث شریف کی عبارت صاف پڑھنا چاہئے..... ۳۱۵
- ☆ حدیث کی عبارت خوانی کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کا خصوصی امتیاز... ۳۱۶
- ☆ مولانا عبدالقادر رائے پوری اور دیگر اکابر کا ذکر..... ۳۱۷
- ☆ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کی شان خطابت..... ۳۱۹
- ☆ حضرت نانوتویؒ رؤساء کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے..... ۳۱۹
- ☆ حضرت نانوتویؒ کے استغناء کا عجیب واقعہ..... ۳۲۳
- ☆ حضرت نانوتویؒ کا تعلق صرف اللہ واسطے ہوتا تھا، آپ کے مخلصانہ تعلق کا حیرت انگیز واقعہ..... ۳۲۰
- ☆ دہلی کے دو مجذوب جن کے ذمہ تکوینی امور تھے..... ۳۲۱
- ☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ایک مخالف کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ کا دعائے انکار کرنا..... ۳۲۲
- ☆ حضرت شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جانا، مولانا فخر الدین صاحب کا واقعہ ۳۲۳
- ☆ حضرت شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں ایک ملحد کی عجیب گستاخی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا دانشمندانہ

تغائب ۳۲۵

- ☆ کسی انسان کو جو رزق ملتا ہے اس میں تنہا اسی کا حصہ نہیں ہوتا ہے ۳۲۶
- ☆ کھانے اور کھلانے میں علماء کا معمول اور ان کے چہرے پر رونق کا سبب ۳۲۷
- ☆ ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۲ھ کی ایک مجلس کی روئداد حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی ڈائری سے ۳۲۸
- ☆ علمائے کرام کو اپنے مسائل کے لئے سڑکوں پر نہیں آنا چاہئے ۳۳۰
- ☆ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش کارگزار مہتمم کا ذکر

..... ۳۳۱

- ☆ خاندانی شرافت و مروت کے حامل سرسید احمد خان کا ایک واقعہ ۳۳۳
- ☆ سرسید احمد خان کی مروت کا ایک دوسرا واقعہ ۳۳۴
- ☆ حضرت سید عابد حسین صاحب کی شرافت و مروت ۳۳۵
- ☆ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کا واقعہ اور ان کے چند کمالات کا ذکر ۳۳۶
- ☆ بلوغ کے بعد اولاد کی شادی میں دیر کرنا اچھا نہیں ۳۳۷
- ☆ سرزمین مکہ معظمہ کی برکت، کریموں میں تلخی نہیں تھی ۳۳۸
- ☆ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا زہد اور ان کی بے مثال غریب پروری ۳۳۹
- ☆ ایک صاحب کشف بزرگ سے حضرت نانوتویؒ کا تعلق اور ان کے کشف کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ کا مقام رفعت ۳۴۰
- ☆ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی خود حفاظت کرتے ہیں، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی منجانب اللہ حفاظت کا حیرت ناک واقعہ ۳۴۱
- ☆ مکر اور حیلہ کا زمانہ ۳۴۲
- ☆ فقر و فاقہ کی حالت میں تقویٰ پر ثابت قدمی کی نادر مثال، شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ کا عبرت آمیز واقعہ ۳۴۳
- ☆ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا فاقہ کی حالت میں وعظ ۳۴۴
- ☆ غلط فہمیوں کا ازالہ ۳۴۵
- ☆ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا تصرف ۳۴۶
- ☆ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا تصرف ۳۴۷
- ☆ حضرتؒ کے تصرف کا دوسرا واقعہ ۳۴۷
- ☆ حرم شریف میں موذی جانور کے مارنے کی ممانعت نہیں ۳۴۷

- ☆ ہندوستان میں صرف دو ہی ہیں، اگر تیسرا ہوتا تو پورے ہندوستان کی اصلاح ہو جاتی۔..... ۳۴۹
- ☆ انسانوں نے اپنی حیثیت خود گرائی ہے..... ۳۵۱
- ☆ پہلے طلبہ قدر شناس اور سادہ ہوتے..... ۳۵۲
- ☆ بزرگوں کی روحانیت، وفات کے بعد بھی باقی رہتی ہے مگر..... ۳۵۳
- ☆ حضرت تھانوی جلدی کسی کی دعوت نہیں کرتے تھے..... ۳۵۳
- ☆ مہمان پرہیز کا کھانا ہو تو میزبان کو پیشگی اطلاع دے..... ۳۵۳
- ☆ تصوف کے مسائل اور اس کی حقیقت کا ادراک شیخ کامل کی صحبت میں ملتا ہے..... ۳۵۴
- ☆ ایک خود ساختہ پیر اور حضرت تھانویؒ..... ۳۵۵
- ☆ کتاب کے سوالات تو اب ختم ہو گئے، حضرت تھانویؒ کی فراست کا.....
- ☆ ایک عجیب واقعہ..... ۳۵۵
- ☆ حضرت مدنیؒ کا درس حدیث اور آپ کی جامع کمالات شخصیت..... ۳۵۶
- ☆ انگریز حکومت کرنا جانتا تھا..... ۳۵۷
- ☆ بارہ بستی علاقہ پر حضرت مدنیؒ کا فیضان اور آپ کی کھلی کرامت.....
- ☆ ہندوؤں نے کہا یہ تو فرشتے بن کر آئے ہیں..... ۳۵۸
- ☆ مدرسے کی برکات..... ۳۶۰
- ☆ ٹھنڈا پانی بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے..... ۳۶۱
- ☆ اسرپ علی مولویؒ تو ہی ہے!..... ۳۶۲
- ☆ بعض بے ڈھنگی باتیں بڑی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں..... ۳۶۳
- ☆ پہلے زمانے کے طلبہ بڑے ذی استعداد اور باادب ہوتے تھے..... ۳۶۴
- ☆ خشک اخلاقی کا ایک نمونہ..... ۳۶۵
- ☆ بزرگوں کو اللہ تعالیٰ روحانی قوت سے نوازتے ہیں..... ۳۶۶
- ☆ حضرت مرزا مظہر جان جاناں بڑے نازک طبع تھے..... ۳۶۷
- ☆ چار پائی میں کان کی وجہ سے نیند نہیں آئی..... ۳۶۷
- ☆ مرزا جان جاناں اور شہزادہ..... ۳۶۸
- ☆ لُحاف میں دھاگے بے ترتیب ڈال دئے جانے کی بناء پر نیند نہیں آئی..... ۳۶۸
- ☆ میں ریچھ کو بیعت نہیں کرتا، ریچھ اور انسان میں مناسبت نہیں..... ۳۶۹
- ☆ حضرت مرزا صاحب کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ..... ۳۷۰

- ☆ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اعلیٰ درجے کے ذہین اور انتہائی نازک طبع تھے..... ۳۷۱
- ☆ بزرگوں کی زندہ دلی، حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوریؒ اور حضرت مدنی کی بے تکلفی..... ۳۷۲
- ☆ یہ امداد غیبی تھی، حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ..... ۳۷۳
- ☆ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کا بھنگی کے ساتھ برتاؤ..... ۳۷۴
- ☆ حضرت نانوتویؒ کا روحانیت میں مقام..... ۳۷۵
- ☆ بادل بھی مامور ہوتے ہیں..... ۳۷۶
- ☆ بنی اسرائیل کی سفاکیاں اور ان کا ظلم عظیم..... ۳۷۷
- ☆ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور علمائے رام پور کے درمیان مناظرہ..... ۳۷۹
- ☆ بزرگوں کا احترام تو بزرگ ہی کرتے ہیں، استاذ کے ادب و احترام کی نادر مثال..... ۳۸۱
- ☆ حضرت نانوتویؒ سراپا علم تھے..... ۳۸۱
- ☆ ہر قسم کی پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے..... ۳۸۲
- ☆ حضرت شاہ اسحاق صاحب علیہ الرحمہ اجمیر میں..... ۳۸۲
- ☆ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو عزت دے تو اسکی حفاظت کرنا چاہئے..... ۳۸۳
- ☆ پہلے طلبہ صرف درسیات پر توجہ دیتے تھے..... ۳۸۴
- ☆ آمین کی دو قسمیں ہیں، جبکہ آمین کی تیسری قسم آمین بالشکر کہیں ثبوت نہیں..... ۳۸۵
- ☆ مصائب مسلمانوں کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہیں..... ۳۸۶
- ☆ حضرت تھانویؒ ہر فن مولیٰ تھے..... ۳۸۷
- ☆ تین علوم درس و تدریس کے بغیر باقی نہیں رہتے..... ۳۸۸
- ☆ نقلی علماء اور طلبہ بھی نقلی..... ۳۸۸

دسواں باب

تأثراتی مضامین

- ☆ ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما..... ۳۹۱
- ☆ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی محدث دارالعلوم دیوبند
- ☆ میرے استاذ!..... ۳۹۸
- ☆ حضرت مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی، کاکوری، لکھنؤ

- ☆ حضرت الاستاذ کی یاد..... ۴۰۵
- ☆ حضرت مولانا سید سلمان صاحب منصور پوری، مراد آباد
- ☆ رقتید و لے نہ از دل ما..... ۴۰۹
- ☆ حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب دیوبند
- ☆ سراپا عظمت و وقار..... ۴۱۸
- ☆ حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری، استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند
- ☆ اسلاف دیوبند کے علمی ورثہ کے امین..... ۴۳۰
- ☆ ڈاکٹر منور حسن کمال صاحب
- ☆ نمونہ اسلاف، استاذ الاساتذہ..... ۴۳۵
- ☆ مفتی عمران اللہ قاسمی
- ☆ مولانا نصیر احمد خان صاحب..... ۴۴۳
- ☆ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب
- ☆ علم حدیث کے کوہ ہمالیہ تھے..... ۴۴۷
- ☆ مولانا سہیل اختر قاسمی
- ☆ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین..... ۴۵۱
- ☆ خلیل الرحمن قاسمی برتی
- ☆ شیخ زمن حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ..... ۴۵۷
- ☆ مولانا مفتی ریاست صاحب رامپوری
- ☆ افسوس آج اپنا وہ رہبر نہیں رہا..... ۴۶۸
- ☆ سیف اللہ عرشی اندور
- ☆ یادگار اسلاف..... ۴۷۴
- ☆ مولانا زین العابدین قاسمی، قاضی شہر بلند شہر
- ☆ خدمات، حالات، تاثرات، خصوصیات..... ۴۷۷
- ☆ خلیل الرحمن قاسمی برتی
- ☆ حضرت شیخ الحدیث کی وفات پر ایک تاثر..... ۴۸۶
- ☆ مفتی محمد ساجد صاحب کھجناوری
- ☆ بھولیں ہیں نہ بھولیں گے نصیر اہل محبت..... ۴۹۱
- ☆ مولانا ذکاوت حسین احمد صاحب قاسمی
- ☆ الشیخ نصیر احمد خان عالم وقور، استاذ عطف..... ۵۰۳

محمد ساجد (القاسمی) ہرودنی

ترجمہ: عبدالجلیل خان قاسمی بکرامی

- ☆ فضیلة الشيخ نصیر أحمد خان رحمه الله ۵۱۱
- الأسانید وجبر الرؤوف سماہ الغزنوی (اللہ فغانی)
- ترجمہ: عبدالجلیل خان قاسمی بکرامی
- ☆ مقبول جوہوں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں ۵۲۳
- مولانا تبریز عالم صاحب قاسمی معین مدرس دارالعلوم دیوبند
- ☆ جدمن سلطان بود ۵۲۷
- طارق خان متعلم دارالعلوم دیوبند نمبرہ حضرت شیخ الحدیث
- ☆ درس حدیث کا ایک ستون اور گرا ۵۳۲
- مفتی اصغر علی قاسمی
- ☆ الوداع اے دانائے راز ۵۴۰
- شکیل خان متعلم دارالعلوم دیوبند نمبرہ حضرت شیخ الحدیث
- ☆ پیکر اخلاق و شرافت ۵۴۴
- مولانا فاروق عالم عاجز قاسمی
- ☆ بسیار خواباں دیدہ ام ۵۵۲
- سلیم احمد خان خورجوی



پیش لفظ

استاذ الاساتذہ فخر المحدثین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند جیسی جامع فضائل و کمالات شخصیت کی سوانح حیات لکھنے کا حق وہ ہی صاحب قلم ادا کر سکتا ہے جو خود جامع علوم و فنون ہو اور وہ اپنے علم و فضل کی روشنی میں حضرت شیخ الحدیث کے مقام و مرتبہ کی تعیین کر سکتا ہو اور آپ کے اوصاف و کمالات خصوصیات و امتیازات کی عظمت و رفعت کی صحیح اور حقیقی نشاندہی کر سکتا ہو۔

اس درآبدار اور جوہر فریدی کی قدر شناسی کے لئے ایک ایسے جوہری کی ضرورت تھی جو اس کی حقیقی قدر و قیمت کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر سکتا ہو۔ لیکن چند تاثراتی مضامین کے علاوہ جو آپ کی رحلت کے فوراً بعد اہل علم حضرات کے قلم سے صادر ہو کر مختلف مجلات و جرائد میں شائع ہوئے تھے، کوئی باقاعدہ ایسی تحریر (جس سے آپ کی شخصیت کے تمام روشن پہلو نہ سہی چند ہی نگاہوں کے سامنے آجاتے) منظر عام پر نہ آسکی۔ جب انتظار کی مدت دراز ہوئی تو اس حقیر نے محض اللہ کے فضل و توفیق اور اپنی طالب علمانہ کوشش سے حضرت کی حیات مقدس کی چند جھلکیاں اور آپ کی سیرت طیبہ کے چند مبارک اور روشن پہلوؤں کو منظر عام پر لانے کی جرأت کی اور سوانح حیات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بنام ”نقوش حیات“ آپ حضرات کے سامنے پیش کر دی۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

راقم الحروف کو حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب سے بچپن ہی سے عقیدت و محبت تھی۔ ۹/۱۰ سال کی عمر تھی، اسی وقت سے والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب کے توسط سے آپ کی زیارت و ملاقات کا برابر موقع ملتا رہا۔ اس عرصہ میں آپ کو بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور برتا، جس سے آپ کی عقیدت و محبت دل میں راسخ ہوتی چلی گئی۔ آپ کی دل آویز اور حسین شخصیت میں پنہاں ”اوصاف و کمالات“ آپ کے ”خاندانی احوال“، ”تعلیم و تربیت“ اور ”زمانہ تدریس“ آپ کے چند نامور اور مشہور تلامذہ کا تعارف ”ارشاد و ملفوظات“ اور کئی اہل علم کے ”تاثراتی مضامین“ پر مشتمل یہ سوانح درحقیقت عقیدت و محبت اور رشتہ تلمذ کے پاکیزہ جذبات کا اظہار ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سوانح اس عظیم المرتبت شخصیت کی خدمت میں ایک حقیر سا نذرانہ عقیدت ہے۔ جس کے احسانات سے جماعت دیوبند کا ہر فرد زیر بار ہے اور جس نے نصف صدی سے زیادہ تک اپنے علمی سمندر سے امت کے ایک بڑے طبقے کو سیراب کیا۔

والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری استاذ دارالعلوم دیوبند کی مکمل رہنمائی اور تعاون سے یہ تحریر آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچ سکی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والد محترم کا سایہ تادیر قائم و دائم رکھے اور ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز اس موقع پر اپنے رفیق درس و حقیقی غمخوار محترم جناب مفتی عبدالجلیل خان صاحب قاسمی ہر دوئی کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مکمل تندہی و جانفشانی سے کتابت کے تمام مراحل کو بحسن و خوبی انجام دیا اور بہت سے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ اللہ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خلیل الرحمن قاسمی، برنی

مقیم حال بنگلور

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

کلمات تبریک

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

استاذ حدیث و مہتمم دارالعلوم دیوبند

اس ناکارہ کے استاذ گرمی قدر، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی مفصل سوانح حیات مرتبہ جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب قاسمی برنی کا مکمل مسودہ اس وقت میرے سامنے ہے جس کی مکمل فہرست اور جستہ جستہ مضامین کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مرتب نے سوانح کی ترتیب میں بے پناہ محنت صرف کی ہے۔ ایک مکمل سوانح حیات کے لئے جتنے عنوانات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو موضوع تحریر بنایا ہے۔ جس سے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے وفات تک، زندگی کے تمام مراحل، خدمات، خصوصیات اور علمی بقیات کا تفصیلی ذکر کتاب میں آ گیا ہے، ساتھ ہی بلند شہر کے نامور حضرات، حضرت مولانا کے اساتذہ کرام اور چند معروف تلامذہ کے حالات بھی شامل سوانح ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب سوانح نگاری کی ایک کامیاب کوشش ہے اور امید ہے کہ اہل تعلق اور اہل ذوق کے لئے خاص دلچسپی کا سامان فراہم کرے گی۔ مرتب سوانح کو مبارک باد دیتے ہوئے بندہ دست بدعا ہے کہ ان کی یہ خدمت شرف قبولیت سے نوازی جائے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

والسلام ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند ۵/۸/۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

الحمد لله، وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ (النیل ۵۹)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں، اور اس کے ان بندوں پر سلام نازل ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے یعنی مقام حمد (مرتبہ الوہیت) اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، کوئی اور ہستی اس مقام کے لائق نہیں، البتہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لئے منزل سلام ہے اور دارین میں سلامتی سے ہمکنار ہیں، یہ بندے انبیاء، علماء اور اولیاء ہیں، یہ سب چنیدہ بندے ہیں، ان پر سلام نازل ہو، وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدائی میں شریک و سہم!

میرے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب (شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) قدس سرہ انہیں منتخب اور برگزیدہ شخصیات میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل خدمت دین کا موقع نصیب فرمایا تھا، عرصہ دراز تک وہ بخاری شریف کا کامیاب درس دیتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خدمات کا اجر جزیل عطا فرمائے، اور جنت الفردوس کے بلند مقامات سے سرفراز فرمائے (آمین)

ضرورت تھی ان کی کوئی سوانح حیات مرتب کی جائے، تاکہ ان کا ذکر خیر باقی رہے، مجھے بہت خوشی ہوئی جب میرے سامنے جناب مولانا خلیل الرحمن قاسمی برنی (بلند شہری) استاذ حدیث جامعہ ندوۃ الابرار بنگلور کی مرتب کردہ ضخیم ”سوانح حیات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ“ آئی۔ سوانح نگار حضرت قدس سرہ کے ہم وطن ہیں، اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری زید مجدہم (استاذ دارالعلوم دیوبند) حضرت قدس سرہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، عصر کے بعد حضرت کی مجلس میں ان کا آنا جانا رہتا تھا، وہ بے تکلف بھی تھے، ہر طرح کے سوالات کرتے تھے، سوانح نگار نے اپنے والد ماجد کی رہنمائی میں اور ان کی قلمی یادداشتوں سے مدد لیکر اور دیگر ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں یہ سوانح مرتب کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں، ان کی محنت کو قبول فرمائیں اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے ذکر خیر کے بقاء کا ذریعہ بنائیں (آمین)

کتبہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۴ شعبان ۱۴۳۳ھ

باسمہ تعالیٰ

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علمائے ہند

احمدہ واصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اس فقیر کے بھی استاذ تھے، میں نے موصوف سے حدیث تو نہیں پڑھی لیکن میبذی، مقامات، شرح عقائد اور مسامرہ کتابیں پڑھی ہیں، حضرت مولانا کو مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو پڑھانے پر قابو تھا اور نہایت صاف ستھری زبان میں اختصار کے ساتھ عبارت کو حل کرنے اور مطالب کو واضح کر دینے پر مہارت تھی۔ اسی لئے ان کی ہر کتاب وقت پر معمول کے مطابق درس دیتے ہوئے پوری ہو جاتی تھی۔

مولانا مرحوم کی دوسری صفت اور امتیازی صفت طلبہ عزیز کے ساتھ مہربانی اور لطف و کرم والا معاملہ تھا، اسی لئے سرکش سے سرکش طالب علم بھی ان کے یہاں آ کر نہایت متواضع بن جاتا تھا۔

حضرت مولانا کی زندگی کے یہ دونوں گوشے ہر مدرس کے لئے مشعل راہ ہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ دونوں صفات کم یاب ہیں اس لئے ان کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

راقم الحروف مولوی خلیل الرحمن صاحب برنی کو مبارکباد پیش کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر کتاب پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس پیش کش کو شرف قبولیت سے نوازے! اور مفید فرمائے! آمین ثم آمین۔
(حضرت مولانا) ارشد مدنی (صاحب دامت برکاتہم)

بسم الله الرحمن الرحيم

استاذ العلماء حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد:

عزیز محترم جناب مولانا خلیل الرحمن صاحب سلمہ اللہ (خلف الصدق جناب مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری، استاذ دارالعلوم دیوبند) نے استاذ عالی مقام حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر مفصل سوانح مرتب کی ہے۔

عزیز موصوف نے مضمون کو دس ابواب پر تقسیم کیا ہے، جن میں خاندان، تعلیم و تربیت، دارالعلوم کے اساتذہ، اسانید، دور تدریس، سلوک و تصوف، نامور تلامذہ، اوصاف و کمالات، زندگی کے آخری ایام، ارشادات و ملفوظات، اہل علم کے تاثرات جیسے اہم عنوانات شامل ہیں۔

عزیز موصوف نے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ماشاء اللہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں، گویا انہوں نے حضرت موصوف کے تمام تلامذہ کی طرف سے یہ فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا کرے! اور مزید علمی خدمات کی توفیق دے۔ آمین والحمد لله اولاً

و آخراً

ریاست علی غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۱۶ شعبان ۱۴۳۳ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
 حضرت مولانا عبدالحق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم

استاذ ادب و نایب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد:

عزیز مکرم جناب مولانا قاری خلیل الرحمن قاسمی برنی حفظہ اللہ نے استاذ محترم استاذ الاساتذہ، فخر العلماء حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب (قدس سرہ) شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی سوانح حیات پر ایک مجموعہ تیار کیا، جس کا مسودہ میرے ہاتھوں میں ہے، بندے نے جگہ جگہ نظر ڈالی، دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث کے اوصاف و کمالات، خصوصیات و امتیازات، آپ کی جامعیت علوم و فنون اور مادر علمی میں ہمہ گیریت کو مؤلف نے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ یوں تو جس عظیم شخصیت نے نصف صدی سے زائد عرصے تک از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں رہ کر ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا ہو، علمی و تحقیقی گوہر لٹائے ہوں، اور جس نے برسہا برس طالبان علوم نبوت کو شراب محمدی سے مست کیا ہو، اسی کے ساتھ ساتھ جس کی انتظامی صلاحیتوں کے جوہر نمایاں ہوں، ایسی جامع شخصیت پر لکھنے کے لئے کہ جو علم کا بحر بے کراں ہو، دفاتر کے دفاتر چاہئیں؛ تاہم یہ کتاب لکھ کر مؤلف سلمہ نے حضرت کے متعلقین، متنبین اور متعلمین کی طرف سے ایک حد تک قرضہ چکانے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس طرح کی شخصیات کے احوال و اوصاف ملت کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم مرتب کی اس سعی کو مشکور و مقبول فرمائے! لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے، نیز مؤلف کی عمر اور عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین!

خیر خواہ

عبدالحق سنبھلی

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۳/۸/۸ھ بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

خلیفہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب

بانی و مہتمم جامعہ مسیح العلوم بنگلور، کرناٹک

دنیا ایک مسافر خانہ ہے، جہاں روز روز انسانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے اور ہزاروں سال سے جاری ہے اور اس انسانوں کے انبوہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آئے، اولیائے کرام بھی آئے، شاہان و سلاطین کی آمد بھی ہوئی، اہل عقل و دانش بھی وارد ہوئے، اچھے بھی آئے اور برے بھی اور پھر اپنے اپنے اوقات گذر کر اس دار فانی سے دار البقاء کی جانب کوچ کر گئے۔

مگر ان آنے اور جانے والوں میں سے بعض ہستیاں اپنے پیچھے دوسروں کے لئے بہت کچھ چھوڑ کر بھی جاتی ہیں، جو بعد میں آنے والوں کے لئے سرمایہ اعزاز و افتخار اور سامان راحت و عظمت قرار پاتا ہے، پھر ان میں سے بھی بعض شخصیات انقلاب آفرین اور عہد ساز شخصیت کی مالک ہوتی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ علم و عمل اور رشد و ہدایت کی شاہراہیں سجاتے ہیں، وہ حضرات مردم سازی اور مردم گری کے ہنر کے حامل لوگوں کے قلوب کو جلا بخشنے کی صلاحیت سے لبریز، اصلاح قلوب و تزکیہ نفوس کی قابلیت سے آراستہ ہوتے ہیں۔

انہیں عظیم ہستیوں میں سے ایک فخر المحدثین حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند بھی ہیں، جو اپنی ظاہری و باطنی علوم میں گہرائی و گیرائی اور گونا گوں صفات عالیہ اور اخلاق فاضلہ کی وجہ سے اہل علم کے مابین ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت والا علیہ الرحمہ کی اپنی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے ضرورت تھی کہ آپ کی سوانح حیات کے مختلف گوشوں اور متعدد روشن پہلوؤں پر کوئی صاحب قلم روشنی ڈالے اور لوگوں کے لئے مشعل راہ فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے! حضرت کے شاگرد خاص محترم مولانا قاری خلیل الرحمن صاحب کو کہ انہوں نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت والا کی سوانح حیات کے اہم گوشوں کو تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے پیش فرمایا ہے۔

احقر نے بنظر استفادہ اس کے مسودہ کو مختلف مقامات سے دیکھا اور پڑھا۔ ماشاء اللہ سہل و علمی اسلوب میں موضوع کے متعلق سیر حاصل کلام کر کے ایک مکمل نقشہ حیات و مرتعہ زندگی پیش کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے مفید اور نفع بخش ثمرات مرتب فرمائے اور قبولیت سے نوازے!

فقط

(حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذ ادب و فقہ دارالعلوم دیوبند

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، أما بعد:

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ کا مبسوط تذکرہ سامنے ہے، اور دل خوشی و مسرت کے ساتھ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں حمد و تشکر کے جذبات سے لبریز اور مرتب کتاب عزیز گرامی، فاضل نوجواں، مولانا مفتی خلیل الرحمن صاحب بلند شہری زادہ اللہ علماء و عملاً کے لئے دعا میں مصروف ہے کہ انہوں نے حضرت الاستاذ قدس سرہ کے تلامذہ کی جانب سے یہ فرض کفایہ ادا کر کے اپنے آپ کو ہم سب کے شکر یہ کا مستحق بنالیا۔

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ، مادر علمی کے ان اساتذہ میں سے ہیں جو اپنی طویل ترین تدریسی خدمت اور اعلیٰ انتظامی خدمات کی بنا پر تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ حضرت نے غالباً تریسٹھ سال خدمت تدریس انجام دی، جس کی برکت سے کئی کئی نسلوں نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک خاندان کی تین نسلوں کو حضرت سے پڑھنے کا موقع ملا۔ خود راقم سطور کو حضرت سے بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا جبکہ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا سعید احمد صاحب سہسپوری قدس سرہ نے حضرت سے نور الانوار وغیرہ متوسط کتب پڑھی تھیں۔

اس طویل تدریسی خدمت کے ساتھ عرصہ دراز تک نیابت اہتمام کی مسند کو حضرت کی ذات سے زینت حاصل رہی، اور آخر کے سولہ سترہ سال حضرت صدارت تدریس کے منصب پر فائز رہے؛ جو دارالعلوم کا سب سے بلند اور محترم علمی منصب ہے اور ساتھ ہی تدریس کی معراج، بخاری شریف کا سبق حضرت سے تیس سال متعلق رہا؛ جو بجائے خود ان کی

مقبولیت عند اللہ کا شاہد عدل ہے۔ گویا پندرہ بیس سال ہزاروں علماء کی سند حدیث کا سب سے ممتاز اور اولین نام ”حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب“ نور اللہ مرقدہ ہے۔

ایسی بافیض شخصیت کے احوال و سوانح کی ترتیب صرف ان کا حق ہی نہیں بلکہ تمام تلامذہ کی ضرورت بھی ہے اور اگلی نسلوں کے لئے سامان ہدایت بھی۔ اس لئے بلاشبہ عزیز مولانا مفتی خلیل الرحمن صاحب اپنے اس کام کی بنا پر حضرت کے تمام ہی تلامذہ و مجاہدین کے شکر یہ کے مستحق ہیں۔

عزیز موصوف ہمارے نہایت محترم و موثر دوست حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری مدظلہ استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے اور قاری صاحب کے حسن تربیت کا عکس جمیل ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب استعداد فاضل ہیں اور بنگلور شہر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ خود ہمارے قاری صاحب حضرت الاستاذ قدس سرہ کے ہم وطن اور ان کی مجالس کے حاضر باش اور ان کے معتمد رہے ہیں۔ اس لئے اس تذکرہ کی ترتیب میں عزیز موصوف کو ان کی تحریک و ترغیب اور رہنمائی سے بھرپور مدد ملی ہے، اس لئے وہ بھی مستحق تشکر ہیں۔ اللہ رب العزت حضرت الاستاذ قدس سرہ کی خدمات کو قبول فرما کر ہم سب تلامذہ کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں! اور عزیز مرتب کتاب زید مجدہ کو مزید علمی خدمات کی توفیق سے نوازیں! آمین!

والسلام: محمد سلمان عفا اللہ عنہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند ۲۶ شعبان ۱۴۳۳ھ ۱۷ جولائی ۲۰۱۲ء منگل

پہلا باب

خاندان، وطن اور ماحول



حضرت الاستاذ، شیخ ”نصیر احمد“ خان صاحب کا وطن موضع ”بسی“ ہے جو ضلع بلند شہر میں دریائے گنگا کے کنارے آباد، بارہ بستیوں میں سے ایک اہم بستی ہے، ان بارہ بستیوں میں بسنے والے زیادہ تر پٹھان ہیں جو مغلوں کے عہد حکومت میں یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔

حضرت مولانا کا تعلق افغانستان کے مشہور قبیلہ ”بازید خیل“ سے ہے، آپ کے اجداد میں سے شہباز خان سب سے پہلے ہندوستان آئے اور انہوں نے موضع ”بسی“ ضلع بلند شہر کو اپنا وطن بنایا، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے:-

حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان بازید خیل داؤد زئی۔

خطہ بلند شہر

بلند شہر کا نام پہلے ”برنپور“ تھا، راجہ برن نے اس شہر کو آباد کیا تھا اس لئے اسی راجہ کے نام پر اس کو برنپور کہا جاتا تھا، جس وقت غزنی کے بادشاہ سلطان محمود غزنوی ہندوستان پر بار بار حملہ آور ہو رہے تھے اس وقت ”برن پور“ راجہ ہروت کا مرکز حکومت تھا، اس راجہ نے چونکہ پنجاب کے راجہ ”جے پال“ کی محمود کے خلاف مدد کی تھی اس لئے سلطان محمود غزنوی کو اس پر کافی غصہ تھا؛ چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے دہلی کی تسخیر کے بعد ”برن پور“ کا رخ کیا، برنپور کے حکمران راجہ ہروت نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر سلطان کو صلح کا پیغام دیا، اور خراج میں کئی ہاتھی اور بہت سا مال محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا، محمود غزنوی نے بخوشی اس کو قبول کیا۔ یہ واقعہ ۱۰۱۷ء کے آس پاس کا ہے، اس واقعہ کے بعد یہاں اسلام کی روشنی پھیلنے شروع ہو گئی، اور یہاں کی ہندو آبادی کا ایک حصہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

واضح رہے کہ یہاں اسلام کی روشنی پھیلانے والے زیادہ تر وہ بااخلاق صاحب کردار دُعا و اہل اللہ تھے، جن کے ہندوستان آنے کا مقصد صرف مخلوق کی رہنمائی اور اشاعتِ اسلام ہوتا تھا، کتنے ہی لوگ ان کے عظیم اخلاق، اچلے کردار اور ستھرے معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے، یہ دعاۃ اسلام اور اہل اللہ بے غرض اور بے لوث ہو کر انبیاء اور صحابہ کے طریقے کے مطابق تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے، جس کے نتیجے میں بعض مرتبہ ہزاروں ہزار لوگ بیک وقت اسلام قبول کرتے تھے۔

جنگ آزادی میں بلند شہر کا کردار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک میں دوآبہ کے علاقہ کا بڑا حصہ ہے، شاملی، تھانہ بھون، سہارنپور، میرٹھ کی طرح بلند شہر میں بھی انگریز کے خلاف تحریک حریت کی جنگ چھڑی، بے شمار لوگ جنگ میں کام آئے۔ جس ہمت و جواں مردی اور استقلال سے یہاں جنگ لڑی گئی دوسرے علاقوں میں اس کی

مثال نہیں ملتی۔ بلندشہر میں ”کالے آم“ نام سے اب بھی ایک جگہ ہے، بہت لوگوں کو معلوم ہے کہ یہاں انگریزوں اور مجاہدین حریت کے درمیان بڑی خون ریز جنگ ہوئی، اس جنگ میں انگریز اپنی فوجی طاقت اور تنظیم کے بہتر ہونے کی وجہ سے کامیاب ہو گئے۔

اس جنگ کے اصل ہیرو ”نواب ولیدت خان“ تھے، جن کے والد اور دادا ”شاہ عالم“ بادشاہ کے زمانے سے اسی علاقے ”بلندشہر“ کے حاکم تھے۔ ”نواب ولیدت خان“ نے بلندشہر سے پانچ میل اتر، پچھم کی جانب کالی ندی کے کنارے ایک قلعہ ”مالا گڑھ“ کے نام سے تعمیر کیا، یہ قلعہ فن تعمیر کا نادر نمونہ تھا۔ دفاعی لحاظ سے بڑا مستحکم اور مضبوط تھا، کئی دفعہ مرہٹوں نے ”نواب ولیدت خان“ کے علاقے پر حملہ کیا مگر ہر دفعہ نواب صاحب نے ان کی خوب گوش مالی کی اور ان کو اپنے علاقے میں پاؤں رکھنے کا موقع نہ دیا۔

نواب ولیدت خان صاحب کی بھانجی ”بہادر شاہ ظفر“ کے شہزادے سے منسوب تھی، اس معنی میں بہادر شاہ ”نواب ولیدت صاحب“ کے قریبی رشتہ دار تھے ۱۸۵۷ء کو جب مغل بادشاہوں کو صحیح معنی میں بادشاہ بنایا گیا تو نواب ولیدت صاحب ان کو مبارک باد دینے کے لئے دہلی گئے، بادشاہ دہلی نے ”نواب ولیدت صاحب“ کی صلاحیت اور بہادری کا لحاظ کر کے نواب صاحب کو علاقہ دوا آبہ کی سند صوبہ داری مرحمت کی، یہ واقعہ ۲۶ مئی ۱۸۵۷ء کا ہے۔

نواب صاحب نے اپنے قلعہ میں آکر اپنی صوبہ داری کا اعلان کر دیا، جس کے بعد نواب کے پرچم تلے گوجروں کی ایک بڑی جماعت گوجروں کے رئیس ایمن پدھان کی سرکردگی میں جمع ہو گئی، اس کے علاوہ کئی مسلمان بڑے جاگیردار اپنے اپنے لشکر اور مال و اسلحہ کے ساتھ ”نواب ولیدت خان“ کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ ان رئیسوں میں پٹھانوں کی بارہ بستیوں کے ”سردار عبدالطیف خان“، رئیس خان پور، ”نواب مصطفیٰ خان شیفہ“، حاجی ”یاد اللہ“ خان تھانے دار قصبہ گلاؤٹھی، غلام حیدر خان، مہدی بخش خان تھے۔ نواب ولیدت خان کے پاس دس ہزار سوار، پندرہ ہزار پیادہ تھے۔ کافی عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، کئی خونریز معرکے ہوئے، جس میں انگریزوں کو کافی نقصان ہوا، مگر تقدیر کا فیصلہ غالب آیا، سب تدبیریں ناکام ہو گئیں اور دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ظالم پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ ابھرا، اور ظلم کی ہر وہ نوع، جس کا تصور کیا جاسکتا ہے، وہ مظلوم ہندوستانیوں کے لئے وجود میں لایا۔ چنانچہ توپ تھی اور ہندوستانیوں کے جسم تھے، پھانسی تھی اور ہندوستانیوں کی گردنیں، آگ تھی اور ہندوستانیوں کی بستیاں تھیں، بندوقیں تھیں اور ہندوستانیوں کے سینے، کالا پانی کی جیل اور تنگ و تاریک کوٹھریاں تھیں اور مجبور و مقہور عوام، جبر و قہر والے حاکم تھے اور بے کس و کمزور ہندوستانی۔ جن چن کر اور تلاش کر کر کے ان لوگوں کو تختہ دار پر چڑھا دیا، جنہوں نے ذرا بھی اشارہ سے یا کنایہ سے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لیا تھا، چنانچہ ”نواب ولیدت خان“ کے قلعہ ”مالا گڑھ“ پر بھی حملہ کیا اور توپوں کی گولہ باری سے پورے قلعہ کو مسما کر دیا۔ جن لوگوں نے نواب صاحب کا ساتھ دیا تھا، ان کو چن چن کر تختہ دار پر چڑھایا۔ اس واقعہ میں قربان ہونے والے زیادہ تر لوگ خورجہ بلندشہر اور دکنور کے تھے، ہر روز بلندشہر کے ”کالے آم“ پر پھانسی دی جاتی تھی اور لاشیں لٹکا کر چھوڑ دی جاتی تھیں۔

”بلندشہر“ کے نواح کی گوجر قوم بھی جنہوں نے ”نواب ولیدت خان“ کا انگریزوں کے خلاف ساتھ دیا تھا، انگریز کے عتاب کا شکار ہوئی، انگریز اس قوم کے خلاف بڑا غضبناک تھا کیونکہ اس قوم نے اس جنگ آزادی میں انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ ”ایمن پدھان“ ان کا رئیس تھا جو بہت بہادر اور جری تھا اس نے اپنی پوری قوم کو جنگ آزادی میں جھونک دیا تھا۔ انگریز نے قلعہ ”مالا گڑھ“ کو سر کرنے کے بعد اس قوم کا پیچھا کیا اور من حیث القوم اس پوری قوم کو ختم کرنے کی کوشش کی، گاؤں کے گاؤں جلانے، جائیدادیں نیلام کیں اور جس کو جہاں پایا قتل کیا

جنگ آزادی میں بارہ بستی کا کردار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ”بارہ بستی“ کے پٹھانوں نے بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، پٹھانوں کی ان بستیوں کے سب سے بڑے رئیس ”نواب عبدالطیف خان صاحب“ تھے۔ ان کی ریاست ڈیڑھ سو دیہات پر مشتمل تھی۔ کافی وضع دار اور بہادر آدمی تھے، ضلع بلندشہر کے بہت مضبوط اور قدیم

جاگیردار تھے۔ مغل بادشاہوں کو بھی ان سے کافی توقعات تھیں، ”نواب ولیدت خان صاحب“ نے انگریزوں کے خلاف جب ”طبلِ جنگ“ بجایا تو ”عبداللطیف خان صاحب“ بھی ”نواب ولیدت خان صاحب“ کے پرچم تلے میدانِ جنگ کو دگئے، اور ملک کی آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔

”کالے آم“ پر لڑی جانے والی خوں ریز جنگ میں ضعف و پیری کے سبب خود تو شریک نہ ہو سکے، مگر اپنی طرف سے فوج و اسلحہ اور سامانِ رسد کا مکمل انتظام کیا، اس کے علاوہ ہر محاذ پر ”نواب ولیدت خان صاحب“ کے دوش بدوش رہے، انگریز نے دہلی پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد ان کو بھی ظلم و ستم کی چکی میں پیسا، تمام جائیداد ضبط کی اور نواب صاحب کو گرفتار کر کے جس دوامِ عبور دریاے شور کی سزا سنائی۔ (ماخوذ از: علمائے دیوبند کا شاندار ماضی، ص: ۳۱۷ ج ۹۴)

بلند شہر کی چند نامور علمی ہستیاں

علامہ پروفیسر الیاس برنی صاحبؒ

الحاج مولانا محمد الیاس چشتی قادری نقشبندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹/۱۱/۱۸۸۹ء اپنے نانہالی مقام خورجہ ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے، آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے، اس لئے اللہ نے دین کے لئے فاروقی غیرت و حمیت سے بھی نوازا تھا، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع، دین کی سربلندی کا جذبہ آپ کی طبیعت کا جزء لا ینفک تھا، والد صاحب کا نام حضرت حافظ محمد ابراہیم برنی تھا۔ آپ کے والد صاحب فطرتاً متدین اور نیک تھے اس لئے ان کی تربیت پر خاص توجہ دی، ان کو شروع ہی سے دینی و اصلاحی سانچے میں ڈھالا۔ الیاس برنی صاحبؒ کی تعلیم خورجہ اور علی گڑھ میں ہوئی۔

۱۹۱۷ء میں جب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں دارالترجمہ قائم ہوا تو بطور خاص علی گڑھ سے آپ کو بلا یا گیا۔ آپ کو بلانے والے حیدرآباد کے ارباب حکومت تھے۔ حیدرآباد میں آپ کو ناظم دارالترجمہ بنا دیا، پھر اسی یونیورسٹی میں شعبہ معاشیات کے پروفیسر اور صدر رہے، چند دنوں بعد جامعہ کار جسٹرار بنادیا گیا، اور آخر میں ناظم دائرۃ المعارف اور خصوصی افسر مقرر کئے گئے۔ دیانتداری، پاکیزگی اور ادب و وقار سے آپ کی زندگی عبارت تھی۔

علامہ الیاس برنیؒ، صاحبِ قلم تھے، مختلف علوم و فنون پر پچاس گراں قدر تصانیف آپ کے قلم گوہر بار سے صادر ہوئیں جن میں سے سات تصانیف صرف ردِ قادیانیت پر ہیں آپ کی تصانیف میں سب سے مشہور اور تحقیقی کتاب ”قادیانیت کا علمی محاسبہ“ ہے آج تک قادیانی اس کے کسی حوالے کو بھی چیلنج نہیں کر سکے۔ یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں کے لئے مرجع و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب نے اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے بعض علماء کی رائے کے مطابق یہ کتاب ردِ قادیانیت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب چونکہ مصنفؒ کی زندگی میں طبع ہو کر منظر عام پر آگئی تھی اس لئے باقی رہی اور مشہور بھی ہوئی مگر آپ کی باقی تصانیف آپ کی وفات کے بعد خاص سازش کے تحت تلف کر دی گئیں، نیز آپ کے کتب خانے کو بھی سازش کے تحت خرد برد کر دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ کی کتاب ”قادیانیت کا علمی محاسبہ“ اس وقت منظر عام پر آئی جب امت کو اس کی بے حد ضرورت تھی۔ قادیانی گروہ انگریزوں کی سرپرستی میں دین محمد ﷺ کو کھوکھلا کرنے اور امت محمدیہ کو اسلام سے منحرف کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا، مسلمانوں کا بعض علمی طبقہ اس وقت پریشان تھا کہ اس فتنہ کا سد باب کیونکر ممکن ہے۔ علامہ الیاس برنی صاحب نے ”قادیانیت کا علمی محاسبہ“ لکھ کر اس فتنے کی سرکوبی کے لئے ان کو ایک راہ دی۔ اللہ پوری امت کی طرف سے علامہ الیاس صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۲۶ جنوری ۱۹۵۹ء میں آپ کی وفات ہوئی، بعض حضرات کی رائے کے مطابق آپ کی وفات خورجہ ضلع بلند شہر میں ہوئی مگر خورجہ کے رہنے والے بعض وہ حضرات جو آپ کو جاننے والے ہیں ان کے بقول آپ کی وفات خورجہ میں نہیں ہوئی، بلکہ حیدرآباد میں ہوئی ہے، البتہ ان کے خاندان کے

کچھ لوگوں کے مزارات خورجہ میں ضرور ہیں، خورجہ میں ان کی جائیداد بھی تھی اور معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خورجہ ضلع بلندشہر کا بڑا مدرسہ انہیں کی جائیداد میں بنا ہوا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

بقیۃ السلف حضرت مولانا عاشق الہی صاحب بلند شہری قدس سرہ:

آپ کے والد محترم کا نام صوفی محمد صدیق تھا جو بہت نیک و صدرا اور انتہائی مخلص بھولے بھالے اور نیک طبیعت انسان تھے، آپ کی پیدائش غالباً ۱۳۴۳ھ میں وطن مالوف موضع ”بسی“ ضلع بلندشہر میں ہوئی۔ کچھ بڑے ہوئے تو سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ قرآن مجید میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا صدیق صاحب پنجابی ثم سنبھلی تھے، ان کے پاس آپ نے مکمل قرآن پاک حفظ کیا، پھر انہیں سے تکمیل حفظ کے بعد فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں کافیہ تک پڑھیں، اس کے بعد آپ نے ”مدرسہ امدادیہ مراد آباد“ میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے مکمل دو سال تعلیم حاصل کی۔ ان دو سالوں میں شرح وقایہ، قدوری، کنز الدقائق، اصول الثاشی، شرح تہذیب، نور الانوار، فقہ الیمن، شرح جامی، اور قطبی پڑھیں، ساتھ میں قاری عبدالباسط بکراسوی سے ابتدائی قرأت کی کتابیں اور مشق و حدروغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس مدرسہ میں آپ نے ۱۳۵۶ھ میں داخلہ لیا تھا اور ۱۳۵۷ھ کے آخر تک اسی مدرسہ میں مکمل محنت اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے، بعد ازاں شوال ۱۳۵۸ھ میں ”مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ“ میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے ”مختصر المعانی، سراجی، ہدایہ اولین، حسامی، سلم العلوم، شرح عقائد نسفی اور میبذی و مقامات“ پڑھیں۔

مظاہر العلوم میں داخلہ:

۱۳۶۰ھ میں آپ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، یہاں چونکہ بڑے بڑے اساطین علم تھے، اس لئے آپ کو اپنی علمی تشنگی بجھانے کا خوب موقع ملا، مظاہر علوم میں داخلہ والے سال جو کتابیں پڑھیں، ان میں ”ہدایہ ثالث، دیوان متنبی، حماسہ، توضیح و تلویح اور ملا حسن“ ہیں، مظاہر العلوم میں آپ نے اپنے تین سالہ قیام میں باقاعدہ فنونِ قراءت کی تکمیل کی، قرأت میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان صاحب تھے، کتب قرأت میں ”المقدمۃ الجزریہ اور شاطبیہ“ وغیرہ پڑھیں، قرأت میں آپ کی دلچسپی کے باعث استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید سلیمان صاحب کی بھی خصوصی توجہ آپ پر رہی، آپ کو مدرسہ کی طرف سے سند سے نوازا گیا، وہیں استاذ محترم نے بھی اپنی خصوصی سند مرحمت فرمائی

۱۳۶۱ھ میں ”مظاہر علوم سہارن پور“ میں رہتے ہوئے ”ملاحسن، ہدایہ ثالث، دیوان متنبی، کے ساتھ ترجمۃ القرآن، ملا جلال، میرزا ہد، عروض المفتاح، اور مسلم الثبوت“ وغیرہ پڑھیں۔ پھر ۱۳۶۲ھ ”جلالین، حمد اللہ، مقدمہ شیخ عبدالحق، شرح نخبۃ الفکر، سراجی“ پڑھ کر ۱۳۶۳ھ میں دورہ پڑھا، دورہ حدیث میں بخاری، ابوداؤد و حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے اور بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سے جبکہ مسلم شریف حضرت مولانا منظور خان صاحب سے۔ ترمذی، شمائل ترمذی اور طحاوی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سے پڑھیں۔ اسی طرح ”نسائی، ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک“ کے اسباق بحر العلوم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ و مجاز حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ سے حاصل کئے۔ قدرت نے آپ کو فطری طور پر شرافت و نجابت سے نوازا تھا۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ صلاح و صلاحیت اور حلم و سنجیدگی کے اعتبار سے مشہور تھے، علمی انہماک اور مطالعہ میں یکسوئی کے اعتبار سے بھی آپ کا شمار ممتاز طلبہ میں تھا، آپ کے خصوصی رفقاء درس میں حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوئی اور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب جیسے اصحاب علم و فضل شامل تھے۔

۱۳۶۴ھ میں ارباب مظاہر نے آپ کو سند فراغت و فضیلت مرحمت فرمائی، حدیث کی خصوصی سند حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب اسی طرح حضرت مولانا حیات صاحب سنبھلی قدس اللہ اسرارہما کی طرف سے بھی حاصل ہوئی، بعد ازاں جب آپ پاکستان تشریف لے گئے تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ نے سند حدیث اور سند افتاء مرحمت فرمائی، پھر مسند العصر حضرت شیخ یاسین بن عیسیٰ المکی الشافعی سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہوئی۔

افاضۂ باطنی:

زمانہ طالب علمی میں ہی اضافہ باطنی کے لئے طبیعت میں شدید تقاضا پیدا ہوا، چنانچہ مرشد کے انتخاب کے وقت بے تابانہ نگاہ استاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ پر پڑی، دل کا تقاضا اور شدید تقاضا تھا کہ فیوض باطنی کے لئے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے وابستگی ہو جائے، اس کے لئے حضرت شیخ کے سامنے حال دل کہہ سنایا، حضرت شیخ نے مرشد کے اخلاص کو دیکھتے ہوئے باقاعدہ بیعت اصلاح لیکر اپنے مبارک سلسلے میں داخل فرمایا۔ اس طرح راہ سلوک کے تمام مراحل حضرت شیخ الحدیث کے سامنے طے ہوتے رہے، افاضۂ باطنی اور اصلاح نفس کا یہ تعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب سے حضرت شیخ کی وفات تک رہا، حضرت شیخ الحدیث کی وفات کے بعد صاحب زادہ محترم حضرت مولانا طلحہ صاحب نے آپ کو اجازت بیعت اور خلافت سے نوازا۔

فراغت کے بعد:

فراغت کے بعد اساتذہ کے حکم پر ”مدرسہ آثار ولیؒ بٹالہ ضلع گورداس پور“ میں چھ ماہ تک خدمات انجام دیں پھر مدرسہ اسلامیہ کھٹور ضلع میرٹھ تشریف لے آئے اور اپنے فیوض و برکات سے اس علاقے کو سیراب کیا۔ ایک عرصہ تک یہاں خدمات انجام دینے کے بعد ”مدرسہ حافظ لاسلام فیروز پور جھر کہ ضلع گوڑ گاؤں“ میں ایک سال تک تدریس میں مشغول رہے، بعد ازاں دعوت و تبلیغ کی مبارک محنت کے سلسلہ میں کم و بیش ڈھائی سال بنگلہ والی مسجد مرکز حضرت نظام الدینؒ دہلی میں قیام پذیر رہے، اس دوران مکمل جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ دعوت و تبلیغ میں سرگرم رہے، دعوت و تبلیغ اور اس راہ کے رہنماؤں کی صحبت سے آپ میں امت کی فکر، دین کی حفاظت کی تڑپ اور ملت کا درد شدت کے ساتھ پیدا ہوا، یہی وجہ تھی کہ آپ آخر عمر تک داعیانہ کردار کے حامل رہے حتیٰ کہ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی بیشتر تحریریں اسی جذبے کے تحت وجود میں آئیں تو یہ بات سو فیصد درست ہوگی، اس سے بہت کم لوگوں کو انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

شعبان ۱۳۷۳ھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے مشورہ سے آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۱۳۷۸ھ تک قیام رہا، اس درمیان مختلف النوع دینی خدمت انجام دینے کے ساتھ کئی جدید مدارس بھی قائم فرمائے، ان مدارس کا دینی فیض دور تک پہنچا اور کئی علاقوں پر دینی اثرات کے عمدہ نقوش انہیں مدارس کے ذریعے قائم ہو سکے۔

۱۳۷۸ھ میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے، حج سے واپس ہوئے تو ”مدرسہ حیات العلوم مراد آباد“ میں بحیثیت نائب ناظم اور مدرس علیا کے عہدہ کے لئے منتخب ہوئے یہاں رہتے ہوئے آپ نے بیضاوی شریف، مسلم شریف ابوداؤد شریف، طحاوی شریف، موطا امام مالک، اور موطا امام محمد وغیرہ کتب تفسیر و حدیث کے اسباق پڑھائے۔ اس مدرسے کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب (جو خود صاحب علم اور صاحب نسبت بزرگ تھے) کو آپ پر بہت اعتماد تھا، دونوں کے مزاجوں میں مناسبت اور محبت تھی، اسی کے ساتھ ایک دوسرے کے تین عقیدت و احترام کے جذبات سے بھی دونوں حضرات معمور تھے، اس مدرسے میں آپ کے درس کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اس لئے آپ ذمہ داران مدرسہ اور طلبہ سب کے نزدیک انتہائی محترم اور قابل قدر تھے۔

پاکستان میں:

شوال ۱۳۸۴ھ میں آپ پاکستان تشریف لے گئے یہاں آپ کو مفتی اعظم پاکستان ”حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ“ نے خصوصی طور پر بلایا تھا، چونکہ مفتی صاحب قدس سرہ نے ”دارالعلوم کراچی“ کے لئے آپ کو دعوت دی تھی اس لئے ”دارالعلوم کراچی“ میں آپ خدمت حدیث اور خدمت افتاء پر مامور ہوئے۔ درس و تدریس اور افتاء کے محنت طلب اور جاں گسل مشغلے کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی آپ نے اپنا رابطہ رکھا، دارالعلوم کراچی رہتے ہوئے پیشتر مضامین اور نادر تحریریں آپ کے قلم گوہر بار سے نکلیں، ان میں سے بعض تحریریں فرق باطلہ کے رد میں تھیں جب کہ بیشتر مضامین اور تحریریں اصلاحی

وارشادی عنوانات کی حامل رہیں۔

مدینہ منورہ میں :

عرصہ سے یہ تمنا آپ کے دل میں موجزن تھی کہ کسی طرح سے جوار رسول میسر ہو جائے۔ رب نے آپ کی اس تمنا اور دیرینہ آرزو کو قبول کیا، چنانچہ اسی ذات واحد نے مدینہ جانے کے اسباب بھی مہیا فرمائے، آپ اللہ کے حکم اور انتظام سے مکمل عزت و حرمت کے ساتھ مدینہ منورہ میں فروکش ہوئے۔ صالح حقیقی کی کاری گری رب حکیم کی حکمت (جو ہر حال میں بندوں کے لئے مفید ہوتی ہے) کا ظہور اس طرح ہوا کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا وعظمتہ میں پہنچ کر اپنے استاذ محترم اور مرشد حضرت شیخ الحدیث کی صحبت میسر آگئی، اس درمیان حضرت شیخ الحدیث کے حکم سے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، کم و بیش چھبیس سال آپ مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر اپنی گراں قدر تحریر اور فتاویٰ سے امت کی رہنمائی کرتے رہے، آپ کے مدینہ منورہ کے قیام سے سب سے زیادہ فائدہ برصغیر ہندوپاک کے حجاج کرام کو ہوا کہ وہاں پہنچ کر دینی مسائل کے حل کے سلسلے میں آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔

وفات :

علم و عمل کا یہ آفتاب ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ ۲۸ نومبر ۲۰۰۱ء میں غروب ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں آپ مدفون ہیں۔

علمی و تصنیفی کارنامے :

قدرت نے آپ کو تصنیف و تالیف کا بڑا ستھرا ذوق نصیب فرمایا تھا، چنانچہ آپ جہاں بھی رہے اور جس حال میں بھی رہے لکھنے اور لکھانے کا سلسلہ کبھی نہیں چھوڑا، کم و بیش ایک سو تیرہ چھوٹی بڑی کتابیں آپ نے لکھیں، انداز تحریر سادہ، سلیس اور جاذب تھا، طرز ادا میں بلا کی دلکشی تھی، زیادہ تر فرقہ باطلہ کی تردید اور اس سے کہیں زیادہ اصلاح و ارشاد کے عنوان کے تحت کتابیں تحریر فرمائیں، بعض کتابیں عربی میں بھی تحریر فرمائیں آپ کی خاص خاص کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

- (۱) شرح معانی الآثار (۲) تبہیج الراوی بتخریج احادیث الطحاوی (۳) زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین (۴) الفوائد السنیہ فی شرح الاربعین النوویہ (۵) تفسیر سورۃ فاتحہ (۶) القادیانیہ ماہی؟ یہ کتاب آپ نے حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے حکم پر عربی زبان میں تحریر فرمائی (مقصد عالم عرب کو اس فتنے سے باخبر کرنا تھا)
- (۷) التحفة المرضیة فی شرح المقدمة الجزریة (۸) امت مسلمہ کی مائیں (۹) صاحبزادیاں (۱۰) اسلام کے لئے صحابہ کرام کی جانبازی (۱۱) تذکرہ اصحاب صفہ (۱۲) آخرت کے فکر مندوں کے پچاس قصے (۱۳) چھ باتیں (۱۴) مسنون دعائیں (۱۵) خدا کا ذکر (۱۶) اکرام المسلمین (۱۷) اخلاص نیت (۱۸) شرعی پردہ (۱۹) ہماری مصیبتوں کے اسباب اور ان کا علاج (۲۰) فضائل علم (۲۱) اسلامی آداب قرآن و سنت کی روشنی میں (۲۲) فضائل امت محمدیہ (۲۳) تحفہ خواتین، کثرت سے شائع ہونے والی کتابوں میں سے ہے (۲۴) حالات جہنم (۲۵) احوال برزخ (۲۶) میدان حشر (۲۷) خدا کی جنت (۲۸) حقوق والدین (۲۹) انعام الباری فی شرح البخاری (۳۰) مجموعہ وصایا امام اعظم اور پھر آپ کی شاہکار تصنیف تفسیر انوار البیان آپ کی تصنیف کردہ یہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کی زندگی میں بہت کثرت سے شائع ہوئیں اور آج بھی بڑی تعداد میں شائع ہو رہی ہیں۔

علامہ ماہر القادری :

بلند شہر کے صاحب علم حضرات میں ماہر القادری برنی کا تذکرہ کئے بغیر یہ باب ناقص رہیگا، علامہ ماہر القادری عظیم ادیب، مشہور سخنور، قادر الکلام شاعر، بہترین نثر نگار و دوزبان کے مزاج دان اور رسالہ ”فاران“ کے ایڈیٹر تھے۔

موصوف کی ولادت ”کیسر، ضلع بلند شہر“ میں ۱۹۰۷ء میں ہوئی، زندگی کا ایک طویل عرصہ حیدرآباد میں گذرا، کچھ دنوں اخبار ”مدینہ“ بجنور کے ادارہ

تحریر میں رہے پھر بجنور سے دہلی منتقل ہو گئے اور جمعیت علماء ہند کے اخبار ”الجمعیۃ“ سے وابستہ رہے، دینی تحریک و دعوت سے لگاؤ تھا، اخیر میں مولانا مودودی صاحب سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے اپنے رسالہ ”فاران“ پر جماعت اسلامی اور اس کے افکار کی گہری چھاپ پڑ گئی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے، سیرت پران کی کتاب ”دریتیم“ ایک بہت ہی خوبصورت کتاب ہے، جس کو پڑھنے سے چمن زار افکار میں موسم بہار کی ہوائیں سرسرا نے لگتی ہیں، اس کے علاوہ ”کاروان حجاز، نقش توحید، نعمات ماہر، محسوسات ماہر، فردوس، ذکر جمیل، سنت یا بدعت“ آپ کی مشہور کتابیں ہیں، آپ کی نظم بعنوان ”قرآن کی فریاد“ نے بہت شہرت حاصل کی۔

موصوف ہندوپاک کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ، عرب، عراق اور دوسرے ملکوں میں بحیثیت شاعر مدعو کئے گئے، اور ہر جگہ شعر و ادب کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی نعمت سے بھی بہرہ مند کیا تھا۔ جو مشاعروں میں ان کی مقبولیت کو چار چاند لگا دیتی تھی۔ آپ صف اول کے شاعروں میں سے تھے۔ ان کی شاعری کا اصل معیار ان کے قبول عام کا اصل راز تھا۔ مولانا ایک عمدہ تبصرہ نگار کی حیثیت سے بھی خوب جانے گئے، کیونکہ مصنفین کی تخلیقات پر تبصرہ کرنے میں آپ نے بڑی دیدہ ریزی اور دیانت سے کام لیا تھا۔ ان سب کے علاوہ وہ ایک مخلص مسلمان اور عاشق رسول اور پر جوش حامی دین تھے۔

۱۹۷۸ء میں جدہ میں ایک مشاعرہ میں تشریف لے گئے تھے، وہاں کسی شاعر کی زبانی اسلامی اقدار کا مذاق اڑانے والا ایک شعر کہا گیا جس پر ان کی دینی محبت اور غیرت کو جوش آیا۔ اسٹیج ہی پر اس شعر کے خلاف کلمہ احتجاج بلند کرنے لگے اسی درمیان ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۱۹۷۸ء جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ میں جدہ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب برنی نور اللہ مرقده:

نام و نسب اور ولادت :

اصل نام مشتاق احمد، والد کا نام حکیم بشیر احمد صاحب، ساکن املیا، ضلع بلندشہر، یوپی، ولادت: ۱۴/ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۷ء بروز دو

شنبہ۔

آغاز تعلیم:

آپ کی تربیت اپنے آبائی گاؤں میں ہوئی، اور ہوشیار ہونے کے بعد نورانی قاعدہ سے آپ کی تعلیم کا آغاز ”املیا“ ہی میں ہوا، اس کے بعد تقریباً آٹھ سال کی عمر میں جون ۱۹۳۵ء کو آپ اپنے والدین کے ہمراہ ”جبل پور، مدھیہ پردیش“ تشریف لے گئے اور جاتے ہی درجہ ۳ میں داخل ہو گئے اور اول نمبر سے پاس ہوئے، اس کے بعد درجہ چار پاس کیا۔

والد محترم آپ کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن والدہ محترمہ کا اصرار اور آپ کا طبعی ذوق قرآن کریم حفظ کرنے کا تھا چنانچہ والد محترم نے آپ کے طبعی ذوق اور والدہ محترمہ کے اصرار کی رعایت کرتے ہوئے آپ کو حفظ کرانا شروع کرادیا۔

جبل پور سے بلندشہر منتقلی:

پونے تیرہ پارہ جبل پور میں حفظ کرنے کے بعد آپ بلندشہر منتقل ہو گئے اور بقیہ قرآن حافظ عبدالرحمن صاحب کی خدمت میں رہ کر مکمل کیا۔ ۱۹۳۹ء بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

عربی و فارسی کی تعلیم کا آغاز :

حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے ”مدرسہ قاسمیہ، کالی مسجد، بلندشہر“ میں داخلہ لیا اور جناب مولانا حشمت علی صاحب سے فارسی کی تعلیم شروع کی اور مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف تک تمام ہی کتابیں اپنے مولانا سے پڑھیں اور اعلیٰ نبرات حاصل کئے، آپ کا قیام مدرسہ قاسمیہ بلندشہر میں

۱۹۴۶ء تک رہا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت :

۱۹۴۶ء ہی میں ۲۰ شوال ۱۳۶۵ھ کو آپ نے دارالعلوم میں داخلہ لیا، اور دوبارہ ”مشکوٰۃ شریف، ملاحسن، میبذی اور شرح عقائد“ وغیرہ کتب اور تجوید حفص کا کورس مکمل کیا اور اس کے بعد آئندہ سال ملک تقسیم ہو گیا اور راستوں کے منحرف ہونے کی وجہ سے تین ماہ گھر پر ہی قیام رہا اور ۲۷ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ کو پھر دارالعلوم پہنچے، جس کی وجہ سے دورہ حدیث کی اہم مباحث چھوٹ گئیں جس کی وجہ سے اساتذہ کرام کے مشورہ سے دورہ حدیث کے بجائے ”حماسہ، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف سورہ بقرہ“ اسباق تجویز ہوئے اور قرأت سبعہ کا نصاب مکمل کیا پھر اس کے بعد شوال ۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۸ھ آپ نے دورہ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ ساتھ ہی قرأت سبعہ قرآن کریم کا اجراء مکمل کیا اور دورہ حدیث کے بعد ایک سال طب کی کتابیں پڑھیں اور اس کے ساتھ ہی ”دیوان متنبی، حسامی اور قرأت عشرہ“ پڑھی۔

خصوصی اساتذہ کرام:

دارالعلوم میں رہ کر علوم نبوت کے جن درخشندہ ستاروں سے آپ نے اکتساب فیض کیا، ان میں سرفہرست شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ہے اور دوسری عظیم شخصیت شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امر و ہویٰ کی ذات گرامی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا سید فخر الحسن صاحب مراد آبادی، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہری، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب، مولانا شریف احمد صاحب، مولانا عبد الحلق صاحب ملتائی مولانا معراج الحق صاحب صدیقی دیوبندی، میاں جی اختر حسین صاحب، حکیم محمد عمر صاحب بھی آپ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں۔

خصوصی رفقاءے درس:

آپ کے رفقاءے درس میں سب سے اہم شخصیت ”امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب“ صدر جمعیتہ علمائے ہند کی ذات گرامی ہے، اس کے علاوہ ”حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ ورکن شوری دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ، ضلع سہارنپور، محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد عثمان غنی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بستوی مقیم حال مدینہ منورہ“ جیسی نابغہ روزگار شخصیات آپ کے درس میں شامل تھیں۔

درس و تدریس کا آغاز :

فراغت کے بعد چار ماہ کا وقت آپ نے تبلیغی جماعت میں لگایا، اس کے بعد اکابرین دارالعلوم کے مشورہ سے حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب کی طلب پر ”مدرسہ منبع العلوم جامع مسجد گلاؤٹھی ضلع بلند شہر“ میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا اور ڈیڑھ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتب آپ کے زیر تدریس رہیں۔ ”مدرسہ منبع العلوم“ میں آپ کا قیام ۳۰ شوال ۱۳۷۱ھ تک رہا۔

جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تقرر:

یکم ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۵۲ء کو آپ خادم الاسلام تشریف لے آئے آپ روز اول ہی سے جامعہ کے کامیاب مدرس، ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین رہے ۱۹۷۶ء میں جب آپ کے جامعہ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوا تو آپ ہی کو شیخ الحدیث منتخب کیا گیا اور بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق کیا گیا۔ عرصہ دراز تک آپ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کا درس دیتے رہے اخیر عمر میں بوجہ علالت طبع بخاری جلد ثانی کا درس مولانا

قاری اصغر صاحب سے متعلق کیا گیا اور زندگی کے آخری لمحات میں قاری محمد اصغر صاحب ہی دونوں جلدیں پڑھانے لگے، قاری صاحب کے دور میں ”جا معہ خادم الاسلام ہاپوڑ“ کو تعلیمی و تعمیراتی ہمہ جہت ترقی حاصل ہوئی۔

مہتمم جامعہ مولانا ناظر حسین صاحب اور قاری صاحب دونوں ہی بزرگ یکجان و دو قالب ہو کر جامعہ کی ترقی کے واسطے برابر کوشاں رہے۔ آپ مالیہ کی فراہمی اور جامعہ کے تعارف کے لئے ملک کے طول و عرض میں کثرت سے اسفار فرماتے، پاکستان، برطانیہ اور ریاض کے دعوتی اسفار بھی فرمائے، آپ کے ممتاز تلامذہ کی طویل فہرست ہے جس کو صفحہ قرطاس پر لانا دشوار اور باعث طوالت ہے، آپ کے تلامذہ ممتاز عربی درس گاہوں میں دین متین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں جو بلاشبہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے، آپ نے اپنی حیات مستعار کی نصف صدی جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی خدمت درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت میں صرف فرمادی۔ آپ کو آپ کے معاصر ”مجسمہ جلسہ“ کہا کرتے تھے، آپ کا حافظہ کمال کا تھا، درسی و غیر درسی کتابوں پر آپ کو عبور تھا۔ قرآن کریم سے آپ کو خصوصی تعلق اور شغف تھا، روزانہ بلا ناغہ قرآن کریم کی تلاوت کے عادی تھے، آپ بہت اچھے شاعر تھے، فی البدیہہ اشعار کہنے میں آپ کو کمال حاصل تھا، تاریخ ولادت، اور تاریخ وفات کو اشعار میں نظم کرنے میں آپ کو خصوصی درک حاصل تھا۔ ع خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ملی اور سماجی خدمات :

(۱) آپ متعدد دینی درس گاہوں اور مدارس دینیہ کے سرپرست اور رکن شری تھے۔
(۲) صد سالہ اجلاس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حالات ناگفتہ بہ ہوئے جس کے نتیجے میں ”مؤتمر بنائے دارالعلوم دیوبند“ کا قیام عمل میں آیا، آپ کو اس مؤتمر کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔
(۳) ۱۹۶۳ء میں مولانا ناظر حسین صاحب نے مظلوم و ستم رسیدہ عورتوں کی ”گلو خلاصی“ کے لئے عدالت شرعیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا۔ پھر ۱۹۶۵ء میں جمعیت علمائے ہند کی ہدایت پر اس ادارہ کا نام ”شرعی پنچایت“ پھر ۱۹۸۶ء میں ”امارت شرعیہ ہند“ کے قیام کے بعد اس ادارہ کا نام ”محکمہ شرعیہ“ تجویز ہوا، آپ اس ادارہ کے روز اول سے رکن رکن رہے پھر ۱۹۷۵ء میں مولانا حسن صاحب چاند پوری سابق استاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے بعد آپ کو شرعی پنچایت کا قاضی منتخب کیا گیا، آپ ہی تمام مقدمات کے فیصلے فرمایا کرتے تھے، زندگی کے آخری لمحات تک آپ اس ادارہ سے وابستہ رہے۔

(۴) بابرہ مسجد کی شہادت کے بعد قاری صاحب کو ”جمعیت علمائے شہر ہاپوڑ“ کا صدر منتخب کیا گیا، آپ کے دورِ صدارت میں جمعیت علمائے کوحیرت انگیز ترقی ہوئی، آپ ہی کے دورِ صدارت میں جمعیت کا ”دارالشفاء“ قائم ہوا، جو آج ”مدنی دارالشفاء“ کے نام سے باشندگان ہاپوڑ کی بلا امتیاز مذہب و ملت بے لوث خدمت میں مصروف ہے۔

اس کے علاوہ ”مسلم فنڈ ہاپوڑ“ اور ”جامع مسجد شہر ہاپوڑ“ کی تعمیر و توسیع میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ الغرض خدا تعالیٰ نے آپ کو بے شمار صفات حمیدہ اور خوبیوں کا حامل بنایا تھا۔

علالت اور وفات :

آپ کو سب سے پہلے ۱۹۹۱ء میں دل کا دورہ پڑا اور ”بتر اسپتال دہلی“ میں آپ کا علاج کرایا گیا، آپ ماشاء اللہ صحت یاب ہو گئے۔ پھر ریاض کا سفر بھی کیا اور ریاض پہنچ کر آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی، آپ واپس آ گئے پھر وقفہ وقفہ سے آپ صحت یاب اور بیمار ہوتے رہے، صحت یابی کے زمانے میں آپ مدرسہ کی ذمہ داری معمول کے مطابق انجام دیتے رہے، آخری مرتبہ آپ تقریباً پونے دو سال بیمار رہے اور آپ صحت یاب نہ ہو سکے، بالآخر ملک الموت صبح صادق سے قبل تہجد کے وقت ۸ شوال ۱۴۲۱ھ میں آپ کے پاس پہنچ ہی گیا اور آپ کی روح کو نفسِ عنصری سے نکال کر چلا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون)

صبح ہوتے ہی مشتاقان زیارت جوق در جوق آنے لگے چند ہی گھنٹوں میں پورا شہر اور اطراف و جوانب کے لوگ قاری صاحب کے مکان پر اور جامعہ کے اندر جمع ہو گئے، نماز جنازہ بعد ظہر جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاؤس کی جدید عمارت کے وسیع صحن میں حضرت قاری صاحب کے رفیق درس امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے پڑھائی۔ آپ کی نماز میں مولانا سید ارشد مدنی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند، مولانا بلال اصغر صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالحق صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمود حسن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد یعقوب صاحب مرکز نظام الدین کے علاوہ علاقہ کے مدارس کے ذمہ داران اور ہزاروں کی تعداد میں عامۃ المسلمین موجود تھے، نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جامعہ کے قریبی قبرستان محلہ کریم پورہ، بلند شہر روڈ لے جایا گیا اور وہاں آپ کی تدفین عمل میں آئی اور ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہو گئے۔

پسماندگان:

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، تین صاحب زادگان، محمد سالم، قاری محمد عاصم محمد غانم اور صاحبزادیاں، نواسہ، نواسیاں پوتے، پوتیاں ہیں۔ ثانی الذکر صاحبزادے جامعہ میں استاذ ہیں اور جامع مسجد شہر ہاؤس کے امام ہیں، ماشاء اللہ خوش اخلاق اور با وضع آدمی ہیں۔ آپ اپنے والد کے نقش کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ خدا نے تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور قاری صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین)

(ماخوذ: از ذکر رفتگاں، ص: ۴۵۵)

صاحب سوانح

حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خان صاحب :

ولادت:

۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔

ماحول:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے بچپن میں آپ کی بستی اور اطراف کی دیگر بستیوں کا ماحول کافی پرآگندہ تھا، دینی بیزاری، بے راہ روی، اور عیش پسندی کا عمومی رجحان تھا، ان بستیوں میں رہنے والے زیادہ تر متمول اور خوشحال تھے، اس متمول اور خوشحالی نے ان کو زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ شان و شوکت رکھنے والی زندگی گزارنے کا عادی بنا دیا تھا۔

حضرت نے خود ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ ”زمینداری اور اور متمول نے ہماری بستی والوں کو عیش پسند بنا دیا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ بے شمار افراد شراب و کباب کے عادی تھے، اور گھمنڈ تو گویا کہ ان کی گھٹی میں پڑ گیا تھا“ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آئے دن جگہ جگہ مجھے منعقد ہوتے، گھروں میں ناچنے گانے والیاں بلائی جاتیں، رات میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو کئی گھروں سے رقاصاؤں اور مغنیات کے گانے کی آوازیں آتیں۔“

عیش و نشاط اور تاریکی کے اس ماحول میں کئی گھرانے دین کے روحانی و حیات بخش ماحول کو مضبوطی سے اپنائے ہوئے تھے، یہ گھرانے دینی اصول و ضوابط پر سختی سے عامل ہونے کے ساتھ ساتھ بزرگوں سے بھی عقیدت و محبت رکھتے تھے، حضرت والا کا گھرانہ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔

خاندانی احوال:

حضرت شیخ نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کا خاندان ہمیشہ علماء اور صلحاء کا اور بزرگوں کا قدردان اور گرویدہ رہا ہے، حضرت والا قدس سرہ کے والد محترم کا اکابر علماء اور اہل اللہ کو اپنے یہاں کثرت سے بلانے کا معمول رہا ہے، آپ حضرات علماء اور بزرگوں کو اپنے یہاں کئی کئی دن تک ٹھہراتے اور ان کی میزبانی اور خدمت کے فرائض بڑے شوق سے انجام دیتے۔ حضرت شیخ کے والد صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے بیعت تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ کی والدہ بھی حضرت سہارنپوری سے بیعت تھیں۔

حضرت شیخ کے والد محترم اور ان کا تقویٰ:

حضرت کے والد محترم کا اسم گرامی حافظ ”عبدالشکور خان ابن حقا دا خان“ ہے۔ حافظ عبدالشکور خان صاحب صاحب ورع و تقویٰ اور کریم النفس انسان تھے، اللہ اور اس کے رسول اور شریعت مصطفویہ سے سچی محبت کرنے والے انسان تھے، تقویٰ و طہارت میں ممتاز اور اخلاق عالیہ سے متصف تھے، مخلص مومن اور صاحب امانت و دیانت تھے، چنانچہ آپ ہمیشہ حرام مال سے ہی نہیں، مشتبہات سے بھی بچتے تھے اور پوری زندگی اسی معمول پر عمل پیرا رہے۔ پوری زندگی مکمل احتیاط کے ساتھ گذاری، نقصان برداشت کیا مگر حرام کے قریب کبھی نہیں پھٹکے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ نے جب ترک موالات کا فتویٰ دیا، جس میں انہوں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کو حرام قرار دیا تھا تو والد محترم نے اسی وقت انگریزی حکومت و ملازمت سے استعفیٰ دیدیا؛ حالانکہ اس وقت آپ کے والد محترم انگریزی فوجی عہدے (رسالدار) پر فائز تھے، بڑی تنخواہ ملتی تھی اور عہدہ کارکردگی کے باعث بڑے افسران کی نگاہوں میں بھی مقبول تھے، اسی لئے جب آپ نے استعفیٰ دیدیا تو انگریز افسران نے آپ کو بہت سمجھایا اور استعفیٰ واپس لینے پر اصرار کیا لیکن آپ نے اتنی ہی شدت سے انکار کیا اور گہرا کر کا شکاری میں مشغول ہو گئے، حکم شرعی پر عمل کرنے کی یہ انوکھی مثال تھی جو آپ کے والد محترم نے قائم کی، درحقیقت آپ کے دل میں اس طرح کا دینی جذبہ، آپ کے قلب میں

موجزن مضبوط ایمان و یقین اور رب ذوالجلال پر کامل توکل و اعتماد کا اثر تھا جو آپ کو اولیاء اللہ اور علمائے کرام سے سچی محبت و تعلق اور ان سے خصوصی استفادہ کی بنیاد پر حاصل تھا، اس کا ثمرہ حق تعالیٰ شاء نے اس شکل میں عطا فرمایا کہ عالم اسلام کی عظیم درس گاہ کے شیخ الحدیث، فخر المحدثین، صدر الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو آپ کے مبارک صلب سے وجود بخشا

والد محترم کے سایہ سے محرومی:

آپ کے عظیم والد محترم جناب حافظ عبدالشکور صاحب ۲۷ رمضان ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئے، والد محترم کی وفات کے وقت حضرت شیخ الحدیث کی عمر صرف چار سال تھی۔ حضرت شیخ الحدیث خود فرماتے تھے کہ ”میاں صاحب (والد صاحب) کے انتقال کے وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ بڑے بھائی صاحب نے گود میں لیکر زیارت کرائی“

والد محترم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد گھر کی تمام تر ذمہ داریاں حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے نبھائیں، مولانا بشیر احمد خان صاحب بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، دوسرے نمبر پر حافظ عبدالکریم صاحب تھے، تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحب سوانح حضرت مولانا قدس سرہ تھے۔

حضرت کی والدہ محترمہ:

حضرت کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی ”نور بی بی“ ہے انتہائی نیک اور پارسا خاتون تھیں، صوم و صلوٰۃ کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں، مشکوٰۃ تک کی ضروری درسیات پڑھی ہوئی تھیں، ان کا ایک قابل رشک اور مقبول عمل یہ جاری تھا کہ وہ اپنے گھر پر محلہ کی بچیوں کو قرآن پاک ”تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور“ پڑھاتی تھیں، قرآن تو گویا ان کو ازبر تھا، قرآن سے شغف کا یہ عالم تھا کہ تلاوت کا معمول ناغہ نہ ہوتا

حضرت شیخ الحدیث سے حضرت والا کی والدہ محترمہ کے احوال قاری صاحب مدظلہ اپنی یادداشت میں یوں نقل فرماتے ہیں:

”حضرت شیخ الحدیث کی والدہ محترمہ انتہائی نیک اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں اگرچہ آپ حافظ نہیں تھیں مگر قرآن پاک اتنا یاد تھا کہ اگر بچیاں پڑھنے میں غلطی کرتیں تو فوراً ان کو لقمہ دیتیں اور اصلاح فرماتیں، قرآن پاک کی تلاوت سے آپ کی والدہ محترمہ کو انتہائی شغف تھا، چنانچہ پڑھانے کے علاوہ خود بھی کثرت سے تلاوت کرتی تھیں“

(قلمی یادداشت بعنوان احوال صفحہ ۱ از قاری صاحب مدظلہ)

والدہ محترمہ کا انتقال ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ نومبر بروز سہ شنبہ ۱۹۳۸ء بوقت صبح ہوا۔

دوسرا باب

تعلیم و تربیت

حضرت والا چار سال کی عمر میں والد محترم کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت کی مکمل ذمہ داری آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ کے ذمہ آئی، مولانا بشیر احمد خان صاحب نے حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی، مولانا بشیر احمد خان صاحب چونکہ اس وقت ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلندشہر“ میں مدرس تھے اور ان کی رہائش بھی وہیں تھی، اس لئے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو اپنے ساتھ گلاؤٹھی لے آئے، یہاں سب سے پہلے حفظ قرآن کے لئے مدرسہ منبع العلوم کے شعبہ تحفیظ القرآن میں حضرت مولانا قاری بہادر علی صاحب کے پاس داخل کرایا، مولانا قاری بہادر خان صاحب عمدہ استاذ حفظ ہونے کے ساتھ ساتھ خوش کردار مربی بھی تھے چنانچہ بہت قلیل عرصہ میں آپ نے مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔

قاری بہادر خان صاحب:

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ آپ کے حفظ قرآن کے استاذ مولانا قاری بہادر خان صاحب کے نام سے معروف تھے۔ ”بہادر خان صاحب“ موصوف کا اصلی نام نہیں تھا بلکہ آپ کا اصلی نام ”عبدالکریم“ تھا مگر چونکہ قاری صاحب مرحوم انتہائی بہادر، طاقتور اور قوی الجثہ تھے اس لئے بہادر خان کے نام سے مشہور ہو گئے، ان کی یہ بہادری اور قوت زمانہ پیری میں بھی اسی طرح قائم تھی جس طرح جوانی میں۔

”بگڑ“ اور لاٹھی چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، کئی کئی دھڑی کے بگڑ گھماتے تھے، ہمیشہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے، ضلع بلندشہر کے ایک موضع ”سینٹا رسول پور“ کے رہنے والے تھے، قاری صاحب کی شخصیت میں رعب، وقار اور سنجیدگی بہت تھی، کثیر الفیض ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق اور تقویٰ شعار بھی تھے، بے شمار لوگوں نے آپ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب مرحوم قاری صاحب موصوف کا کثرت سے ذکر فرماتے تھے، جس میں قاری صاحب مرحوم کے طریقہ تعلیم کی خوبی، ان کی خوش اخلاقی و بہادری اور ان کی بے مثال عمدہ تربیت کا ذکر ضرور کرتے تھے، قاری صاحب موصوف کی خدمات تاحیات مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں جاری رہیں، قاری صاحب کا ایک خصوصی وصف اور ان کی ممتاز عادت یہ تھی کہ وہ اپنے پاس پڑھنے والے طلبہ کی تربیت اخلاق پر خاص توجہ دیتے تھے، اس وصف نے ان کو اپنے ہم عصر اساتذہ کے درمیان ممتاز و منفرد بنادیا تھا۔

حفظ سے فراغت کے بعد:

حفظ قرآن سے فارغ ہونے کے بعد عصری تعلیم کے لئے گلاؤٹھی کے ایک اسکول میں داخل ہوئے، اس زمانے میں طلبہ دین کو بھی بقدر ضرورت عصری تعلیم دینے کا ماحول تھا اس لئے حضرت والا نے بھی اسکول میں باضابطہ داخلہ کے ساتھ پرائمری پاس کیا، اس سلسلہ تعلیم میں آپ کے اساتذہ کی تعداد

تین رہی، ”منشی صدیق علی صاحب، شفیق اللہ صاحب، اور ماسٹر رام چندر جی“ آخر الذکر جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے غیر مسلم تھے مگر انتہائی ہمدرد، شفیق اور جذباتِ محبت سے معمور شخص تھے۔

ایک موقع پر آپ نے خود فرمایا کہ: ہمارے پرائمری کے تین استاذ تھے، ایک استاذ ہندو تھے جن کا نام رام چندر جی تھا، دوسرے منشی صدیق علی صاحب اور تیسرے شفیق اللہ صاحب تھے۔

مولانا موصوف نے اسی سلسلہ کلام میں یہ بھی فرمایا کہ بے چارے یہ تینوں اساتذہ بڑے مشفق اور محنتی تھے، ہم سے بڑی محبت فرماتے تھے میں جب بھی دیوبند سے گلاؤٹھی جاتا اپنے ان اساتذہ سے ضرور ملاقات کرتا تھا، یہ حضرات میرے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے تھے، خاص طور پر ماسٹر رام چندر جی تو بہت ہی محبت سے پیش آتے، خیریت معلوم کرتے۔ سفر اور دیوبند کے حالات معلوم کرتے، اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”پہلے کے ہندو اساتذہ میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ مسلمان بچوں سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے، یہی حال مسلمان اساتذہ کا ہندو بچوں کے ساتھ تھا، یہ لوگ قوم کے نو نہالوں پر اولاد کی طرح توجہ رکھتے تھے۔“

فرمایا کہ اسی کا اثر تھا کہ اس وقت اسکولوں میں ہندو بچوں کو مسلم بچوں کی طرح کلمے، نماز وغیرہ یاد ہوتے تھے۔

فارسی کی تعلیم اور اس کے اساتذہ:

اسی دوران مولانا نے فارسی تعلیم کا بھی آغاز کیا، فارسی میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب قدس سرہ تھے، مولانا ایک جید الاستعداد عالم تھے، دارالعلوم کے فارغ التحصیل تھے، اور انتہائی قابل اور صلاحیت مند انسان تھے، خاص طور پر فارسی میں ان کی مہارت مسلم تھی، مولانا مشتاق صاحب ”گیسوپور، ضلع بلندشہر“ کے رہنے والے تھے انہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے گزارا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے ان کے تعلق سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:

”مولانا مشتاق صاحب کو فارسی زبان میں مہارت تھی، بڑے اچھے اور آسان انداز میں کتاب کو حل کراتے تھے اور ذہن نشین کراتے تھے“

حضرت شیخ الحدیث نے درس نظامی کی کتابوں میں فارسی کی محدودے چند کتابیں مولانا مشتاق صاحب سے پڑھیں، باقی کتابیں اکثر و بیشتر اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھی ہیں، بلکہ گلاؤٹھی کے زمانہ تعلیم میں تو تمام کتب درسیہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھیں، حضرت شیخ الحدیث خود فرماتے تھے کہ اگرچہ مدرسہ منبع العلوم میں کئی اساتذہ ایسے تھے جو علوم و فنون میں ماہر تسلیم کئے جاتے تھے مگر بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب میرا سبق دوسرے اساتذہ کے پاس جانے نہیں دیتے تھے، خود ہی پڑھاتے تھے۔

آپ کی طویل المیعاد تعلیم گاہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی:

حضرت شیخ الحدیث نے اخیر کے چند سالوں کو چھوڑ کر مکمل تعلیم ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ میں رہ کر حاصل کی، اسی طرح آپ کے اہم استاذ اور مربی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، یہ مدرسہ ملک کے گنے چنے مدارس میں سے ایک تھا جس کے افق سے بہت سے درخشندہ ستارے طلوع ہوئے۔ اس مناسبت سے مدرسہ منبع العلوم اور اس کے چندہ فیض یافتگان کا ضروری تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ہندوستان کے ان مدارس میں سے ایک ہے جو دارالعلوم دیوبند کے معنی خیز اور بابرکت وجود کے چند ہی روز کے بعد قائم ہوا، اس مدرسہ کا قیام اور اس جیسے دیگر کئی مدارس کا قیام دارالعلوم دیوبند ہی کے نقش قدم پر عمل میں آیا۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ:

”تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں جب دارالعلوم قائم ہوا تو اس وقت ہندوستان میں مدارس کا سابقہ نظام تقریباً ختم ہو چکا تھا، کہیں کہیں خزاں رسیدہ کچھ مدارس اگر باقی بھی تھے تو وہ صرف مقامی حیثیت رکھتے تھے ان میں سے کسی کو بھی مرکزی حیثیت حاصل نہ تھی، اس سے قبل اسلامی حکومت نے عوام کو اس سے بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سروں پر اٹھائیں، مگر اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ آئندہ نسلوں کے لئے کس

طرح تعلیم کا نظام کیا جائے، علاوہ ازیں اس زمانے میں جن کو دینی مدارس سمجھا جاتا تھا ان میں علوم معقولہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تعلیم کا بہت ہی کم رواج تھا، اس کے برعکس دارالعلوم کا قیام ولی اللہی طرز فکر پر عمل میں آیا تھا، اس لئے یہاں علوم معقولہ کے بجائے زیادہ اہمیت علوم منقولہ تفسیر و حدیث و فقہ کو دی گئی تھی، آگے چل کر برصغیر میں جتنے بھی مدارس قائم ہوئے ان میں بھی کم و بیش اسی طریقے کو پسند کیا گیا، چنانچہ قیام دارالعلوم کے تقریباً چھ ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم قائم ہوا تو اس میں بھی وہی نصاب جاری کیا گیا جو دارالعلوم میں تھا پھر رفتہ رفتہ دارالعلوم کے نقش قدم پر مختلف مقامات میں دینی مدارس جاری ہو گئے، (ج: ۱ ص: ۲۶۵)

تاریخ دارالعلوم کے اسی صفحہ پر جاری ہونے والے مدارس کی تفصیل و نوعیت بھی روداد دارالعلوم کی روشنی میں اس طرح سے آگئی ہے، ملاحظہ ہو:

”ہم کمال خوشی سے یہ بات ظاہر کرتے ہیں اور منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس سال مقامات میرٹھ، گلاؤٹھی، دان پور وغیرہ میں مدارس اسلامی جدید جاری ہوئے ہیں، اور ان کا تعلق کم و بیش اسی مدرسہ سے ہوا (ایضاً ج: ۲۶۵)

دارالعلوم کے نقش قدم پر قائم ہونے والے اور قیام دارالعلوم کے چند ہی روز بعد جاری ہونے والے مدارس میں سے گلاؤٹھی کا مدرسہ بھی تھا، یہ مدرسہ حضرت نانوتوی قدس سرہ کے حسب ہدایت قائم ہوا تھا، اور حضرت ہی کے ایک مرید باصفائشی مہربان علی نے اپنی اعلیٰ ہمتی سے کام لیکر اس کی بنیاد ڈالی، چنانچہ تاریخ دارالعلوم میں اس مدرسہ کے تعلق سے تحریر ہے:

”قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں جناب ”منشی سید مہربان علی صاحب“ رئیس نے حسب ہدایت حضرت نانوتویؒ یہ مدرسہ جاری فرمایا اور اپنی اعلیٰ ہمتی سے اس کے استحکام اور قیام کی عمدہ تدبیر تجویز فرمائی، باریک اللہ بالفصل اس مدرسہ میں دو مدرس ہیں اور حسن اتفاق سے دونوں کا نام مولوی عبداللہ ہے اور دونوں تعلیم یافتہ مدرسہ دیوبند کے ہیں اور ماشاء اللہ دونوں فاضل ہیں، یا الہی اس مدرسہ کو قیام بخش اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس سے نفع اٹھائیں اور اس کے بانی کو خیر و برکت سے معمور فرما!“ (تاریخ دارالعلوم ج: ۱ ص: ۲۶۹)

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کے بانی درحقیقت حضرت نانوتویؒ ہیں کیونکہ آپ ہی کے حسب ہدایت آپ کے مسترشد کے ذریعہ یہ مدرسہ وجود میں آیا۔

۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں یہ مدرسہ ابتداءً ”منشی صاحب“ کے محل میں جاری ہوا بعد میں جب جامع مسجد اور مدرسہ کی عمارت مکمل ہو گئی تو اس میں منتقل کر دیا گیا۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب انصاری سب سے پہلے اس کے مدرس تھے۔

منبع العلوم کے افتق سے علم و فضل کے متعدد درخشندہ ستارے طلوع ہوئے، جن میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہند کی تحریک کے اہم رکن حضرت مولانا منصور انصاری، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم اور اخیر میں ہمارے مددگار حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ شامل ہیں۔

منبع العلوم سے فیض حاصل کرنے والے اساطین علم و فضل کا مختصر تعارف

حافظ محمد احمد صاحبؒ:

حافظ صاحبؒ حضرت نانوتوی قدس سرہ کے فرزند رشید تھے ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں نانوتوی میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد والد ماجد نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ بھیجا، اس وقت مولانا عبداللہ صاحب انبیٹوی اس مدرسہ میں مدرس تھے، درس نظامی کی ابتدائی اور اہم کتابیں انہیں سے پڑھیں، بعد ازاں مزید تعلیم کے لئے مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں بھیجے گئے، یہاں حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن امر وہویؒ پڑھاتے تھے، ان سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند کے سامنے زانوئے تلمذ

تہہ کیا، دورہ حدیث گنگوہ میں حضرت امام ربانی کے حلقہ درس میں پورا کیا۔

۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم میں تقرر ہوا اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز ہوئے۔ آپ کامیاب منتظم اور صاحب اثر و جاہت تھے، حافظ صاحب کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم نے غیر معمولی ترقی کی آپ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم نے مالی ترقی بھی خوب کی اور تعلیم و تعمیر میں بھی خوب اضافہ ہوا، طلبہ کی تعداد ڈھائی سو سے ترقی کر کے نو سو تک پہنچ گئی، کتب خانے میں کتابوں کی تعداد بھی چالیس ہزار تک پہنچ گئی، دارالعلوم کی ترقی کے لئے آپ نے مختلف شہروں کا سفر کر کے دارالعلوم کے لئے بہت سے دوائی چندے مقرر کرائے۔

حافظ صاحب نے درس و تدریس کا مشغلہ کبھی نہیں چھوڑا، وہ زمانہ اہتمام میں بھی جاری رہا، ”مشکوٰۃ المصابیح، جلالین شریف، صحیح مسلم، ابن ماجہ، مختصر المعانی، رسالہ میرزا ہد، وغیرہ کتابیں نہایت شوق سے پڑھاتے تھے۔ اپنے والد ماجد کے خاص علوم پر کافی عبور تھا، نظام دکن حافظ صاحب سے بہت متاثر تھے، انہوں نے حافظ صاحب کو ریاست حیدرآباد کا مفتی اعظم مقرر فرمایا تھا، حکومت آصفیہ کے اس سب سے بڑے دینی منصب پر ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۵ء تک فائز رہے، ۱۳۴۲ھ میں نظام حیدرآباد کو دیوبند آنے کی دعوت دینے کے لئے آپ حیدرآباد شریف لے گئے تھے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ یہ واقعہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۱ء کا ہے، نظام دکن نے تعزیت کرتے ہوئے نہایت تأسف کے ساتھ یہ پر اثر جملہ ارشاد فرمایا:

”افسوس وہ مجھے لینے آئے تھے مگر خود یہیں رہ گئے“

مولانا محمد میاں منصور الانصاریؒ:

آپ مولانا قاسم نانوتوی کے نواسے اور مولانا عبداللہ انصاری کے فرزند اکبر تھے، انیسویں وطن تھا، ابتدائی تعلیم ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ میں حاصل کی، جہاں آپ کے والد ماجد مدرس تھے، ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، مختلف مقامات میں درس و تدریس کی خدمات دینے کے بعد حضرت شیخ الہند کے حکم سے دیوبند آ گئے۔ شیخ الہند نے ترجمہ قرآن کی اعانت کے لئے دیوبند بلایا تھا، ۱۳۲۲ھ میں جب جمعیۃ الانصار قائم ہوئی تو مولانا سندھی کے ساتھ اس کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ نہایت صائب الرائے اور ذی استعداد عالم تھے، ہندوستان کی جنگ آزادی کے سلسلے میں بڑا طویل مجاہدہ کیا، ساری زندگی جلاوطنی میں گزاری، حضرت شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک میں قائدانہ رول ادا کیا، آپ نے ہندوستان سے ہجرت کی، اور افغانستان میں رہ کر انگریزی حکومت کے خلاف اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے، حکومت افغانستان پر آپ کے علم و فضل اور سیاست و تدبیر کا بڑا اثر تھا، قیام افغانستان کے زمانے میں آپ نے متعدد سیاسی کتابیں تصنیف فرمائیں:-

”حکومت الہی، اساس انقلاب، دستور امامت، انواع الدول“ ان کی اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں، افغانستان کے مشہور مقام ”جلال آباد“ میں ۶ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ انہیں کے صاحبزادے مولانا حامد الانصاری تھے جو مشہور صحافی اور مصنف تھے (تخلص از تاریخ دارالعلوم ج: ۲ ص ۹۱ تا ۹۳)

حضرت شاہ عبد القادر انپوریؒ:

آپ اپنے زمانے کے مشہور شیخ طریقت تھے، ہزاروں لوگوں نے آپ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا، آپ اپنے زمانے میں مرجع خلافت تھے۔ ۱۲۹۰ھ کے کچھ بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ والد کی طرف سے آپ کا نام غلام جیلانی رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا حافظ محمد یاسین صاحب اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے پائی، سہارنپور، پانی پت، رامپور، منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر ان سب مقامات پر مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں، کچھ دن بریلی میں ملازمت کی، طبیعت میں بے چینی اور انجذاب الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوئی جو آپ کو کھینچ کر رائے پور لے آئی، رائے

پور میں شاہ عبدالرحیم رائپوری سے بیعت ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے، رائپور کے قیام کے زمانے میں آپ نے اس اعلیٰ ہمتی اور جفا کشی اور مجاہدہ سے کام لیا جس کے واقعات اب صرف متقدمین کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ اللہ کے واسطے شیخ سے تعلق اور محبت کی جو مثال آپ نے قائم کی وہ بس آپ ہی کا حصہ تھی۔ ۱۳۲۸ھ میں پہلا سفر حج کیا، آپ کو اپنے شیخ سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی، اور شیخ کی مسند نشینی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا، آپ کی پیشہ رخصتیاں میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ رسوم تصوف کی پابندی سے ہٹ کر زمانے کے تغیرات طالبین کے حالات اور مختلف طبائع کا لحاظ رکھتے ہوئے بالکل مجتہدانہ انداز میں رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ کے یہاں تصحیح نیت کی بہت تاکید تھی، دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ تبخل و توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور انسانی تدبیر و کوشش کے قدرتی نظام اہمیت پر بے حد زور دیتے تھے اور زندگی کے کاروبار میں ترک تدبیر اور تعطیل اسباب کے سخت مخالف تھے، آپ پر فنائیت اور انانیت کی نفی کا غلبہ تھا، نصف صدی سے زائد مدت جس میں مسلسل مجاہدہ، خدمت، دعوت و اصلاح اور مسلسل بیداری روح قلب میں گذار کر اس طرح حقیقی سکون پایا جس طرح رات بھر کا چلا ہوا مسافر صبح منزل مقصود پر پہنچ کر آرام کرتا ہے یعنی ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء بروز جمعرات کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے سوانح مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری)

مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ:

آپ پنجاب کے رہنے والے تھے ۱۳۱۳ھ سال پیدائش ہے، وطن اور مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تعلیم پائی، حضرت مولانا یاسین صاحب سے بریلی میں حدیث کی تعلیم پائی مگر ہمیشہ دارالعلوم سے وابستہ رہے، حضرت مولانا تھانوی کے خلیفہ و مجاز تھے، جالندھر میں اپنی جدوجہد سے ۱۳۴۹ھ میں خیر المدارس جاری کیا، علم و فضل و زہد و تقویٰ اور دین و دیانت کی اعلیٰ صلاحیتیں ان کی ذات میں موجود تھیں، ہزاروں لوگ ان کے درس اور رشد و ہدایت سے فیض یاب ہوئے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ایک مدت تک رکن رہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان تشریف لے گئے، اور وہاں خیر المدارس جا ری کیا جو آج پاکستان کی ایک بڑی دینی درس گاہ ہے، مولانا کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے مدارس اسلامیہ کا وفاق بنام ”وفاق المدارس“ قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک لڑی میں منسلک کر دیا، مولانا اس کے صدر تسلیم کئے گئے جس کو انہوں نے کمال دیانت، راست بازی اور اخلاص و صدق سے انجام دیا، اس سے جہاں ان کا علم و فضل ملک پر واضح ہوا، وہیں کمال ذہن و ذکاوت بھی نمایاں ہوا آج مدرسہ خیر المدارس پاکستان کے مرکزی مدارس میں شمار ہو تا ہے اور فقہ فی الدین کی اشاعت میں امتیازی شان رکھتا ہے۔ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو ملتان میں وفات پائی۔

(تاریخ دارالعلوم ج: ۲ ص ۱۲۲)

حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مراد آبادیؒ:

۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں ”اجیر“ میں ولادت ہوئی، جہاں آپ کے دادا سید عبدالکریم محکمہ پولس میں تھانے دار تھے، ابتدائی تعلیم گھر رہ کر حاصل کی پھر ”مدرسہ منبع العلوم، گلاؤٹھی“ میں داخل ہوئے وہاں مولانا ماجد علی صاحب سے مختلف کتابیں پڑھیں، پھر دہلی جا کر معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے ”حضرت شیخ الہند“ کی ہدایت پر ایک سال کے بجائے دو سال میں دورہ حدیث کی تکمیل کی، دارالعلوم کے زمانہ طالب علمی ہی میں طلبہ کو معقولات کی کتابیں پڑھانے لگے تھے، فراغت کے بعد دارالعلوم میں ایک سال متوسطات کا درس دیا، پھر اکابر دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ”مدرسہ شاہی مراد آباد“ کے لئے نامزد کر دیا، آپ مدرسہ شاہی آگئے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں جب شیخ الاسلام ”مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی“ جیل گئے تو ان کی جگہ درس حدیث کے لئے آپ کو دارالعلوم بلا لیا گیا، اس دوران آپ نے طلبہ دارالعلوم کو بخاری شریف پڑھائی، مولانا مدنی کی رہائی کے بعد پھر آپ شاہی لوٹ آئے۔

۱۹۵۷ء میں جب ”شیخ الاسلام“ کا انتقال ہوا، تو پھر آپ کو بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم بلا لیا گیا آپ ۱۹۷۱ء تک دارالعلوم کے شیخ الحدیث

رہے، تقریباً پانچ ہزار طلبہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آپ اپنے دور میں ہندوستان کے مایہ ناز محدث تھے، بخاری شریف کا درس اتنی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ پڑھانے والا ان کے دور میں کوئی نہیں تھا، سارے مباحث نوک زبان، روایات کا استحضار، احناف کی مستند روایتوں کا پورا ذخیرہ نگاہوں میں، رجال کی ساری بحثیں ازبر، ازابتدا تا انتہا بخاری کی روایتوں پر جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ سال کے سال لفظ بلفظ اس طرح بیان کرنے کا ملکہ تھا جیسے ایک مربوط مضمون کوئی یاد کر لے۔ تقریباً ۵۲ سال مسلسل خدمت حدیث نبوی انجام دی، آپ کے درس حدیث کی تقریریں سنکڑوں شاگردوں نے نقل کی، ان میں سے بعض طبع بھی ہو چکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں، کتنے ہی ان تقریروں کی بدولت شیخ الحدیث بن گئے۔ آپ نہایت خوبصورت، نازک اندام، جامہ زیب، صاف شفاف لباس میں رہتے، پیشانی سے علم و فضل اور زہد و تقدس کی شعائیں پھوٹی تھیں (ماخوذ از کاروان رفتہ بتخیر ترتیب ص ۲۰۹) وفات ۲۱ صفر ۱۳۹۲ھ / ۶ اپریل ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔

حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند:

آپ کا اسم گرامی ”بشیر احمد خان“ ہے، والد محترم کا نام جناب ”حافظ عبدالشکور“ صاحب بن حقداد خان ہے، آپ صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے حقیقی بڑے بھائی اور سب سے اہم استاذ ہیں، درس نظامی کی اکثر کتابیں آپ نے انہیں سے پڑھی ہیں، مولانا بشیر احمد خان صاحب کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہ ہو سکا، البتہ جائے پیدائش آپ کی موضع ”بسی“ ضلع بلندشہر ہے۔

والد محترم چونکہ متدین اور فکر آخرت کے حامل انسان تھے اس لئے شروع ہی سے دینی تعلیم میں لگایا، آپ کی بستی کے قریب ”چندیانہ“ نامی ایک بستی ہے، وہاں کی جامع مسجد میں قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا، آگے کی زیادہ تر تعلیم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلندشہر میں ہوئی اس وقت گلاؤٹھی کا مدرسہ ملک کے گئے چنے مدارس میں شمار ہوتا تھا، تعلیمی معیار بلند ہونے کی وجہ سے ملک کے دور دراز گوشوں سے بھی طلبہ یہاں آتے تھے، خصوصاً قندھار اور سرحد کے علاقوں سے طلبہ کی کافی آمد تھی، معقولات کی ٹھوس تعلیم کی وجہ سے اس مدرسے کی زیادہ شہرت تھی، کئی لائق و فائق اساتذہ یہاں درس دیتے تھے، جس کی بنیاد پر تشنگان علم کھینچ کھینچ کر یہاں آتے تھے، آپ نے اسی مدرسے کے علمی ماحول میں اپنی تعلیم مکمل کی اور ۱۳۴۰ھ میں آپ نے درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔

محنت و یکسوئی، مطالعہ میں انہماک اور طبعی شرافت کی وجہ سے اساتذہ اور منتظمین مدرسہ کے معتمد تھے، اس لئے فارغ ہوتے ہی آپ کو ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ میں مدرس مقرر کر لیا گیا، کم و بیش بائیس سال اسی مدرسہ منبع العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کو جملہ کتب فنون کی تدریس میں کمال حاصل تھا، اس لئے مدارس میں پڑھائی جانے والی تمام علوم و فنون کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، بعض طلبہ صرف آپ سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کا رخ کرتے تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی ذات والا صفات سے آپ کو خاص عقیدت تھی، اسی طرح حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو بھی آپ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ حضرت مدنی قدس سرہ، مولانا مرحوم کی علمی صلاحیت کے حد درجے معترف تھے، اسی لئے جب دارالعلوم کو علوم و فنون کے ماہر چند اساتذہ کی ضرورت پیش آئی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے رابطہ کیا، تو حضرت مدنی نے دیگر کئی اساتذہ کے ساتھ آپ کا نام بھی پیش کیا اور خود بھی مولانا سے دارالعلوم میں آنے کو کہا، حضرت مولانا نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے حکم کی تعمیل اور دیگر ارباب دارالعلوم دیوبند کی فرمائش کو بطیب خاطر قبول کیا اور ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آپ تشریف لائے۔

دارالعلوم میں آنے سے پہلے تدریس کے طویل اور جاگسل مراحل سے آپ گذر چکے تھے اور اس راہ کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے آپ اچھی طرح واقف تھے، اس لئے دارالعلوم دیوبند میں آنے کے بعد یہاں کے مقبول اور کامیاب مدرس شمار کئے گئے، دارالعلوم دیوبند میں اکثر بڑی کتابوں کے اسباق آپ کے ذمہ رہے، جن کتابوں کے اسباق اکثر و بیشتر آپ کے ذمہ رہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

”مسلم شریف، مؤطا امام مالک، نسائی شریف، سنن ابن ماجہ، شمائل ترمذی، سنن ابوداؤد، طحاوی شریف، مؤطا امام محمد“

حدیث شریف کے علاوہ دیگر فنون کی کتابیں جو آپ کے زیر درس رہیں:-

”ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف، مسلم الثبوت، تصریح شرح پغمینی، بست باب، مطول، مسامرہ، تفسیر ابن کثیر، رشیدیہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب، سبۃ الکشف، رسالہ فتحیہ، الفوز الکبیر، توضیح و تلویح“

ان کے علاوہ بھی بعض دیگر کتابوں کے اسباق مختلف اوقات میں آپ کے ذمہ رہے، تاہم مذکورہ اسباق اکثر و بیشتر آپ سے متعلق رہے۔

حضرت مولانا کا میاب مدرس ہونے کے ساتھ بہترین منتظم اور مدبر بھی تھے اسی لئے ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کی اس صلاحیت کے پیش نظر آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم اور ناظم تعلیمات بھی مقرر کیا، انتہائی خوش اسلوبی اور فعالیت کے ساتھ سب کا حق ادا کیا، سب جانتے ہیں کہ انتظامی امور کے ساتھ تدریس کی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہونا بڑا مشکل کام ہے، لیکن حضرت مولانا کی یہ ایک بڑی خوبی رہی کہ آپ نے دونوں ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے انجام دیا، آپ نہایت وجہ و شکیلی تھے، چہرہ پر بلا کی کشش اور صلاح کے آثار نمایاں تھے، پر شکوہ اور پر کشش شخصیت کے حامل تھے، بارعب تھے، چہرے سے جاہ و جلال ٹپکتا تھا، اسی کے ساتھ حد درجہ حسین و جمیل بھی تھے، دیکھنے والا ایک نظر دیکھتے ہی آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتا تھا

قدرت نے آپ کو تمام علوم کی تدریس کی اعلیٰ صلاحیت سے نوازا تھا ”تفسیر، فقہ، بلاغت، منطق و فلسفہ اور نحو و صرف“ ان تمام فنون کے آپ بہترین مدرس رہے، لیکن جس فن میں آپ یکتائے روزگار تھے اور جس فن میں آپ کو امانت کا درجہ حاصل تھا؛ وہ فن اور علم ”علم ہیئت“ تھا، اللہ نے آپ کو اس فن سے خاص شغف عطا فرمایا تھا، جب آپ گلاؤٹھی میں پڑھاتے تھے تو بعض طلبہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر فن ہیئت اور معقولات کو پڑھنے کے لئے گلاؤٹھی آتے تھے۔ فن ہیئت کی تمام اصطلاحات، اصول و قواعد اور دقائق و باریکیاں آپ کو متحضر تھیں، اس فن میں آپ کے جانشین صاحب سوانح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہوئے، ان دونوں حضرات کے بعد یہ فن دارالعلوم سے رخصت ہو گیا اور آج اس کی یتیمی کا یہ حال ہے کہ اس کے مدرس بھی خال خال نظر آتے ہیں۔

والد محترم حافظ عبدالشکور صاحب کی وفات کے بعد بہن بھائیوں کی تربیت و کفالت کی ذمہ داری کا فریضہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، آپ کی عمدہ تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے برادر اصغر مولانا نصیر احمد خان صاحب علم کے بحر بیکراں اور محدث اعظم بنے۔

اللہ نے علم و عمل کے ساتھ مال و دولت سے بھی نوازا تھا، چنانچہ گلاؤٹھی رہنے کے زمانے میں تقریباً دس بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، جن کی آمدنی کا بڑا حصہ اقرباء کے ساتھ اہل اللہ، طلبہ علم دین اور دین کے دیگر کاموں میں صرف فرماتے تھے، تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی اخلاق و معاملات میں اسلاف کا نمونہ تھے۔

آپ کے درس کی خصوصیات کے تعلق سے آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا خورشید حسن صاحب رفیق دارالافتاء دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت کے درس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت والا اولاً کتاب کی عبارت حل فرماتے پھر حدیثی لغات پر کلام فرماتے، اس کے بعد ترجمہ و مطلب کے بعد بوقت ضرورت حدیث کے راویوں پر سیر حاصل بحث فرماتے، فقہی احکام سے متعلق احادیث شریفہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک بیان فرمانے کے بعد جامع طرز پر آخر میں فقہ حنفی کے ترجیحی دلائل بیان فرماتے اور مسلم شریف کے مشکل ترین باب ”کتاب الایمان“ کی ایسی جامع تشریح و تقریر فرماتے کہ ایمان سے متعلق پیچیدہ مباحث مخاطب کے لئے آسان سے آسان ہو جاتے، اور درس مسلم شریف زیادہ تر ”حضرت علامہ نووی“ کی تقریر اور ”فتح الملہم شرح مسلم“ پر مشتمل ہوتا۔

حضرت والا کے درس کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ درسی تقریر سلیس، اور رواں دواں اردو میں ہوتی اور انداز بیان مختصر اور جامع ہوتا، نفس کتاب کی عبارت پر ہی توجہ مرکوز رہتی (دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات ص ۷۲)

علم و عمل کا یہ آفتاب زندگی کے آخری لمحات تک علم کی اشاعت اور درس و تدریس میں مشغول رہ کر ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۶۶ء بروز شنبہ کو غروب ہو گیا، مزار قاسمی میں آپ مدفون ہیں آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔



تیسرا باب

دارالعلوم دیوبند میں

داخلہ و تعلیم

اور

دارالعلوم میں آپ کے

اساتذہ



بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند میں:

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں پڑھنے والے طلبہ کا دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کی غرض سے آنے کا رجحان فطری تھا کیونکہ وہاں پڑھانے والے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ رہے ہیں، اسی طرح اس مدرسہ میں اکابر دارالعلوم دیوبند کے آنے جانے کا سلسلہ بھی کثرت سے تھا، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب جب وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کا وہاں کے سالانہ جلسے میں پابندی سے تشریف لے جانے کا معمول تھا، ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ مولانا نصیر احمد خان صاحب نے فرمایا:

”میں نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین کی پہلی مرتبہ زیارت ”منبع العلوم گلاؤٹھی“ کے سالانہ جلسہ میں کی، اس وقت میری عمر دس یا بارہ سال کی رہی ہوگی۔

حضرت مدنی کی اس زیارت نے خان صاحب کے دل کو موہ لیا، آپ کے دل میں حضرت مدنی قدس سرہ کی محبت گھر کر گئی تھی، حضرت شیخ نے خود فرمایا کہ حضرت شیخ مدنی تو جلسہ کے بعد تشریف لے آئے اور میں گلاؤٹھی ہی میں پڑھتا رہا، مگر میرا دل حضرت ہی کے ساتھ دیوبند آ گیا تھا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ:

”شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے میری یہ ملاقات اوائل شعبان میں ہوئی تھی، چنانچہ اس مہینے کی پندرہویں شب یعنی شب براءت جب آئی تو میں نے ساری رات ایک ہی دعا کی، ”اے اللہ مجھے حضرت مدنی کی خدمت میں پہنچا دے“، معصوم کی دعا تھی اور قبولیت والی رات، مبارک

موتی سمجھ کے شان کریں نے چن لئے

قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

خدائے واحد نے آپ کو ایک عرصے کے بعد دیوبند بھیج دیا، اور حضرت مدنی قدس سرہ کی صحبت و تلمذ سے فیضیاب کیا۔ آپ کے جذبہ صادقہ اور بچپن کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت مدنی قدس سرہ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے، حضرت مدنی قدس سرہ کی توجہات اور عنایات کے آپ خصوصی مورد تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کا دارالعلوم میں تقرر بحیثیت مدرس کرانے والے حضرت مدنی ہی تھے، آپ نے مجلس عاملہ میں اپنی کوشش سے حضرت مولانا کا تقرر فرمایا، چنانچہ اولاً آپ درجہ عربی کے ابتدائی مدرس ہوئے، ایک عرصہ تک اسی درجہ کے استاذ رہے، بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے آپ کو ترقی دلوائی اور پھر آگے بھی ہر موقع پر حضرت مدنی قدس سرہ حضرت شیخ صاحب کی ترقی کے خواہاں و کوشاں رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت مدنی قدس سرہ کا جانشین بنادیا۔

۱۳۶۲ھ میں چند بڑے اساتذہ دارالعلوم سے علیحدہ ہوئے تھے، ان حضرات کے علیحدہ ہونے سے دارالعلوم کو ایسے اساتذہ کی فوری ضرورت پیش آئی جو دارالعلوم کے معیار کے مطابق ہوں، اس سلسلے میں ”قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ“ نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے مشورہ لیا، اس وقت حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ جیل میں تھے، آپ نے جیل ہی سے دو چار ماہر اساتذہ کی نشاندہی کی اور قاری صاحب سے کہا کہ ان کو فوراً بلا لیجئے! یہ ہر اعتبار سے دارالعلوم کے معیار پر پورا تر ہیں گے، حضرت مدنی نے جن حضرات کی دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے نشاندہی کی تھی ان میں سرفہرست ”حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب“ تھے، جو اس وقت ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی“ میں پڑھا رہے تھے، اور وہاں کے صدر مدرس تھے، حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے ان کو دارالعلوم آنے کی دعوت دی، ادھر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے حکم فرمایا، چنانچہ آپ حضرت مدنی قدس سرہ کے حکم کی تعمیل اور قاری صاحب کی دعوت پر دارالعلوم تشریف لے آئے اور آپ کے ساتھ آپ کے برادر خور و صاحب تذکرہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بھی دارالعلوم میں تشریف لے آئے۔

مولانا نصیر احمد خان صاحب اس سال گلاؤٹھی میں دورہ حدیث شریف پڑھا رہے تھے، دیوبند درمیان سال آنا ہوا، اور دورہ حدیث شریف میں آپ کا داخلہ ہوا، اس سال بخاری شریف اور سنن ترمذی حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امر وھوی سے پڑھیں، اور دوسرے سال حضرت مدنی قدس سرہ سے دوبارہ یہ دونوں کتابیں پڑھیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے والہانہ تعلق:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کو یوں تو اپنے تمام اساتذہ سے بے انتہا محبت و عقیدت تھی، ہر استاذ سے آپ کا تعلق احترام و عظمت والا تھا حتیٰ کہ آپ کے پرائمری کے اساتذہ میں سے ایک ہندو استاذ ”رام چندر جی“ تھے، ان کا بھی آپ بہت احترام فرماتے اور بڑی عظمت و محبت سے ان کا تذکرہ کرتے جب بھی گلاؤٹھی جاتے ان سے ملاقات کرتے، اسی طرح دیگر اساتذہ سے بھی آپ کے تعلق کا یہی حال تھا، مگر حضرت مدنی سے آپ کا تعلق عشق کی حد تک تھا، دارالعلوم آنے سے پہلے ہی حضرت مدنی کی محبت نے دل میں بسیرا کر لیا تھا، لہذا جب آپ دارالعلوم میں تشریف لائے اور حضرت مدنی سے شرف تلمذ حاصل ہوا تو اس محبت اور تعلق میں بے حد اضافہ ہو گیا اور پھر ہمیشہ کے لئے ان کے دست گرفتہ ہو گئے، سبق کے دوران جب بھی حضرت مدنی کا ذکر فرماتے، آبدیدہ ہو جاتے، عصر کے بعد والی مجلس میں عموماً حضرت مدنی کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے، بعض مرتبہ اگر آغاز مجلس میں آپ کا ذکر جمیل شروع ہو جاتا تو آخر مجلس تک یہی ذکر ہوتا، آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے، اس درمیان اکثر و بیشتر آپ پر رقت طاری ہو جاتی، شیخ الاسلام حضرت مدنی کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ کو حد درجہ محبت و عقیدت تھی ان میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رانپوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ اسرارہم ہیں تاہم حضرت مدنی سے تعلق مثالی تھا، اسی لئے حضرت مدنی کے ارشادات

وافادات ہمیشہ آپ کی زبان پر رہتے ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

”حضرت کی شان ہی کچھ اور تھی، جس کی نظیر اب کہیں نہیں ملتی، آپ کا درس حدیث مثالی، تصوف میں آپ کی شان نرالی، تزکیہ نفس، خدمت عوام، جذبہ حب الوطنی اور جذبہ جہاد آپ کی حیات طیبہ کے نمایاں اوصاف تھے“
(قلمی یادداشت بعنوان احوال نمبر ۲)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

”کہ حضرت مدنی جب کسی سفر پر جاتے اور اہل مدرسہ آپ کو کچھ رقم دیتے تو آپ فرماتے میں نے مصارف کا پرچہ آپ کو نہیں دیا، بس اتنا ہی دیجئے جتنا صرف ہوا ہے جو زائد ہوتا اس کو آپ واپس فرما دیتے، حضرت مدنی کے متعلق آپ کا یہ خیال تھا کہ آپ کے اوصاف میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور جس نے آپ (حضرت مدنی) کو دیکھ لیا اس کی نگاہ میں دوسرا بزرگ نہیں اترتا۔“

فنون کی تکمیل:

۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۵ھ تک تین سال دارالعلوم میں رہ کر فنون کی کتابیں پڑھیں: مثلاً ”صدرہ، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، حمیات قانون، شرح اسباب“ وغیرہ ان کتابوں میں بھی آپ نے خوب محنت کی اور اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل کی، طب کی تمام کتب استاذ الحکماء حکیم مولانا محمد عمر صاحب سے پڑھیں اور تجوید قرأت کی تکمیل شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمن صاحب کے پاس کی، قاری صاحب موصوف کے پاس فن قرأت کی کئی کتابیں جیسے ”خلاصۃ البیان، شاطبیہ، رائیہ“ پڑھیں ساتھ میں اجرائے سبعہ اور مشق کی بھی تکمیل کی، اس دوران فن قرأت میں آپ کو اتنی مہارت ہو گئی تھی کہ آپ کے استاذ محترم حضرت قاری

”حفظ الرحمن صاحب پر تاب گڑھی“ فرماتے تھے:

”کہ میں نے اسی فن شریف کی خدمت کے لئے تجھ کو تیار کیا ہے۔“

اسی لئے استاذ محترم حضرت قاری صاحب نے آپ کا تقرر صدر قاری صاحب کی حیثیت سے ملتان کے ایک مدرسے میں فرما دیا تھا مگر حضرت مولانا کے برادر بزرگ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کی رائے نہ ہو سکی اس لئے آپ ملتان تشریف نہیں لے جاسکے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ حضرت مولانا جس وقت گلاؤٹھی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے اور جماعت ہفتم میں تھے، اس وقت آپ کا تعلیمی سلسلہ کچھ دن کے لئے موقوف ہو گیا تھا، جس کی وجہ یہ بنی کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کی دس گیارہ بسیں تھیں جن کی دیکھ بھال آپ کے ذمہ تھی یہ بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں جیسے: انوپ شہر، بلند شہر، میرٹھ جہانگیر آباد وغیرہ ان بسوں کی ذمہ داری میں آپ کا تعلیمی انہماک متاثر ہوا اور پھر یہ مبارک سلسلہ منقطع بھی ہو گیا مگر چونکہ قدرت کو آپ سے کچھ اور کام لینا منظور تھا اس لئے بروقت دستگیری کی گئی، اور آپ دوبارہ اس مبارک سلسلے سے وابستہ ہو گئے، آپ فرماتے تھے:

”دوبارہ سلسلے سے وابستہ ہونے میں حضرت مدنی قدس سرہ کی دعا اور توجہ کو خاص دخل ہے“ اس واقعہ کی پوری تفصیل آپ ہی کی زبانی ملاحظہ ہو:-

”فرمایا کہ جلالین شریف کے بعد میری پڑھائی موقوف ہو گئی تھی اور میں بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے کام میں مشغول ہو گیا تھا، ان کی بسیں چلتی تھیں اور دس گیارہ بسیں تھیں، یہ بسیں مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، بلند شہر، انوپ شہر، میرٹھ، جہانگیر آباد وغیرہ، تعلیم کے چھوٹے کا احساس بھی تھا مگر میں کیا کر سکتا تھا، بڑے بھائی کی بات تھی، خیر! ہوا یہ کہ حضرت مدنی اجراڑہ کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے، میں گلاؤٹھی سے حضرت سے ملاقات کے لئے گیا حضرت سے ملاقات ہوئی دوپہر کو جب حضرت قیلولہ کے لئے لیٹ گئے تو میں حضرت کا بدن دبانے لگا، اس درمیان حضرت نے معلوم فرمایا کہ:

”کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا حضرت ایسا ایسا معاملہ ہے! تعلیم موقوف ہو گئی ہے میری خواہش ہے کہ تکمیل ہو جاتی، بس حضرت یہ سن کر خاموش ہو

ادھر میں اجڑا رہے گلاؤں کی پہو نچا تو حضرت کا تصرف اور اس کا اثر دیکھئے کہ بھائی صاحب نے کہا کہ ارے نصیر! یہ دنیا کے کام تو ہوتے رہیں گے، سب چھوڑو اور پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو! چنانچہ اگلے دن پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا حضرت مدنی کا تصرف اور حضرت کی توجہ کی برکت سے اللہ نے دوبارہ تعلیم میں لگا دیا۔

(قلمی یادداشت از حضرت قاری صاحب)

اساتذہ کے معتمد :

اساتذہ کا اعتماد ہر طالب علم کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ سعادت اسی طالب علم کے حصہ میں آتی ہے جو تمام علائق سے یکسو ہو کر صرف تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز رکھے، اسی کے ساتھ صلاح و صلاحیت دونوں کا حامل ہو۔ حضرت مولانا میں یہ تمام باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں، پڑھنے پڑھانے میں محنت، یکسوئی کے ساتھ مطالعہ، طبیعت میں نیکی اور اخلاذیت، بہترین استعداد و صلاحیت، اپنے تمام اساتذہ کا مکمل ادب و احترام، لگن و شوق، اور سچی تڑپ زمانہ طالب علمی میں آپ کے خصوصی اوصاف تھے، اسی بنیاد پر آپ اپنے اساتذہ کے معتمد رہے اور کمال یہ کہ جو فن آپ نے جس استاذ سے پڑھا اس فن میں آپ نے ان استاذ صاحب کا اعتماد حاصل کیا، مثلاً: طب میں آپ کے استاذ حضرت مولانا ”حکیم محمد عمر“ صاحب تھے، طب کی تمام کتابیں آپ نے انہیں سے پڑھیں، وہ آپ کی صلاحیت پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے، اسی طرح قرأت کی تمام کتب آپ نے قاری حفظ الرحمن پر تاپ گڑھی سے پڑھیں، وہ اس فن میں آپ پر بے حد اعتماد کرتے تھے اور یوں فرماتے تھے کہ:

”اس فن شریف کی خدمت کے لئے تجھے تیار کیا ہے“ چنانچہ حضرت قاری صاحب نے تو یہاں تک کیا کہ ملتان کے ایک مدرسہ میں صدر قاری کی حیثیت سے آپ کا تقرر کر دیا تھا، بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ حضرت مدنی قدس سرہ کو آپ پر اعتماد تھا، چنانچہ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت نے فارغ ہوتے ہی دارالعلوم میں آپ کا بحیثیت مدرس تقرر کر دیا اور اپنے زمانہ حیات تک ہر سال ترقی دے کر آگے تک پہنچنے کی راہیں ہموار فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں محصلہ نمبرات :

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ واقعی طالب علم تھے، محنت، لگن، جستجو، پڑھنے میں انہماک کے ساتھ خداداد ذہانت و ذکاوت اور فطری صلاح و صلاحیت کی بنیاد پر تمام طلبہ میں ممتاز تھے، زمانہ طالب علمی میں زیر درس مضامین پر ان کی جو گرفت تھی اس کا اندازہ ان نمبرات سے لگایا جاسکتا ہے، جو مولانا نے دارالعلوم کی اپنی چار سالہ طالب علمی میں حاصل کئے ہیں، واضح ہو کہ دارالعلوم میں تمام مضامین کے مقررہ نمبرات پچاس ہیں، بعض کتابوں میں اگر نمبر کم آئے تو آپ نے ان کو دوبارہ پڑھا اور از سر نو ان میں محنت کی اور پھر امتحان دیا چنانچہ دوبارہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے، اب ایک نظر مولانا کے محصلہ نمبرات پڑالئے۔

دورہ حدیث شریف کی کتب کے محصلہ نمبرات :

۴۳	بخاری شریف
۳۴	مسلم شریف
۳۶	ابوداؤد شریف
۴۱	ترمذی شریف
۵۱	نسائی شریف
۵۱	ابن ماجہ

۵۰	طحاوی شریف
۵۰	شمائل ترمذی
۵۱	موطا امام محمدؒ
۵۲	موطا امام مالکؒ
۴۵	ورزش

دورہ حدیث کی کتابوں میں دو کتابوں میں آپ کے نمبر کم ہیں، ان دونوں کتابوں کو دوبارہ پڑھا اور خوب محنت کی پھر امتحان دیا، اس مرتبہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ چنانچہ ۱۳۶۳ھ کے سال جو کتابیں آپ نے پڑھیں ان کے امتحان کے ساتھ گذشتہ سال کی وہ کتابیں جن میں آپ کے نمبر کم رہ گئے تھے ان کا بھی امتحان دیا۔

۱۳۶۳ھ میں پڑھی گئی کتابوں کے نمبرات:

۵۰	قرأت تمام قرآن
۵۰	ابوداؤد شریف
۵۰	مسلم شریف
۵۰	ہدایہ آخرین
۴۹	مقدمۃ الجزریہ
۴۹	مسلم الثبوت
۴۸	ورزش
۴۷	فوائد مکئیہ
۴۵	شرح چغمینی
۴۰	دیوان متنبی
۴۰	سراجی
۳۲	بیضاوی سورہ بقرہ
۵۲	توضیح تلویح

اس سال بیضاوی شریف میں نمبرات کم رہے تو اس میں بھی محنت کر کے آئندہ سال ۱۳۶۴ھ میں امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

۱۳۶۴ھ میں پڑھی گئی کتابوں کے محصلہ نمبرات

۵۱	اجزاء وسبعہ
۵۱	بیضاوی سورہ بقرہ
۵۰	قرأت
۵۰	خلاصۃ البیان
۵۰	شاطبیہ

۵۰	رائیہ
۴۸	ورزش
۴۹	نقی
۴۷	حمیات قانون
۴۷	شرح اسباب اول
۴۷	شرح اسباب ثانی
۴۵	قانونچہ

۱۳۶۵ھ میں کتب مقروءہ کے محصلہ نمبرات:

۵۱	ملا جلال
۵۰	قاضی مبارک
۵۰	صدرا
۵۰	طیبة النشر فی القراءۃ العشر
۴۸	میرزاہد
۴۵	قرأت
۴۵	حمد اللہ

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ:

دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے آپ نے اکتساب فیض کیا ہے وہ اپنے زمانے کے مسلم اہل علم میں سے تھے، ان میں سے ہر ایک یگانہ روزگار اور علم و عمل کا جامع تھا، ان کو تمام علوم و فنون میں تفوق حاصل تھا، وہ سب اخلاص و مروت اور تقویٰ و طہارت میں ممتاز تھے، بڑے بڑے اہل علم دارالعلوم کے اساتذہ کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے، ان کے دل محبت الہیہ کی گرمی سے معمور تھے، اتباع سنت، احیائے دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا مقصد تھا، حق کی اشاعت، حق کی حفاظت اور حق کو بلند کرنے کے جذبات سے وہ ہمیشہ سرشار رہتے تھے، ان میں سے ہر ایک جہاں علم حدیث کے اتھاہ سمندر کا غوطہ خور تھا، وہیں معقولات کی باریکیوں اور دقائق کا عارفِ کامل تھا، علم و عمل کے وسیع میدان کے ان شہسواروں میں سے جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے، ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امر وہو، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب امر وہو، حضرت مولانا عبد الحق صاحب اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتائی، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب، حکیم محمد عمر صاحب اور بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب ہیں ان میں سے ہر ایک کے مختصر حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب:

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی حضرت مولانا کے ان اساتذہ میں سے ہیں، جن کی محبت اور عقیدت بچپن ہی سے آپ کے دل میں راسخ ہو چکی تھی، آپ نے بارہ سال کی عمر میں شیخ مدنی قدس سرہ کی پہلی زیارت کی تھی، اور اسی وقت حضرت مدنی کی خدمت میں حاضری کی دعا کی تھی، اللہ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ چنانچہ آپ کو حضرت مدنی سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا اور اصلاح و تربیت بھی۔ آپ کے یہ عظیم استاذ و مربی جن کی محبت میں آپ بچپن ہی سے سرشار ہو گئے تھے، ہزاروں لوگوں کے شیخ طریقت اور بے شمار علماء کے استاذ تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث

اور ہندوستانی علماء کی قابلِ فخر جماعت ”جمعیتہ علمائے ہند“ کے صدر محترم تھے۔

آپ کی پیدائش قصبہ بانگر موصلع اُٹاؤ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوئی، نسباً حسینی سادات میں سے تھے، آپ کے والد محترم حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت تھے، اور اپنے شیخ صاحب سے دیوانہ وار اور والہانہ تعلق رکھتے تھے، اور ادب و وظائف کے پابند اور کثرت سے ذکر و شغل میں رہنے والے تھے، مزاج میں چونکہ دینداری تھی اس لئے اپنے تمام بچوں کو دینی تعلیم میں لگایا۔

شیخ الاسلام کی والدہ محترمہ بھی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت تھیں، اور کثیر الاولاد ہونے کے باوجود انتہائی ذاکر و شاعل و شب بیدار و تہجد گزار خاتون تھیں اخیر شب میں اٹھ کر ذکر و شغل و مناجات میں مشغول رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے اپنی والدہ محترمہ کی آغوشِ تربیت میں رہتے ہوئے والدہ محترمہ سے قاعدہ بغدادی اور عم پارہ پڑھا، ساتھ میں آپ اسکول بھی جاتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں آپ دیوبند پہنچ گئے، آپ صفر ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۷ھ تک مسلسل دارالعلوم دیوبند میں مختلف اساتذہ سے پڑھتے رہے، زیادہ تر کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔

۱۳۱۶ھ میں تزکیہ باطن کے لئے حضرت سید العارفین مولانا رشید احمد گنگوہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جاز جانے کے بعد حضرت گنگوہی کے حکم کی تعمیل میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اورادِ ضروریہ کی تلقین حاصل کی۔ کچھ دنوں کے بعد ۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی نے گنگوہ طلب کیا، آپ گنگوہ تشریف لائے اور اجازت و خلافت سے سرفراز کئے گئے ۱۳۱۹ھ اوائل شوال میں حضرت گنگوہیؒ سے رخصت ہو کر ذیقعدہ کی ابتدا میں جدہ پہنچ گئے، پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر مناسک حج ادا کئے اور محرم ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کا پورا خاندان معاشی تنگی کا شکار رہا، مگر چونکہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو اعتماد علی اللہ کی دولت حاصل تھی۔ اس لئے اس قسم کے تمام مصائب کا خوش دلی سے سامنا کیا، اللہ نے پھر حالات سازگار کر دیئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے مدرسہ پہنچ کر دوبارہ پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، ان دنوں ”شمسیہ باغ“ میں جو ”طوطیہ“ کے نام سے مشہور تھا ایک نیا مدرسہ جاری کیا گیا تھا، شیخ الاسلام اس مدرسہ میں پچیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مدرس رکھ لئے گئے، اس دوران حرم نبوی میں بھی آپ کا سلسلہ درس جاری رہا، مدرسہ شمسیہ کے ناظم صاحب نے حکم دیا کہ آپ مدرسہ کے علاوہ کہیں اور درس نہ دیں، شیخ الاسلام نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ روزی دینے والی ذات تو اللہ کی ہے، اس لئے صرف روزی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حرم نبوی میں پڑھنے والے طالبین کو محروم نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے مدرسہ سے استعفیٰ دیدیا اور حسبہً للہ طلبہ حرم کے درس کو مدرسہ کی ملازمت پر ترجیح دی۔

۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند سے مزید استفادہ کے لئے ان کے درسِ حدیث میں شرکت کرنے لگے، اسی کے ساتھ آپ کو دارالعلوم میں بحیثیت مدرس بھی منتخب کر لیا گیا، چنانچہ آپ بیک وقت مدرس بھی تھے اور طالب علم بھی۔ تین سال دیوبند رہ کر آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر پہلے سے زیادہ جذبے کے ساتھ درس و تدریس کا آغاز کیا، اس دوران طلبہ کا رجوع بھی خوب ہوا۔

محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ مدینہ منورہ پہنچ کر شیخ الاسلام کے مکان پر مقیم ہوئے اور وہیں شیخ الاسلام اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو اپنے نصب العین سے آگاہ کیا، شیخ الہند کے نصب العین میں جہاں ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزادی دلانا تھا وہیں عالم اسلام کو برطانوی عفریت سے چھٹکارا دلانا بھی شامل تھا، شیخ الاسلام نے استاذ محترم کے منصوبے سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔

صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء مکہ مکرمہ میں انگریزوں کے اشارے سے شریف مکہ نے آپ کو حضرت شیخ الہند کے ساتھ گرفتار کر لیا اور انگریزوں کے حوالہ کر دیا اور پھر انگریز نے آپ کو جزیرہ مالٹا میں قید کر دیا، کم و بیش تین سال یہ حضرات قید فرنگ میں رہ کر اوائل ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے۔ مالٹا سے آنے کے بعد آپ ہندوستان ہی میں رہے اور سرگرم سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا، جمعیتہ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے کھل کر آزادی ہند کی جدوجہد شروع کی، اس

سلسلہ میں ملک کے مختلف شہروں میں کئی بڑی کانفرنسیں منعقد کیں، جن کے واضح اثرات پورے ملک میں محسوس کئے گئے، آزادی کی جدوجہد میں بار بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں ۱۳۶۶ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث منتخب ہوئے۔

۱۳۶۶ھ سے آپ کی وفات تک بیشمار تشنگان علم نے آپ کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی، اس درمیان آپ کے باضابطہ شاگردوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو چھپن (۳۸۵۶) ہے، آپ ہی کے فیضان علم کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں دیوبندی مکتب فکر و تحریک اصلاح کے پھیلائے والے موجود ہیں، آزادی کے بعد حکومت نے آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر خطاب دیا تھا، جس کو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا آپ کی خود نوشت سوانح حیات ہے جو ”نقوش حیات“ کے نام سے مطبوعہ ہے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

چند اوصاف و کمالات:

حضرت مدنی قدس سرہ کی شخصیت جامع کمالات تھی، آپ کے بعد آپ کی مثال کہیں نظر نہیں آتی، جس طرح علوم و فنون میں آپ اپنے زمانے کے غزالی و رازی تھے، اسی طرح آپ میدان طریقت اور خانقاہ و تصوف کے جنید و شبلی تھے۔ آپ ایک ہی وقت میں شیخ وقت بھی تھے اور محدث وقت بھی، اس کے علاوہ بے شمار اوصاف و کمالات قدرت نے آپ کی ذات میں ودیعت فرمائے تھے، اس مختصری تحریر میں سب کا احاطہ دشوار ہے، چند ملاحظہ ہوں:-

اتباع سنت:

حضرت مدنی کی پوری زندگی کے ہر پہلو میں اتباع سنت کا رنگ نمایاں تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا اس موقع پر طرز عمل کیا تھا، مرض وفات میں جب آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے اور تکیہ کا سہارا لگایا جاتا تھا اسی حالت میں جبکہ آپ تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے، کھانا سامنے لایا گیا اور حاضرین نے کہا کہ آپ اسی طرح ٹیک لگا کر کھانا تناول فرمائیں، تو فرمایا کہ بھائی رسول اللہ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے پھر تکیہ ہٹا کر آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ (ماثر شیخ الاسلام ص: ۴۰۲)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب:

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب بھی مولانا نصیر احمد خان صاحب کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں، جس سال آپ دارالعلوم میں تشریف لائے اس سال بخاری و ترمذی کا درس حضرت مدنی کے جیل میں ہونے کے باعث شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ کے ذمہ تھا، اس لئے دارالعلوم میں داخلہ کے بعد مذکورہ دونوں کتابیں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے پڑھیں۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند کے عظیم المرتبت اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت شیخ الہند کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار تھا۔ دارالعلوم میں مختلف ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کی ولادت ضلع مراد آباد کے قصبہ امر وہہ میں محرم ۱۳۰۰ھ مطابق نومبر ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ حضرت شیخ الہند کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، پڑھنے کے زمانے سے ہی آپ کو حضرت شیخ الہند کی خصوصی توجہ حاصل تھی، چنانچہ ۱۳۲۱ھ میں جب آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آپ کو ”مدرسہ نعمانیہ پور بنی ضلع بھاگلپور بہار“ میں درس تدریس کے لئے منتخب فرمایا۔ یہاں تقریباً سات سال اس علاقے میں خدمت کرتے رہے پھر آپ ”شاہجہاں پور“ آئے اور ایک مسجد میں ”افضل المدارس“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں آپ حسبہ للہ پڑھاتے رہے۔ یہاں تقریباً تین سال کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔

جب آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تشریف لائے تو پہلے سال آپ کو ابتدائی کتابیں ”علم الصیغہ اور نور الایضاح“ پڑھانے کے لئے دی گئیں مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ شیخ الادب والفقہ کے لقب سے مشہور ہوئے، سید محبوب رضوی مصنف ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“ نے آپ کے متعلق اس وقت کی روئیداد کا ایک اقتباس نقل کیا ہے:

”مولانا اعجاز علی صاحب طبقہٴ وسطیٰ و اعلیٰ کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں چند جگہ مدرس رہے، آپ ایک نوجوان با استعداد اور صاحب صلاح و تقویٰ عالم ہیں، صورتاً و سیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں، علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت ہے، ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے اور کنز الدقائق کا تحشیہ کر رہے ہیں، اس سے پہلے دیوانِ متنبی کا تحشیہ کر چکے ہیں، آپ دارالعلوم کے درجہٴ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں، علم ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے ہیں، طلبہ کو عربی تحریر کی مشق بھی کراتے ہیں، خوش تقریر ہیں، طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔

(تاریخ دارالعلوم ص: ۲۵۲ ج ۲)

جب ۱۳۴۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت نانوتوی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو ریاست حیدر آباد کا ”مفتی اعظم“ منتخب کیا گیا تو اس وقت حافظ صاحب موصوف ضعیف ہو چکے تھے، اس لئے حافظ صاحب نے حضرت مولانا اعجاز علی صاحب کو اپنے ساتھ رکھا۔ وہاں ایک سال قیام رہا ایک سال کے بعد جب حضرت مولانا محمد احمد صاحب دیوبند تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ساتھ دیوبند تشریف لے آئے تھے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کا صدر مفتی منتخب کیا گیا اس کے بعد سے اخیر عمر تک آپ دارالعلوم میں ہی رہے۔

فقہ و ادب آپ کا خاص فن تھا، ان دنوں فنون میں آپ کی مہارت مشہور تھی، عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، حضرت مدنی کی عدم موجودگی میں کئی مرتبہ بخاری شریف بھی پڑھائی حضرت شیخ الادب کی مختلف خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے یہاں طلبہ کی تربیت اور نگرانی کی بڑی اہمیت تھی یہ آپ کا خاص ذوق تھا، جس سے طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہونچا، آپ کی دوسری اہم خصوصیت پابندی اوقات تھی، اس سلسلے میں آپ ضرب المثل تھے، مدرسے کے ابتدائی دور سے آخری عمر تک منٹوں، سکینڈوں تک کی پابندی فرماتے تھے، اوقات درس کی پابندی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اکابر و اسلاف کی طرح بے نفسی، تواضع اور عاجزی میں بھی اپنی مثال آپ تھے بڑی بڑی کتابوں کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی آپ کو عار نہ ہوتا تھا، بعض مرتبہ ترمذی اور بخاری کے درس کے ساتھ میزان الصرف، علم الصیغہ اور نور الایضاح کا درس بھی دیا، حضرت شیخ الادب جس طرح عربی ادب کے شیخ تھے اسی طرح اردو ادب کے بھی شیخ تھے، چنانچہ اردو نظم و نثر میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، عربی اور اردو دونوں زبانوں میں آپ کا منشور و منظوم کلام اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے اردو نثر میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔ عربی ادب میں ”نفحة العرب“ کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی، جس میں تاریخی حکایات و قصص اور اخلاقی مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کی یہ کتاب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی، اور سینکڑوں مدارس میں داخل نصاب کی گئی، خود دارالعلوم دیوبند میں بھی یہ کتاب داخل نصاب ہے۔ عربی ادب میں ”دیوانِ حماسہ اور دیوانِ متنبی“ پر بھی مفید حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ کنز الدقائق اور شرح و قایہ اور نور الایضاح پر بھی آپ نے بڑے وقیع اور مفید حواشی تحریر فرمائے، جو اساتذہ اور طلبہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، دارالعلوم میں آپ کی خدمات کا دور چوالیس سال رہا، آپ کے عہدِ صدارت افتاء کے دوران ۲۳۸۵۵ فتاویٰ لکھے گئے، ۱۳۷۴ھ میں اس دارفانی سے دارِ باقی کی جانب رحلت فرمائی رحمہ اللہ رحمة واسعة۔

استاذ اور مرشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ہے ان میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ بھی ہیں، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی شخصیت ایسی بے مثال اور عظیم المرتبت تھی کی جس کا تعارف اس مختصر تحریر میں پیش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظفر الدین ہے، والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حافظ ”محمد احمد“ ہے جو کہ بانی دارالعلوم حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں۔ سات سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کیا گیا۔ دو

سال کی قلیل مدت میں قرآن مجید قرأت و تجوید کے ساتھ حفظ کیا۔ پانچ سال فارسی ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا، جس سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔

حکیم الاسلام قدس سرہ کو جن عباقرہ علم سے شرف تلمذ حاصل ہے وہ سب وقت کے بخاری و مسلم، غزالی اور رازی تھے، برصغیر کے دور آخر کی تاریخ ایسے اساتذہ باکمال (جو علم و عمل کے جامع ہونے کے ساتھ مردم ساز اور مردم گر تھے) کی مثال سے یکسر خالی نظر آتی ہے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے اساتذہ گرامی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، محدث کبیر و امام العصر حضرت مولانا نور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندی، علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا محمد اعجاز علی امر و ہوئی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی جیسے امام علم و فضل شامل ہیں۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کے پوتے اور سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد صاحب کے صاحبزادے اور صدیقی النسب شیخ تھے، اس لئے انہوں نے علمی اور نسبی عظمت وراثت میں پائی تھی، اصحاب علم و فضل و صلحاء کی صلی اولاد تھے، اس لئے ان کی دعاؤں، خلوص، سیرت، کردار کی پاکیزگی اور ہمہ وقت خالق کا استحضار و آہ سحرگاہی کا فیضان حکیم الاسلام کے خمیر کا بنیادی عنصر شمار کرنا چاہئے۔

آپ کی اسی آبائی نسبت کے سبب اساتذہ نے اعلیٰ پیمانے اور مخصوص طریق تعلیم تربیت میں حصہ لیا، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے حاصل ہوئی۔

امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری علم حدیث میں آپ کے استاذ ہیں، ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی، پھر حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں حضرت تھانوی نے خلافت سے سرفراز کیا۔

فراغت کے بعد:

تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، ذاتی علم و فضل، ذکاوت و ذہانت اور آبائی نسبت و وجاہت کے باعث بہت جلد طلبہ کے حلقہ میں مقبول ہو گئے، آپ کے علم و فضل و کمال، علم و رسوخ، صدق و دیانت اور دارالعلوم دیوبند سے دلی و سچی محبت کی بنیاد پر ارکان شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم کے انتظامی امور میں لانا ضروری سمجھا، چنانچہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں آپ کو نائب مہتمم کا عہدہ سپرد کیا گیا، اس وقت حضرت کی عمر ۲۷ سال یا ۲۸ سال تھی، تقریباً پانچ سال تک اپنے والد محترم اور حضرت مولانا حبیب الرحمن کے زیر نگرانی ادارہ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے، پھر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں جب حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی وفات پا گئے تو باتفاق رائے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنادیا گیا۔

آپ کے دور اہتمام میں تعمیری، تعلیمی اور تنظیمی ترقی:

آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم کی عمارتوں میں حیرت ناک اضافہ ہوا، دارالنفیس، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، دارالحدیث فوقانی، مسجد قدیم کی بالائی منزل، باب الظاہر، جامعہ طیبہ، دار جدید، دو منزلہ دارالاقامہ، مہمان خانہ، کتب خانہ کے دو جدید ہال اور کئی قدیم عمارتوں میں نمایاں ترمیم و تزئین آپ کے دور اہتمام کی یادگار ہیں۔

تعلیمی ترقی کے لحاظ سے بھی آپ کا دور اہتمام کئی تابناک پہلو رکھتا ہے، چنانچہ آپ کے دور اہتمام میں نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی گئی جس کے نتیجہ میں حسب ذیل تبدیلیاں زیر عمل آئیں:

(۱) نصاب تعلیم میں درجہ بندی کو لازم قرار دیا گیا، اس سے قبل کتاب و اطریتہ تعلیم جاری تھا۔

(۲) نصاب تعلیم میں کچھ کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

(۳) درجات کی تکمیل کے سلسلے میں تکمیل تفسیر، تکمیل دینیات، تکمیل معقولات اور تکمیل ادب کا اجراء کیا گیا۔

تنظیمی اعتبار سے بھی آپ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم نے کافی اور مثالی ترقی کی چنانچہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے، جن کی تعداد آپ کے دور آخر تک چوبیس تک پہنچ گئی تھی، دارالعلوم کی آمدنی کا بجٹ جو چھ لاکھ کے قریب تھا چھیس لاکھ تک پہنچ گیا تھا، اسی طرح دارالعلوم کے عملہ میں ۵۴ افراد تھے آپ کے دور اہتمام میں یہ تعداد ترقی کر کے پونے دو سو تک پہنچ گئی، اساتذہ کی تعداد اٹھارہ تھی ساٹھ تک ہو گئی، طلبہ کی تعداد چار سو پچاس سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار سے زائد ہو گئی۔

حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہ کو وعظ و خطابت اور تقریر میں خداداد ملکہ حاصل تھا زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں عمومی و خصوصی تمام جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں، اہم سے اہم مسائل پر دو دو، تین تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلیف نہ ہوتی۔ حقائق اور اسرار شریعت کے بیان اور اعجاز مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی، جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی و حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا تھا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ملک کی کئی دیگر یونیورسٹیوں میں آپ کی تقریر کو قبول عام حاصل تھا، ملک کے تمام خطوں اور علاقوں کے علاوہ دیگر متعدد ممالک کے تمام بڑے شہروں میں بھی آپ کی دعوتی و اصلاحی تقریریں ہو چکی ہیں، حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ کو اس فن میں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی پیدائش ہی وعظ و خطابت کے لئے ہوئی ہے، وہ جس محفل میں جاتے چھا جاتے، جس علاقے میں قدم رکھتے لوگ ان کو سننے اور دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے، ان کا انداز خطابت انتہائی نرالا اور بے مثال تھا، ان کی تقریریں زیادہ اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، سحر انگیز تسلسل کے ساتھ دھیمی رفتار سے حکمت کے موتیوں کو پروتے چلے جاتے، حقائق، نکات تصوف اور اکابر کے علوم جا بجا اس طرح بیان فرماتے کہ لوگ عیش عیش کراٹھتے، خوبصورت الفاظ، حسین تعبیریں، خیالات کی خوبی، افکار کی بلندی، شیریں بیانی، سلاست لسانی، صالحانہ اندازِ تکلم، مناظرانہ طرز استدلال، تعلق مع اللہ پر زور اور اسلاف عظام کے واقعات اور روایات اور ان کا انتہائی عقیدت و محبت سے ذکر جمیل اور ایک موضوع سے متعدد ذیلی موضوعات و مضامین کا استخراج آپ کی خطابت کے بنیادی عناصر تھے۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے متعدد بیرونی ممالک کے سفر کئے، آپ کے اسفار سے دارالعلوم کے مسلک کی خوب اشاعت ہوئی اور لوگوں کو دارالعلوم سے دلچسپی ہوئی، دارالعلوم کے انتظامی امور، درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے علاوہ تصنیف اور تالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا، آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے، چند اہم تصانیف یہ ہیں:

”سائنس اور اسلام، اسلام میں اخلاق کا نظام، فطری حکومت، خاتم النبیین، اسلام اور مسیحی اقوام، حدیث کا قرآنی معیار، کلمہ طیب، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، قوموں کی ترقی و زوال کے اسباب، مذہب و سیاست، دعوت اسلامی کے اصول، اسلامی مساوات، اجتہاد و تقلید“

اس کے علاوہ آپ کے خطبات کا مجموعہ متعدد جلدوں میں چھپ چکا ہے اور آپ کا شعری دیوان ”عرفان عارف“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ حضرت تھانویؒ کے مجاز بیعت تھے، اس لئے دیگر مصروفیتوں کے ساتھ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی اسی تھانوی ہدایات کی روشنی میں جاری رکھا، آپ کے مریدین کا سلسلہ بھی کافی وسیع تھا جو ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے تھے، کئی متعدد حضرات کو آپ نے خلافت و اجازت سے بھی نوازا، جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ بھی ہیں۔

۱۹۷۲ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا یہ انتخاب تمام مسالک کے علماء اور تمام مؤثر تنظیموں کے سربراہان کے اتفاق

رائے سے عمل میں آیا، آپ تا حیات اس کے صدر، سربراہ اور رہنما رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں افسوس ناک اختلاف رونما ہوجانے کے بعد ۱۸

ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۸۲ء کو آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سبکدوشی اختیار کر لی تھی، اور پھر ۶ شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر آپ کی روحِ نفسِ غصری سے پرواز کر گئی، اپنے جد امجد حضرت الامام نانوتوی قدس سرہ کے پہلو میں مقبرہ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، تقریباً ایک لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، جن میں زیادہ تعداد علماء و صلحاء کی تھی۔

حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ:

حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں طب کے استاذ اور جامعہ طیبہ دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے، آپ کا آبائی وطن دیوبند ہے، قدرت نے آپ کو فن طب میں خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا، دارالعلوم دیوبند میں طب پڑھانے اور اس کے مشکل، خشک اور پیچیدہ مسائل کو عجیب و غریب انداز میں سمجھانے کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ علم طب کے ساتھ علوم دینیہ میں بھی کامل درجے کی

مہارت حاصل تھی، آپ کی تشخیص اور تجویز دونوں مثالی تھیں، آپ براہ راست حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے، اسی طرح حضرت مولانا محمد یاسین صاحب سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے تکمیل الطب لکھنؤ سے فراغت حاصل کی۔ آپ کو فارسی زبان سے غیر معمولی مناسبت تھی، آپ کو زبان فارسی کے بے شمار اشعار یاد تھے، دورانِ درس بھی آپ موقع بموقع عمدہ اور دلچسپ اشعار چسپاں کرتے جاتے تھے، آپ بڑے نیک، متقی، پرہیزگار، بزرگوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ فن طب اور بنی نوع انسان کی خدمت میں گزرا اور تقریباً نصف صدی سے زائد مدت تک حکیم صاحب نے بلا تفریق مذہب و ملت بنی نوع انسان کی خدمت کی ہے، آپ اصولوں کے بے حد پابند انسان تھے، اسی طرح دیانت داری اور قومی خدمت، وفا شعار میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ چونکہ قومی خدمت کے جذبات سے سرشار تھے، اس وجہ سے آپ کو میونسپل بورڈ دیوبند کا ممبر منتخب کیا گیا، علاج و معالجہ کی مشغولیت اور دارالعلوم کی تدریسی خدمات کی مصروفیت کے باوجود قومی خدمات میں بھی حصہ لیتے رہے۔

آپ انتہائی پر عزم، با حوصلہ اور بہادر انسان تھے، آپ کے مذکورہ کردار کے سلسلے میں مولانا خورشید حسن قاسمی رقم طراز ہیں:

”حکیم صاحب اگرچہ ظاہری اعتبار سے ایک کمزور انسان تھے لیکن اپنے عزم اور حوصلہ اور شجاعت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے یہی وجہ ہے کہ ریلوے روڈ پر واقع مسجد عمر کی تعمیر اور توسیع کے سلسلے میں آپ نے اغیار کی دھمکیوں اور سنگین سے سنگین محاذ آرائی کی معمولی سی بھی پرواہ نہ کی، آخر کار قانونی اعتبار سے کامیابی حاصل کر کے مسجد عمر کی تکمیل کر ڈالی، جو کہ دیوبند کی ایک تاریخی مسجد ہے۔“

حکیم صاحبؒ کا متوسلانہ تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے تھا، اسی لئے سیاسی افکار و نظریات میں بھی حضرت تھانوی قدس سرہ کے پکے پیروکار تھے۔ آپ کو طب یونانی کی بنیادی کتب جیسے ”شرح اسباب، کلیات شیخ، قانونچہ، نفیسیہ“ وغیرہ پر کمال عبور حاصل تھا، چنانچہ ایک طویل مدت تک دارالعلوم دیوبند میں مذکورہ کتب کا درس آپ ہی سے متعلق رہا، اور اسی لئے آپ کو جامعہ طیبہ دارالعلوم دیوبند کا صدر بھی بنایا گیا، آپ کے اس فن میں تلامذہ سیکڑوں سے متجاوز ہیں، کئی بڑے اساطین علم، اور چوٹی کے علماء فن طب میں آپ کے خصوصی شاگرد رہے ہیں، خود حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ نے بھی طب کی اہم کتابوں کا درس آپ سے حاصل کیا۔ ”حمیات قانون، شرح اسباب اول، شرح اسباب ثانی، قانونچہ“ میں مولانا کے تنہا استاذ حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ ہی تھے، مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے مذکور کتابیں حکیم صاحب سے باضابطہ طریقہ سے پڑھیں اور باقاعدگی سے ان کا امتحان بھی دیا۔

حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب امر وہویؒ:

حضرت مولانا ”عبد الرحمن صاحب امر وہوی“ تاریخ دیوبند کے ایک روشن باب ہیں، علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں کامل دسترس حاصل تھی، حضرت الامام قاسم نانوتویؒ کے آخری شاگردوں میں سے تھے۔ تقریباً ۱۲۷ھ میں عروس البلاد بمبئی میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن پاک کی سعادت سے مکہ مکرمہ میں بہرہ ور ہوئے، حفظ قرآن کے بعد ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں حاصل کی، اس کے بعد حضرت مولانا احمد حسن محدث امر وہوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا

حضرت محدث امر وہوی چونکہ خود بہت محنتی اور باصلاحیت عالم تھے؛ اس لئے آپ کے تلامذہ میں بھی آپ کا یہ رنگ دیکھنے کو ملتا تھا۔ اس کے بعد آخر میں مولانا عبدالرحمن امر وہوی دیوبند تشریف لائے یہاں آپ نے تفسیر وحدیث کے کچھ اسباق حضرت نانوتوی قدس سرہ سے پڑھے، اس سے پہلے ”محدث امر وہوی“ کی خدمت میں رہ کر (علوم نانوتوی) سے کافی مناسبت ہو گئی تھی، اس لئے دیوبند میں جب یہی علوم براہ راست حضرت نانوتوی قدس سرہ سے حاصل کئے تو ذہن و دماغ میں اس طرح راسخ ہوئے کہ تاحیات آپ پر ان علوم قاسمہ کا رنگ غالب رہا۔ آپ کے تفسیر وحدیث کے درس میں بھی متکلمانہ رنگ غالب تھا، جو درحقیقت حضرت نانوتوی اور محدث امر وہوی کے فیض صحبت کا اثر تھا۔ مولانا عبدالرحمن امر وہوی تدریسی اعتبار سے یگانہ روزگار تھے، تمام علوم متداولہ بالخصوص علم کلام اور عقائد میں ان کی ذات بے مثال تھی اکثر و بیشتر حضرت نانوتوی قدس سرہ کے علوم کے حوالے دیتے تھے، تفسیر میں ان کو خاص کمال حاصل تھا۔

ملک کے کئی بڑے مدارس میں آپ نے درس و تدریس کی طویل مدت تک خدمت انجام دی، مدرسہ شاہی مراد آباد، بمبئی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور مدرسہ جامعہ اسلامیہ امر وہہ میں ۶۰ سال تک علوم دینیہ کی تدریس میں مشغول رہے، اسلئے ان کے فیض یافتگان کی تعداد کثرت سے پائی جاتی ہے۔

۱۳۱۲ھ میں کچھ عرصہ کے لئے دارالعلوم دیوبند میں بھی تفسیر وحدیث کے اسباق پڑھائے، اسی عرصہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے بھی آپ سے علمی استفادہ کیا، اس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ امر وہہ تشریف لے گئے، اس تاریخی مدرسہ میں آپ کو شیخ الحدیث و شیخ التفسیر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ حدیث وفقہ کے اعتبار سے ملک کے مقتدر اور چوٹی کے علماء میں آپ کا شمار تھا۔ تفسیر بیضاوی پر آپ نے حاشیہ رقم فرمایا، اسی طرح مختصر اور مطول پر بھی مفید حواشی تحریر فرمائے، تصوف و سلوک میں آپ کے مرشد قطب عالم شیخ المشائخ حضرت ”حاجی امداد اللہ مہاجرکی“ تھے۔ اس مبارک راہ کے تمام مراحل اور مقامات حضرت شیخ المشائخ ہی کے زیر تربیت رہ کر کے طے کئے چنانچہ تربیت مکمل ہونے پر حضرت حاجی صاحب نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا، پوری زندگی تقویٰ و طہارت کو اپنا شعار بنائے رکھا، علم میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ انابت، خشیت، للہیت، امت کی فکر، ملت کا درد اللہ واسطے دوستی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی، عمدہ اخلاق، برائیوں سے نفرت و ذکاوت و ذہانت درس و تدریس میں جامعیت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔

۹۰ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ کو واصل بحق ہوئے، جامع مسجد امر وہہ کے صحن کے جنوبی گوشہ میں (جہاں پہلے سے آپ کے استاذ

محترم حضرت مولانا سید احمد حسن امر وہوی مدفون ہیں) آپ کو دفن کیا گیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق حقانی صاحب

بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک :

(ولادت ۱۳۲۷ھ، وفات ۱۴۰۹ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق حقانی صاحب ان علمائے حقانی اور مشائخ ربانی میں سے تھے جن کے وجود سے علم و دانش زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوئی ہیں اور جن کے علم و عمل، اخلاص و للہیت اور طہارت و تقویٰ پر زمانہ فخر کرتا ہے، آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے تلمیذ رشید بلکہ عکس جمیل تھے۔

۷ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ بروز اتوار جناب الحاج ”معروف گل“ مرحوم کے گھر واقع اکوڑہ خٹک ضلع پیشاور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ اور والد محترم سے حاصل کی۔ پھر علاقہ کے علماء مولانا عنایت اللہ صاحب، مولانا عبد الجلیل صاحب، مولانا عبدالرزاق صاحب، شاہ منصور علی، مولانا عبد

القادر شیخ وغیرہم سے ”ملاحسن“ تک کی کتابیں پڑھ کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا رخ کیا، دہلی، میرٹھ، کلکتہ، گلاؤٹھی، امر وہہ میں رہ کر مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۴۷ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور پانچ سال رہ کر از ہر ہند کے اساطین فضل و کمال سے اکتساب فیض کر کے ۱۳۵۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے زمانہ طالب علمی کی داستان بڑی صبر آزما، سبق آموز، ولولہ انگیز اور محنت و مجاہدہ سے بھرپور ہے، کئی کئی مہینہ صرف ایک روٹی پر اکتفا کرنا پڑا ہے، چھ مہینے پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔

۱۳۶۲ھ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس پر فائز ہوئے، جہاں ۱۳۶۶ھ تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم وطن کے بعد دیوبند واپسی نہ ہو سکی اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی، جس کو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا نقش ثانی سمجھا جاتا ہے۔ عمر بھر اس دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث رہے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار ہے۔ درس و تدریس و وعظ تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رہا، ”مقام صحابہ، خلافت راشدہ، دعوت حق، حقائق السنن“ وغیرہ متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں، اسی کے ساتھ پاکستان قومی اسمبلی کے ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۵ء میں تین مرتبہ اکثریت سے ممبر منتخب ہوئے اور قومی اسمبلی میں مسلسل حق کی آواز بلند کی، جس کی تفصیل قومی اسمبلی میں ”اسلامی معرکہ“ نامی کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

علم و عرفان کا یہ آفتاب ۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کو غروب ہو گیا۔

(ماخوذ از ”حضرت فدائے ملت کے عظیم المرتبت استاذ“ مرتبہ: مولانا معز الدین، ندائے شاہی، فدائے ملت نمبر ص ۸۸)

حضرت مولانا فاضی شمس الدین صاحب پنجابی:

(ولادت ۱۳۱۹ھ وفات ۱۴۰۵ھ)

آپ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، نہایت عالی قدر، محقق، فاضل و محدث، جامع معقول و منقول اور صاحب تصانیف جید عالم تھے، رئیس الفقہاء اور سید المناظرین کے نام سے معروف تھے۔ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں قاضی شیر محمد بن زین العابدینؒ کے گھر موضع پٹری داخلی ناڑا پنڈی گھیب ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم بڑے بھائی مولانا قاضی ”نور محمد“ سے حاصل کی اور درس نظامی کی بیشتر کتابیں ”مدرسہ حسینیہ، انہی شریف“ میں ”غلام رسول بابا انہی والا“ اور مولانا ”ولی اللہ“ سے پڑھیں، حضرت مولانا ”حسین علی“ محدث پگھرواں والا کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسینؒ دیوبندیؒ، مولانا رسول خاں ہزارویؒ اور شیخ الادب مولانا اعجاز علیؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ، مدرسہ خادم الاسلام شرعیہ، مدرسہ اشاعت العلوم فیض آباد اور مختلف مدارس میں علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

۱۳۶۲ھ میں تقریباً ایک سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا، ۱۹۶۰ء میں ”جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ“ کی بنیاد رکھی، اور آخری دم تک اس کے شیخ الحدیث و النفییر رہے، درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ جاری رہا، آپ کی قابل ذکر تصانیف میں ”الہام الباری فی حل مشکلات البخاری، انوار البیان فی اسرار القرآن، رسالہ تراویح، سالک العلماء فی حیاة الانبیاء، شرح عبدالرسول اور افادات حسینیہ“ شاہکار کتابیں ہیں۔

آپ نے اپنی حیات طیبہ دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ، احیائے سنت اور رد بدعت کی خاطر علمی و عملی جدوجہد میں گزاری۔ شیعوں، بریلویوں اور قادیانیوں سے مناظرے کئے

آپ حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ کے خلیفہ و مجاز، عالم باعمل، متبع شریعت، صوفی باصفات اور فطری عبادات کا خاص اہتمام رکھنے والے عظیم پیکر

تھے، عمر بھر تہجد، اشراق وغیرہ نوافل کے پابند رہے، درس قرآن عمر بھر کا معمول رہا۔

۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۸۵ء کو وصال فرمایا مولانا عنایت شاہ بخاری (متوفی ۱۴۲۰ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور گوجرانوالہ میں آخری آرام گاہ پائی (ندائے شاہی، فدائے ملت نمبر ص ۸۰)

حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانیؒ

حضرت مولانا کے اساتذہ کی فہرست میں ایک واضح نام حضرت مولانا ”عبد الخالق صاحب ملتانیؒ“ کا ہے جن سے آپ نے کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب ملتانی کا شمار دارالعلوم دیوبند کے اہم اور کامیاب اساتذہ میں رہا۔ فنون کی کئی اہم کتابوں کے علاوہ ”بیضاوی شریف اور مشکوٰۃ شریف“ جیسی کتابوں کا سبق ایک عرصہ تک آپ کے متعلق رہا۔

۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۹۶ء بستی ”ولی محمد، جھنڈیہ، تحصیل شورکوٹ، ضلع جھنگ“ کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کی گذشتہ کئی پڑھیاں علماء رہی ہیں، چنانچہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا احمد دین صاحب اپنے علاقے کے مشہور عالم دین تھے، پورے خطے پر ان کے اثرات تھے۔ اسی طرح آپ کے دادا حضرت مولانا محمد امین صاحب بھی مشہور عالم دین اور تقویٰ و طہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا نور الحق صاحب معقولات و منقولات کے جید استاذ تھے، درس نظامی کی زیادہ تر کتابیں آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا نور الحق صاحب سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم حاضر ہوئے اور ۱۳۴۳ھ میں سند فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں علامہ انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی، مولانا احمد صاحب ہزاروی، مولانا رسول خان ہزاروی، جیسے اساطین علم و فضل شامل ہیں۔ طبیعت میں نیکی اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اسی کے ساتھ شوق علم، محنت، لگن اور کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے اساتذہ کی خصوصی توجہات کے حامل تھے۔

فراغت کے بعد ”کٹھال عبد الحکیم تحصیل کبیر والا، ضلع ملتان“ سے درس و تدریس کا آغاز کیا، اس کے بعد ”جامعہ عباسیہ بہاول پور“ میں تین سال تدریس کے فرائض انجام دئے پھر ملتان کے مدرسہ نعمانیہ میں پانچ سال تک پڑھایا، بعد ازاں محمدیہ نڑھال میں ۱۳/ سال تک متواتر تشنگانِ علوم کو اپنے چشمہٴ علم سے سیراب کیا۔ پھر ۱۳۶۳ھ میں ارباب دارالعلوم دیوبند کے تقاضہ پر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے یہاں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ کم و بیش پانچ سال درس نظامی کی اعلیٰ و متوسط کتابوں کا درس دیا۔ ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم کبیر والا ملتان کی بنیاد رکھی اور اخیر عمر تک وہیں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا ابوسعید احمد صاحب بانی ”خانقاہ سراجیہ کندمان شریف“ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے ابھی اوراد و اشغال مکمل نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے مرشد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جانشین حضرت مولانا عبد اللہ صاحب لدھیانوی سے تجدید بیعت کی اور ان کے خلیفہ و مجاز ہوئے۔ آپ ایک محقق عالم کامیاب مدرس، اچھے منتظم خوش پوش اور ہنس مکھ انسان تھے، پوری زندگی تجرد میں گزار دی۔ ۱۵/ نومبر ۱۹۶۶ء یکم شعبان ۱۳۸۶ھ کو بعد نماز فجر مراقبہ کی حالت میں وصال ہوا اور احاطہ دارالعلوم کبیر والا میں آسودہ خواب ہوئے۔

(از: حضرت فدائے ملت کے عظیم المرتبت استاذ، ندائے شاہی فدائے ملت نمبر وازاکا بر علماء دیوبند مؤلفہ اکبر شاہ بخاری ملت نمبر)

شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمن صاحبؒ

(۱۳۸۸ھ)

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے قرأت کے استاذ شیخ القراء حضرت مولانا قاری ”حفظ الرحمن صاحبؒ“ پر تاپ گڑھی قدس سرہ ہیں۔ آپ نے قراءت کی تمام کتابیں مع مشقِ حدر اوترتیل حضرت قاری صاحب قدس سرہ سے پڑھیں۔

حضرت قاری صاحب کا مختصر تعارف ”رجال قرأت“ پر لکھی گئی ایک اہم کتاب (حسن المحاضرات فی رجال القرأت مؤلفہ: حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم) سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

”حضرت قاری“ عبد الوحید“ خان صاحب کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند میں جب تجوید و قرأت کی مسند خالی ہوئی تو پھر کسی ایسی ہی باصلاحیت شخصیت کی تلاش ہوئی جو نہ صرف اس جگہ کو پر کرے بلکہ دارالعلوم کے جملہ شعبوں میں روز افزوں ترقیات کے پیش نظر ان کے دوش بدوش شعبہ تجوید و قرأت کو مزید ترقی دے اور اپنے پیش رو کی روایات کو اور آگے بڑھانے اور دارالعلوم دیوبند کو فن تجوید و قرأت کی حیثیت سے نہ صرف ملک گیر بلکہ عالم گیر شہرت دینے کا باعث بنے، چنانچہ بالآخر شیخ القراء حضرت قاری عبد الرحمن صاحب مکیؒ ہی کے دوسرے مشہور و محبوب شاگرد حضرت قاری ”حفظ الرحمن صاحب“ؒ پر نظر پڑی اور آپ کو اس شعبے کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔

آپ ضلع پرتاپ گڑھ کے رہنے والے تھے، ولادت ۱۳۱۷ھ کی ہے، ۱۳۲۹ھ میں آپ نے جامع العلوم کانپور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی، پھر اس کے بعد آگرہ تشریف لے گئے، جہاں شیخ القراء حضرت قاری عبد المالك صاحبؒ سے روایت حفص میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد غالباً ۱۳۳۳ھ میں حضرت الاستاذ جناب قاری عبد المالك صاحبؒ کے ہمراہ الہ آباد اور قاری عبد الرحمن صاحب مکیؒ کی خدمت میں حاضری دی، یہاں آپ نے قرأت سبعہ و عشرہ کی کتابیں ”التیسیر، شاطبیہ، رائیہ، الوجہ المسفرہ، درہ“ وغیرہ پڑھیں۔

ان نصابی کتابوں کی تکمیل کے بعد بھی آپ الہ آباد میں استاذ کے پاس مقیم رہے اور ہر سال طلبہ کی جدید جماعت کے ساتھ ان کتابوں میں شریک ہوتے رہے، اس طرح چار سال تک آپ نے حضرت قاری عبد الرحمن صاحب مکیؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کر علم میں پختگی اور فن میں اتنی مشق و مہارت پیدا کر لی کہ جو کچھ استاذ سے پڑھا تھا، سب حفظ ہو گیا۔

الہ آباد سے فراغت کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے یہاں آپ نے چار سال تک درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں صدر شعبہ کی حیثیت سے فائز کئے گئے، حضرت قاری حفظ الرحمن صاحب کی آمد سے دارالعلوم دیوبند میں تجوید و قرأت کے درس کا انداز ہی بدل گیا، تعلیم کے وقت کتاب سے کم، خود اپنے حافظہ سے زیادہ کام لیتے، پڑھاتے وقت اصول و قواعد خود زبانی کہتے جاتے اور طالب علم اسے دہراتا جاتا، تا وقتیکہ طالب علم کو مسائل از بر نہ ہو جاتے، خود خاموش نہ ہوتے اس طرح اساتذہ کا پڑھایا ہوا سبق دم کے دم میں طالب علم کے سینے میں محفوظ ہو جاتا، درس اور تعلیم کا یہ طریقہ اور انداز بلاشبہ محنت شاقہ اور نہایت ذوق، لگن کا طالب ہے۔

آپ ماہر فن اور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ بڑے خوش الحان اور خوش لہجہ بھی تھے ادائیگی پر کامل عبور تو تھا ہی، بے شاعر بنی لہجوں کے جامع تھے، آپ کے زمانے میں ملک اور بیرون ملک سے فن تجوید کے شائقین طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ اس شعبے کا فیض ملک سے باہر آپ کے دور سے نمایاں نظر آتا ہے، آپ نے کم و بیش چالیس سال تک تجوید و قرأت کی خدمت دارالعلوم دیوبند میں انجام دی، آپ نے حضرت مولانا تھانویؒ کے مشہور و مقبول رسالہ ”جمال القرآن“، بنام ”تسہیل الفرقان“، پر ایک عمدہ اور بیش قیمت حاشیہ لکھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، جن میں سے قابل ذکر تلامذہ درج ذیل ہیں۔

قاری عشرہ، المقری فتح محمد نابینا پانی پتی، قاری عبدالشکور صاحب پانی پتی، قاری محمد حسن مالا باری، قاری محمد میاں، قاری عبدالجلیل، قاری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی، قاری محمد طیب صاحب فیض آبادی، قاری فیض الحسن جموی، قاری گل محمد قندھاری، قاری محمد عثمان سورتی، قاری محمد حسین صاحب راندیری وغیرہم۔

۲۴ شوال ۱۳۸۸ھ کو آپ ایک طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہیں۔

(دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید و قرأت ص: ۱۰ تا ۱۲ تذکرہ قاریان ہند جلد ۳ ص ۳ سوانح قاری عبد المالك ص: ۲۰۰، ۲۰۱)

چوتھا باب

حضرت شیخ الحدیث

کا تدریسی دور



دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اپنے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہ کے معتمد تھے، حضرت مدنی قدس سرہ کو آپ کے علم و عمل اور تقویٰ پر کامل اعتماد اور بھروسہ تھا، اس لئے حضرت مدنی نے آنجناب کو دارالعلوم کی تدریس کے لئے منتخب کیا، اور شوریٰ میں تجویز پاس کرائی۔

ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں بحیثیت مدرس آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا۔ آپ کے دارالعلوم دیوبند میں تقرر کے سلسلے میں چونکہ تمام تر کوششیں آپ کے استاذ محترم اور خصوصی مربی حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی مرہون منت تھیں، اس لئے آپ کے اس تقرر پر حضرت مدنی قدس سرہ کو بھی غیر معمولی مسرت ہوئی۔

مولانا خود فرماتے تھے کہ: جب میرا تقرر ہو گیا تو حضرت مدنی خود بھی بہت خوش تھے اور گھر آ کر اپنی اہلیہ سے اس خوشی کا اظہار کیا، آپا جی (حضرت مدنی کی اہلیہ) فرماتی تھیں کہ جب حضرت نے مولانا نصیر احمد خان صاحب کا تقرر کیا تو گھر آ کر بڑی خوشی کے ساتھ فرمایا کہ: ”آج ہم نے خان صاحب کا تقرر کر دیا۔“

دارالعلوم دیوبند میں اولاً اعزازی، ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، پھر دو سال بعد ۲۸ صفر ۱۳۶۷ھ کو باقاعدہ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور اسی سال آپ کی حسن کارکردگی کی وجہ سے آپ کا استقلال بھی کر دیا گیا۔ سال تقرر سے آخری حیات تک آپ دارالعلوم کی مسند تدریس پر فائز رہے، اس درمیان ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ کے چشمہ علمی سے استفادہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریسی خدمات کا عرصہ بہت طویل ہے، اتنا طویل کہ موجودہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اور شاید گذشتہ زمانے میں بھی اس قدر طویل مدت وابستگی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہ سعادت اور فضیلت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔

”ایں سعادت بزورِ بازو نیست“

تقریباً ۶۵ سال تک آپ مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر فیضانِ علم و ہدایت کے گہر لٹاتے رہے، اگر اس مدت میں تحصیل علم کی بھی مدت ملائی جا

ے تو تقریباً ۷۰ سال ہو جاتے ہیں جو موجودہ زمانے کے اعتبار سے نہایت طویل مدت ہے۔ آج کے زمانے میں ساٹھ یا ستر سال میں عموماً آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، ایسے خوش نصیب کم ہی ہوتے ہیں جنہیں اس قدر طویل عمر اور طویل خدمت کا موقع مل جاتا ہے۔ قدرت نے آپ کو جو عمر طویل عنایت فرمائی اس کا بیشتر حصہ علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں ہی صرف ہوا، آج دارالعلوم دیوبند میں چھوٹے بڑے سب ہی اساتذہ تقریباً آپ کے شاگرد ہیں؛ بلکہ برصغیر، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں موجود علمائے کرام کا اکثر طبقہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا فیض یافتہ ہے۔

آپ کے زیر درس کتابیں:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کی اہم خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کی اکثر کتب آپ کے زیر درس رہیں، چنانچہ آپ نے میزان الصرف اور منشعب سے تدریس کا آغاز کیا اور ”ہدایۃ النخو، کافیه، شرح جامی، سلم العلوم، مقامات حریری، مختصر المعانی، جلالین شریف، ہدایۃ اولین، ہدایۃ آخرین، ملا حسن، مؤطا امام مالک، ترمذی شریف، طحاوی شریف، مسلم شریف، اور پھر بخاری شریف“ جو اخیر تک آپ کے زیر درس رہی، تمام ہی کتابیں آپ نے پڑھائیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قدیم زمانے میں زیر درس کتابوں کے بدلنے کا دستور بہت کم تھا، ایک ہی استاذ ایک کتاب کو دس دس اور بیس بیس برس پڑھاتا تھا، اور بدلنے کی درخواست بھی عموماً کم ہی دی جاتی تھی، اس وجہ سے وہ حضرات اپنی اپنی زیر درس کتابوں کے امام ہوتے تھے، کتاب اور فن کتاب سے متعلق تمام مضامین حفظ ہو جاتے تھے، اسی کے ساتھ ارباب مدارس بھی ان کے لئے ان کے زیر درس کتب سے متعلق حواشی و شروحات جو دستیاب ہو سکتی تھیں؛ مہیا کراتے تھے، وہ استاذ تمام کتب و حواشی سے بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا، جس کی وجہ سے کتاب اور فن کا امام بن جاتا تھا۔

دیوبند میں درس حدیث اور اس تعلق سے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی خدمات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، اور تقریرات کو حدیث کہا جاتا ہے جو بجائے خود وحی اور قرآن کریم کی جامع تشریح و توضیح ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو براہ راست سننے والے اور آپ کے مبارک اعمال و افعال کو چشم خود دیکھنے والے صحابہ کرام نے آپ سے حاصل شدہ اس علم و ہدایت کے خزانے کی غیر معمولی اہتمام کے ساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا، پھر بعد کے قرونوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے بہترین افراد کو اس عظیم اور مبارک علم کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح اور حفاظت و اشاعت جیسی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تشریف لیجائے ہوئے اگرچہ چودہ صدیاں بیت گئیں مگر آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ ہر طرح سے محفوظ اور موجود اور ہر راہ رو کے لئے اسی طرح روشنی کا مینارہ ہیں جس طرح قرن اول میں تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ نبوت ختم کر دئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت کا یہ انتظام ہونا ضروری بھی تھا جبکہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر اب قیامت تک آنے والا نہیں ہے، اور آپ ہی جب اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کا مبارک اسوۂ اس دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے، تاکہ ہر زمانے کے طالبان ہدایت اس سے وہ نور اور روشنی حاصل کرتے رہیں جو آپ کے زمانے میں آپ پر ایمان لانے والے خوش نصیب آپ کے مقدس و منور ہستی سے حاصل کرتے تھے، آج یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ چودہ سو سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا ہے، اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہیگا۔

برصغیر ہند میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی علم حدیث کا چرچا ہو گیا تھا اور اس عظیم فن کی خدمت کے لئے کئی نابغہ روزگار ہستیاں بھی اس سرزمین میں پیدا ہو چکی تھیں جن میں صاحب مجمع البحار ”شیخ محمد طاہر پٹنی“ اور صاحب کنز العمال ”شیخ علاؤ الدین علی متقی حنفی“ ان کے بعد ”شیخ عبدالحق محدث دہلوی

”اور پھر یہ مبارک سلسلہ ولی اللہی۔“

مگر پھر عیار انگریز کی اسلام دشمن پالیسی سے اس مبارک علم کی تمام درسگاہیں بند ہو گئیں اور ایسے حالات ہو گئے کہ مسلمانوں کو اسلامی ادا کر کے ساتھ جینا مشکل ہو گیا، قریب تھا کہ یہ علم اور تمام علوم اسلامیہ ارض ہند سے تمام آثار کے ساتھ مٹا دیے جاتے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو اپنے پسندیدہ دین اسلام اور علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث پاک کی حفاظت و اشاعت کے لئے منتخب کر کے کھڑا کیا، یہ حضرات تن من دھن کی بازی لگا کر میدانِ عمل میں اترے اور مکمل جانفشانی، محنت اور جدوجہد کے ساتھ اس عظیم خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ کہنا چاہئے کہ برصغیر ہند میں علم حدیث کی نشاۃ ثانیہ کے علم بردار اور تمام ممالک مشرق میں اس فن کے واحد ترجمان و محافظ اور اس مبارک علم کی اشاعت و ترویج کے سب سے بڑے ذمہ دار حضرات اکابر دیوبند تھے، جس طرح علم حدیث کی حفاظت کے سلسلے میں علمائے دیوبند کی قربانیاں لازوال ہیں، ٹھیک اسی طرح اس علم کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ان کا کردار بے مثال ہے اور انتہائی وقیع ہے، ان حضرات نے جذبہ حفاظت حدیث کے پیش نظر تدریس حدیث کا ایک منفرد طریقہ ایجاد کیا جو اس سے پہلے حدیث کی درسگاہوں میں رائج نہیں تھا، تدریس حدیث کے اس جدید اسلوب سے پہلے تیرہویں صدی عیسوی کے وسط تک درس حدیث کا مروج طریقہ محض حدیث کے ترجمے، ائمہ اربعہ کے مذاہب اور زیادہ سے زیادہ معروف اختلافات کی تشریحات پر مبنی تھا، چنانچہ علمائے دیوبند نے درس حدیث میں جامعیت اور تفصیلی نوعیت کی بنیاد ڈالی۔ ان حضرات نے ترجیحات، تنقیحات اور تعلیقات نیز مسلک احناف کے مستدلالات اور ان مستدلالات کے ترجیحی پہلو اور اس کے اوفق بالکتاب والسنہ ہونے کے دلائل و براہین کی ضروری وضاحت کو درس حدیث کا حصہ بنایا۔ اسی طرح احادیث کے مفہوم و مطالب میں غور و فکر، تدبر و تفکر اور صحیح معانی و مصداق کے تعین میں معیاری اور کامل تحقیق کو طریقہ درس حدیث میں شامل کیا، اکابر دیوبند کا ایجاد کردہ یہ طریقہ درس حدیث آج تقریباً تمام مشرقی ممالک میں رائج ہے، بیشمار ممالک بالخصوص ہند، پاکستان و بنگلہ دیش کے قریب قریب تمام مدارس دینیہ اور مراکز اسلامیہ میں جہاں بھی درس حدیث جاری ہے، اسی رائج پر جاری ہے۔

خود دارالعلوم دیوبند میں طریقہ درس کے اس معیار میں آج تک کمی نہیں آئی، دارالعلوم دیوبند کے اولین اکابر (جو اس عظیم علم میں اپنا پایہ بہت بلند رکھتے تھے اور جن کی اس فن میں مہارت زمانے کو مسلم تھی) جو نظام درس اس وقت قائم کیا تھا ان کی روحانی اولاد نے آج تک وہ سلسلہ اسی طرح قائم رکھا ہے

درس حدیث کا کوئی گوشہ یا پہلو ایسا نظر نہیں آئیگا جس پر علمائے دیوبند نے تشریحانہ اور مبصرانہ کلام نہ کیا ہو، علمائے دیوبند کے درس حدیث، انداز بیان، اور طرز تشریح سے متاثر ہو کر عرب کے مشہور قلم کار اور معروف علمی رسالہ ”المنار“ کے مدیر علامہ رشید رضا مصری جب ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو کھلے دل کے ساتھ علمائے دیوبند کی خدمات حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

”اگر ہمارے بھائی علمائے دیوبند کی توجہ اس زمانے میں ”علم حدیث“ کی طرف مبذول نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز، میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔“

جن محدثین نے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر حدیث کی خدمت انجام دی ہے ان میں سرفہرست حجت الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب المعروف بہ ”شیخ الہند“ دیوبندی، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مراد آبادی اور حضرت اقدس علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی اور پھر حضرت شیخ الاسلام کے جانشین مسندِ درس حدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ ہیں۔ یہ حضرات حدیث سے متعلق تمام علوم و فنون میں مہارت کے ساتھ تقویٰ و طہارت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، یہاں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم، و تعلم کے ساتھ تمام امور میں خواہ ان کا تعلق طلبہ سے ہو یا مدرسین سے تقویٰ و طہارت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی لئے مدرسین کو کتب تفسیر و حدیث دیتے وقت ارباب دارالعلوم دیوبند نے ہمیشہ اس بات کو ملحوظ نظر رکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کے درس حدیث کا آغاز ۱۳۹۱ھ سے ہوتا ہے۔

۱۳۹۱ء سے ۱۳۹۷ء تک حدیث شریف کی تین کتب آپ کے زیرِ درس رہیں، طحاوی شریف، موطا امام مالکؒ، مسلم شریف جلد ثانی، پھر ۱۳۹۷ء سے بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہو گیا۔ پہلے سال بخاری شریف کی دونوں جلدیں آپ نے پڑھائیں، اگلے سال سے بخاری شریف جلد اول آپ سے متعلق رہی اور جلد ثانی مشترکہ طور پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا سالم صاحب صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہؒ پڑھاتے رہے۔ بخاری شریف جلد اول کا سبق ۱۳۹۷ء سے ۱۴۲۹ء تک آپ کے پاس رہا، اس دوران آپ مکمل جاہ و جلال اور تمام آداب کی رعایت کے ساتھ اس عظیم کتاب کا درس دیتے رہے، عمر کے آخری مرحلہ میں آپ کی تقریری کی آوازیں آپ کی سن رسیدگی کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا، آپ نہایت جھوڑی الصوت تھے، قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ آپ کو حسن صورت اور حسن سیرت، حسن صوت اور عمدہ اخلاق سے نوازا تھا، رفع الصوت ہونے کے ساتھ آپ کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی، اسی طرح لب و لہجہ اور ادائیگی حروف میں بھی نرالا پن تھا، آپ کی عمومی گفتگو بھی صحت تلفظ کے معیار سے گری ہوئی نہیں ہوتی تھی، درسی تقریر کا تو جواب ہی نہیں تھا، تقریر میں عام فہم اور مانوس الفاظ کا استعمال اس طرح فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی آپ کی تقریر سے بخوبی استفادہ کر لیتا تھا، تاہم وقار و سنجیدگی آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا۔

آپ کے درس بخاری کی خصوصیات:

آپ سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں مسندِ تدریس بخاری پر جلوہ افروز، جو اکابر تھے وہ سب اپنے اپنے وقت کے یگانہ روزگار تھے۔ ان کے علم کے چرچے چار داغ عالم میں تھے، وہ ایک طرف علم و فن کے آفتاب و ماہتاب تھے تو دوسری طرف میدانِ عمل کے بھی بے مثال اور کامیاب شہسوار تھے، ان کا بنیادی مشغلہ اگرچہ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس تھا مگر ساتھ ساتھ امت کی قیادت و رہنمائی کو بھی اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، اور اس تعلق سے جب اور جہاں کہیں بھی امت نے ان کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے آپ کو پیش پیش رکھا۔

ظاہر ہے ایسے اکابر کی مسند نشینی کے لئے اعلیٰ اقدار اور خصوصیات کے حامل یا کم از کم ان نقوشِ قدسیہ کی پاکیزہ روایات کا محافظ کسی اعلیٰ بیکر کا انتخاب ضروری تھا چنانچہ باب دارالعلوم دیوبند کی دور رس نگاہوں نے ان خصوصیات اور امتیازات کو بالاتفاق حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ میں بدرجہ اتم پایا، جس کی وجہ سے آپ ہی اکابر کی اس عظیم مسند کے لئے منتخب کئے گئے۔

سب جانتے ہیں کہ آپ نے اس مسند کا مکمل حق ادا کیا، درس میں پابندی کے ساتھ آپ کی حاضری ضرب المثل تھی، آپ کی تدریسی اور طبعی تمام خصوصیات کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا، بہت سے اشخاص نے ان خصوصیات کو اپنا کر زندگی کے بہت سے مراحل میں کامیابی حاصل کی، آپ کے درس بخاری کی خصوصیات بیک نظر ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت مولانا قدس سرہ کا درس حبِ نبوی اور عشقِ رسول سے معمور رہتا تھا، دورانِ سبق کئی مرتبہ آپ کی آواز بھرّ اجاتی، دل امنڈ آتا، آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، جس سے تمام طلبہ متاثر ہوتے اور اپنے دلوں میں عجیب کیف و سرور محسوس کرتے۔

(۲) سال کے آغاز میں ہر باب اور حدیث کے تحت طویل بحث فرماتے، اور پھر جب محسوس فرماتے کہ طلبہ کو کتاب سے یک گونہ مناسبت ہو گئی ہے تو طوالت سے احتراز فرماتے ہوئے ضروری تشریحات پر اکتفا فرماتے۔

(۳) درس میں تمام ائمہ سلف، ائمہ مجتہدین کا نام انتہائی ادب و عظمت سے لیتے حتیٰ کہ بعض اہل علم جنہوں نے احناف کے ساتھ تنگ نظری کا معاملہ کیا ہے، ان کا تذکرہ بھی آپ کی زبان سے ادب و عظمت سے ہوتا، بعض جگہ امام بخاریؒ کا حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں اعتدال قائم رکھنا ایک متصلب حنفی محدث کے لئے بڑا دشوار ہوتا ہے لیکن حضرت مولانا ایسے موقع پر حضرت امام بخاریؒ کا مکمل جواب دیتے ہوئے ان کی عظمت و جلالتِ قدر کا مکمل خیال فرماتے۔

(۴) سبق کے دوران اپنے اکابر علماء دیوبند کے علمی جواہر پارے کثرت سے نقل فرماتے بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب

مدنی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی وغیرہما کے ارشادات و واقعات سے درس کا لطف دو بالا ہو جاتا

(۵) نفس حدیث میں اگر کہیں دشواری ہوتی ہے اور شراً ح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں کیا ہے بلکہ اس کی توضیح و توجیہ کے بعد بھی الجھن باقی

ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے۔

(۶) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً احناف کے مسائل کے دلائل تفصیل سے بیان فرماتے۔ اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ احناف کا مسلک حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) آپ کی درسی تقریر مربوط و مسلسل اور دل نشیں ہوتی تھی، اسی طرح آپ کی تقریریں عام فہم اور سادہ الفاظ پر بھی مشتمل ہوتی تھیں، مشکل مضامین کو آسان اسلوب میں پیش کرنے کا قدرت نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔

(۸) اگر کتاب میں مؤلف سے یا کسی راوی سے وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور تنبیہ فرماتے تھے اور اس راوی

اور روایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔

(۹) حضرت امام بخاریؒ کے تراجم ابواب ہر دور میں مشکل تر سمجھے گئے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام علام نے اپنی کتاب کے اندر تراجم کے سلسلے میں کسی عادت یا طریقے کا اظہار نہیں فرمایا ہے، حضرات شارحین نے اپنے اپنے مذاق سے احادیث پر نظر کرنے کے بعد اس کا مقصد و مطلب متعین کیا ہے، جس کی وجہ سے مقاصد تراجم کی تعیین میں شارحین کے درمیان سب سے زیادہ اختلاف رہا ہے، حضرت شیخ الہند فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے چنانچہ حضرت نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی لکھنا شروع کیا تھا مگر وہ مکمل نہ ہو سکا، اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ تراجم کے مشکل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر تراجم کو دعویٰ کی حیثیت دیکر پیش کردہ حدیث کو بطور دلیل لایا جاتا ہے، حضرت امام بخاریؒ نے محدثین کرام کی اس عمومی عادت کی پابندی نہیں کی ہے، بلکہ آپ نے اپنے تراجم میں بہت سے علوم داخل فرمادے ہیں مثلاً کسی موقع پر وہ حدیث کی تشریح کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، کسی موقع پر جمال کی تفصیل فرماتے ہیں، کسی موقع پر روایات کے اختلاف اور پھر اس اختلاف کے رفع کی صورت کو ظاہر فرماتے ہیں، کہیں اختلاف ائمہ کا لحاظ کر کے ترجمہ کو سوال کی شکل میں لاکر احادیث لے آتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں گنجائش ہے، خواہ اس مسلک کو قبول کر لو یا دوسرے کو اختیار کر لو، کہیں ترجمہ کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے لیکن حضرت امام صاحب کا مقصد ظاہر سے متعلق ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ کسی التزامی معنی کو مراد لیکر اسی کی مناسبت سے احادیث پیش فرماتے ہیں، ایسی صورت میں بعض بخاری پڑھنے پڑھانے والوں کو ابواب اور احادیث کی تطبیق کے سلسلے میں کافی دشواری ہوتی ہے، لیکن ہمارے تمام اکابر کے یہاں یہ بحث بہت آسانی سے حل کی جاتی تھی، حضرت والا قدس سرہ کا درس بھی چونکہ اکابر و اسلاف کے درس کا نمونہ تھا اس لئے یہ بحث آپ کے یہاں بھی چٹکیوں میں حل کی جاتی تھی۔

(۱۰) تاریخی واقعات کے سلسلے میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بنا پر تطبیق بہت دشوار معلوم ہوتی ہے، حضرت مولانا اس اختلا

ف واضطراب کو اس طرح دفع فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی تھی۔

(۱۱) آپ دورانِ درس، حدیث کی عبارت صاف پڑھنے پر بہت زور دیتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ بھئی رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی کہ آپ

بات بہت صاف فرماتے تھے، آپ ﷺ کے کلام کا ایک ایک جملہ الگ الگ ہوتا تھا یہ احادیث آپ ﷺ کے ارشاد کی حکایت ہیں، لہذا حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو صاف پڑھنا چاہئے۔

(۱۲) اکابر کے زمانے سے حدیث شریف کی عبارت صاف پڑھنے پر دارالعلوم میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کی رفتار تیز نہ ہو، الفاظ کی ادائیگی

میں شستگی ہو، بقدر ضرورت حروف میں تجوید کی رعایت ہو، آپ کے یہاں بھی ان سب امور کا اہتمام بدرجہ اتم ہوتا۔

فن ہیئت سے آپ کا تعلق:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جملہ کتب درسیہ کے علاوہ فن ہیئت کا درس خصوصیت سے رہتا تھا، اس فن کی مشہور کتاب ”التصريح“ ہمیشہ آپ کے زیر درس رہی، رب علام نے آپ کو اس فن میں خصوصی درک عطا فرمایا تھا، حضرت اس فن کے تمام نشیب و فراز اور ظاہر و مخفی گوشوں سے پوری طرح واقف تھے، آپ کی اس فن سے خصوصی مناسبت کے قائل آپ کے معاصر علماء بھی تھے۔ ان حضرات کو یہ اعتراف تھا کہ آپ کو اس فن میں یدِ طولیٰ حاصل ہے اور اس فن میں جو مہارت و لیاقت اللہ تعالیٰ نے مولانا کو عطا فرمائی ہے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

حضرت والا اس فن خصوصی کے تمام اسباق و متعلقات پر مکمل قابو یافتہ تھے، آپ عجیب و غریب انداز سے اس کی تشریحات فرماتے، اور فن کی ضروری بحثوں کی ایسی آسان اور دل نشین تقریر فرماتے کہ طلبہ کے سامنے یہ فن جو کہ خشک مضامین کا حامل ہے، دلچسپ بن جاتا، اس فن میں حضرت مولانا کے ہزار ہا شاگرد ہیں، جو ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور علوم اسلامیہ کی عظیم خدمات میں مشغول ہیں، ابھی حال ہی میں آپ کے ایک خصوصی شاگرد رشید حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی مقیم حال لندن نے طلوع و غروب سے متعلق ایک عمدہ ڈائری تحریر فرمائی ہے، جو پوری دنیا کے طلوع و غروب کے اوقات کا تعین کرتی ہے، نیز رویتِ ہلال کے تعلق سے بھی اس میں انتہائی ضروری اور قیمتی ہدایات ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ مصنفِ علام کی اس خدمت کو قبول فرمائے (آمین)

دورانِ تدریس طلب علم کا شوق:

آج کل بہت سارے اصحاب درس تدریس کے میدان میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو اساتذہ سے بے نیاز سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ دورانِ تدریس متعدد مقامات پر اپنے اساتذہ یا جو اس فن میں ماہر ہیں ان کی رہنمائی کی شدید ضرورت پڑتی ہے، ہمارے اکابر و اسلاف کا یہ مزاج نہیں تھا، وہ ہر موقع پر بالخصوص علم و فن کے میدان میں اپنے آپ کو اپنے بڑوں کا محتاج سمجھتے تھے، بہت کچھ جاننے اور ہر طرح کی علمی صلاحیت و استعداد سے معمور ہونے کے باوجود اساتذہ سے اکتسابِ فیض اور ان کے فیوض و برکات کو حاصل کرنے میں کسی قسم کی جھجک اور ادنیٰ شرم محسوس نہیں کرتے تھے، ہمارے اکابر کے حالات میں یہاں تک ملتا ہے کہ اگر ان کو دورانِ تدریس کسی قسم کی کوئی الجھن یا علمی اشکال پیش آیا تو وہ طلبہ کے سامنے ہی کتاب لیکر اٹھ گئے اور اپنے استاذ محترم کے سامنے بر ملا اپنا اشکال حل کیا، ان حضرات میں علمی تشنگی اور طلب علم کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، استاذِ الاساتذہ اور مشائخِ درس بننے کے بعد بھی اپنے آپ کو طالب علم کہتے تھے، خود ہمارے مددِ مدوح، صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ نے بھی اس سلسلے میں اکابر کا مکمل اتباع کیا، ایک موقع پر عصر کے بعد والی مجلس میں انہوں نے خود کہا تھا کہ: میں جب دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوا تو دیگر اسباق کے ساتھ مجھے ”نفحة العرب“ بھی پڑھا نے کے لئے دی گئی، ”نفحة العرب“ کے مصنف حضرت مولانا اعجاز علی صاحب میرے استاذ تھے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ کتاب میں آپ سے پڑھ کر پڑھاؤں گا، حضرت نے فرمایا: میاں جاؤ پڑھاؤ، تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اصرار کیا تو حضرت نے تہجد کا وقت میرے لئے تجویز کیا، چنانچہ میں بوقتِ تہجد پابندی کے ساتھ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر سبق پڑھتا اور دن میں طلبہ کو پڑھاتا، حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: کتاب اگرچہ مجھے حل تھی مگر میں برکت کے واسطے حضرت والا قدس سرہ سے پڑھتا تھا۔

حج بیت اللہ :

حضرت مولانا نصیر احمد صاحب قدس سرہ نے اپنی زندگی میں تین حج کئے ہیں۔ آپ کا پہلا حج ۱۹۷۸ء میں ہوا، دوسرا حج ۱۹۸۲ء میں ہوا، تیسرا حج

۱۹۹۱ء میں ہوا۔

آپ کا تیسرا حج بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ اس سفر میں عالم اسلام اور عالم عرب کے بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات رہی، جس کے دوران دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کو درپیش مسائل اور عالم اسلام کے عمومی و خصوصی احوال پر تبادلہٴ خیالات اور ان کے مسائل کے حل کی کوششیں ہوئیں۔

رمضان المبارک کا معمول :

حضرت مولانا نصیر احمد صاحب قدس سرہ فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل بالخصوص تہجد کے بڑے پابند تھے۔ اسکے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت کے بھی بڑے پابند تھے آپ کے یہ معمولات بلا ناغہ پورے سال جاری رہتے، مگر جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو ان معمولات میں اضافہ ہو جاتا۔ نوافل کی کثرت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت میں دن و رات کا اکثر حصہ صرف فرماتے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھی! یہ تو قرآن کا مہینہ ہے لہذا اس میں قرآن کی کثرت ہونی چاہئے۔

رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کا معمول بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا۔ تقریباً ۶۵ سال آپ نے تراویح میں قرآن پاک سنایا ہے۔

۱۳۵۰ھ سے آپ نے قرآن پاک تراویح میں سنانا شروع کیا اور آخری تراویح ۱۴۱۴ھ کو ’کوئٹہ‘، تمل ناڈو‘ میں ہوئی، جو بوجہ علالت پوری نہ ہو سکی۔ اس سال ۴ رمضان المبارک کو آپ کو قلب کا دورہ ہوا اور پھر آپ اسپتال میں داخل ہو گئے۔ بعد ازاں دیوبند تشریف لائے، اس کے بعد آپ نے وفات تک تراویح میں قرآن پاک نہیں سنایا۔

کوئٹہ (تملناڈو) سے آپ کا تعلق:

کوئٹہ (صوبہ تملناڈو) کا مشہور و معروف شہر ہے، جنوب ہند میں تجارتی نقطہ نظر سے اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تیس لاکھ سے زائد آبادی پر مشتمل یہ شہر کئی نوع سے خصوصیت کا حامل ہے، یہاں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد ہے، جن میں بیشتر لوگ اردو زبان سے ناواقف ہیں۔ یہ شہر صوبہ مالابار (کیرالہ) سے متصل ہے اس لئے یہاں کے مسلمان رسوم و معتقدات میں اہل کیرالہ کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ البتہ نرم خوئی، نرم مزاجی، محبت اور الفت یہاں کے خمیر میں داخل ہے۔ اسی کے ساتھ علمائے کرام سے عقیدت اور محبت بھی یہاں کے لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔

حضرت والا ایک طویل عرصہ تک کوئٹہ (تملناڈو) تشریف لاتے رہے۔ آپ کی یہ تشریف آوری رمضان المبارک کے مہینے میں ہوتی تھی۔ آپ اس دوران تراویح میں قرآن پاک بھی سناتے تھے، اور پھر قرآن کریم کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف جگہ اصلاحی مواعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ یہاں آپ نے ’’ناگہ محلہ‘‘ کی مسجد میں نو سال قرآن پاک تراویح میں سنایا۔ اور پھر مسجد حضرت ٹیپو سلطان شہید میں اٹھارہ سال تک قرآن پاک سنایا۔ جس کے ساتھ تفسیری سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

شہر کوئٹہ (تملناڈو) میں آپ کے اثرات:

کوئٹہ (تملناڈو) میں علماء حقہ کی آمد کم رہی اس لئے یہاں بدعات و رسوم کا رواج بہت تھا۔ حضرت والا قدس سرہ نے یہاں قدم رنج فرما کر دعوت و اصلاح کا کام انتہاء لگن، فکر اور دلی جذبے کے ساتھ انجام دیا۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد و اعمال میں کافی سدھار آیا۔ اس کے علاوہ یہاں علم دین سے بڑی بے گانگی تھی۔ لوگ دین سے محبت کرنے والے بے شک بہت تھے مگر علم دین کی تحصیل کے لئے اپنی اولاد کو مدارس میں بھیجنے کے تصور سے بھی نا آشنا تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے لوگوں کو ترغیب دی، جس کے بعد کئی لوگوں نے اپنے بچوں کو مدارس اسلامیہ میں تحصیل علوم کے لئے داخل کیا۔ یہ بچے طلبہ کی فہرست میں داخل ہو کر آج علمائے حقہ کی جماعت میں شامل ہیں اور مختلف مقامات پر دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

کوئٹہ (تملناڈو) کے مولانا محمد الیاس صاحب :

حضرت والا قدس سرہ کی ترغیب اور شوق دلانے سے دینی علوم و فنون کو حاصل کرنے والوں میں مولانا محمد الیاس صاحب کوئٹہ کی بھی ہیں۔ مولانا ایک مقامی چھوٹے سے مدرسے کے طالب علم تھے۔ حضرت والا قدس سرہ سے محبت تھی۔ حضرت جب رمضان میں تشریف لاتے تو خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر سعادت حاصل کرتے۔ اردو سے پوری طرح واقف نہ ہونے کے باوجود بھی حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں کثرت سے آتے اور ہر طرح

کی خدمت بجالانے کی کوشش کرتے۔ حضرت والا ان کے اس جذبے سے بہت خوش ہوتے تھے، اور دعاؤں سے نوازتے۔ مولانا محمد الیاس صاحب اس وقت عربی کے ابتدائی طالب علم تھے۔ حضرت والا قدس سرہ نے ان کو دیوبند آنے کی ترغیب دی، وہ دیوبند آئے۔ حضرت نے ہی ان کے داخلے کی مکمل سعی فرمائی۔ انہوں نے دارالعلوم میں رہ کر فراغت تک تعلیم حاصل کی۔ دورانِ تعلیم ان کی مکمل نگہداشت اور کفالت حضرت نے بذاتِ خود فرمائی۔ مولانا محمد الیاس صاحب دیوبند کے زمانے میں بھی حضرت والا کی کئی طرح کی خدمت انجام دیتے رہے، جس میں بازار سے گھر کا سامان وغیرہ لانا مولانا محمد الیاس صاحب ہی کے ذمہ تھا۔

مولانا محمد الیاس صاحب فراغت کے بعد کوئٹہ (تملنا ڈو) ہی میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، انہوں نے حضرت الاستاذ قدس سرہ کی یا د میں ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا ہے۔ جس کا نام ”دارالعلوم نصیریہ“ ہے۔ اس مدرسہ میں فی الحال ناظرہ و حفظ، دینیات اور ابتدائی عربی کی تعلیم کا نظم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے فضل سے اس کو قبول فرمائے! اپنے فضل سے اللہ اسے قبول فرمائے۔

اسانید عالیہ

حدیث میں آپ کا سلسلہ اسناد:

برصغیر ہند میں علم حدیث کے جس قدر سلسلے مروج اور موجود ہیں۔ تقریباً ان سب کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ہوتا ہے، اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو ”مسند الہند“ کہا جاتا ہے۔

غیر منقسمہ ہندوستان میں ”کابل“ سے لے کر ”کنیا کماری“ تک دینی علوم کا جو کچھ ذوق ہے، وہ سب اسی گھرانے کا فیض ہے، ایک غیر ہندوستانی عالم کا بیان ہے کہ: اسے سارے ہندوستان سیاحت میں حدیث کا کوئی بھی ایسا عالم نہیں ملا جو حضرت شاہ عبد العزیز کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ کا شاگرد نہ ہو۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۱: ص ۹۲)

اکابر دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ اسناد میں بھی آپ ہی کی ذات والا صفات مدار و مرجع ہے۔

شاہ صاحب کا خاندان اپنے علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے لحاظ سے دہلی میں بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا، شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ”فتاویٰ عالمگیری“ کے مصنفین میں سے ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کی اور پندرہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کی۔ شاہ صاحب کا سلسلہ اسناد اپنے والد ماجد کے واسطے سے علامہ جلال الدین محقق دوانی (متوفی ۱۲۸۸ھ) تک پہنچتا ہے۔ اس زمانے میں ہندوستان کے نصاب میں معقولات کا عنصر غالب تھا، اسی لئے علم حدیث کی تکمیل اور سند روایت کے لئے شاہ صاحب نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں شیخ ابوطاہر مدنی اور دیگر نامور مشائخ سے صحاح کی قرأت و روایت حدیث کی سند حاصل کی اور پھر ہندوستان آکر اس مبارک فن کی ایسے وقت میں خدمت کی جبکہ یہ مبارک فن عالم اسلام کی درسگاہوں میں انحطاط و زوال کے آخری درجہ پر پہنچ چکا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب کا سلسلہ حدیث مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ تک کئی طرق سے پہنچتا ہے، جس کی تفصیل حسب

ذیل ہے:-

پہلا سلسلہ حدیث:

آپ کے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، ان کے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، وہ شاگرد ہیں

حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے اور وہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے اور وہ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے اور وہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اور وہ اپنے والد محترم مُسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے۔

دوسرا سلسلہ حدیث:

آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے، ان کو یہ اجازت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے حاصل تھی، ان کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے، ان کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے، ان کو شاہ ابوسعید دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ سے اور ان دونوں بزرگوں نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے پڑھا اور انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے پڑھا۔

تیسرا سلسلہ حدیث:

روایت حدیث کی آپ کو یہ اجازت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نور اللہ مرقدہ سے ہے، ان کو حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے، ان کو تین مشائخ سے اجازت حاصل ہے۔ حضرت الشیخ المقری عبدالرحمن صاحب پانی پٹیؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ، اور حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ قدس سرہ سے، ان تینوں حضرات کو حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے اور انہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں

چوتھا سلسلہ حدیث:

حضرت کے استاذ محترم حضرت مدنیؒ اور ان کے استاذ جلیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، ان کو اجازت دی حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ نے اور وہ شاگرد ہیں حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے اور وہ مولانا رشید الدین صاحب کے اور وہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے۔

پانچواں سلسلہ حدیث:

آپ نے پڑھا حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ قدس سرہ سے اور انہوں نے حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے، انہوں نے اجازت حاصل کی حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ سے، ان کو اجازت ملی حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ سے، ان کو شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ سے ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اور انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

چھٹا سلسلہ حدیث:

آپ کو روایت حدیث کی اجازت حافظ عبدالرحمن صاحب امر وہوئیؒ نے دی، ان کو اجازت دی حضرت الامام مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے، اور ان کو شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے، اور آپ نے حضرت شاہ محمد اسحاق احمد صاحب دہلویؒ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔

ساتواں سلسلہ حدیث:

آپ کو حافظ عبدالرحمن صاحب امر وہوئیؒ سے اجازت حدیث حاصل ہوئی، ان کو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اور ان کو اپنے والد محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے۔

نوٹ: آپ کی یہ سند بہت عالی ہے، صرف دو واسطوں سے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ تک پہنچ رہی ہے، آپ کے دور آخر کے معاصرین میں کوئی اس قدر عالی سند کا حامل نظر نہیں آتا۔

آٹھواں سلسلہ حدیث:

آپ کو شرف تلمذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے حاصل ہے اور ان کو حدیث کی اجازت حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی سے حاصل ہوئی، ان کو حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی سے اور ان کو شاہ عبدالغنی صاحب مجردی سے۔

نواں سلسلہ حدیث:

آپ کے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ ہیں۔ ان کو اجازت روایات حاصل ہوئی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری سے۔ ان کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے، اور وہ شاگرد رشید ہیں حضرت شاہ عبدالغنی مجردی کے۔ اسی طرح مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کو شیخ عبدالقیوم بڈھانوی اور مولانا مظہر نانوتوی سے شرف تلمذ حاصل ہے اور ان دونوں حضرات کو شاہ محمد اسحاق صاحب سے.....

دسواں سلسلہ حدیث:

آپ نے حدیث پڑھی حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے۔ ان کو روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے۔ ان کو حضرت مولانا مظہر نانوتوی سے۔ ان کو حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے۔ ان کو شیخ رشید الدین خان صاحب سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے.....

گیارہواں سلسلہ حدیث:

حدیث میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو اجازت حدیث حاصل ہے شیخ حسب اللہ الشافعی المکی اور شیخ عبد الجلیل المدنی اور شیخ عثمان عبدالسلام ممقنی الحنفیہ اور شیخ سید احمد برزنجی سے۔ ان سب کو اجازت حاصل ہوئی شاہ عبدالغنی مجردی سے.....

بارہواں سلسلہ حدیث:

آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی طرف سے آپ کو اجازت حدیث حاصل ہوئی۔ ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کی طرف سے۔ ان کو اپنے استاذ محترم حضرت الامام النانوتوی کی طرف سے اور ان کو شاہ عبدالغنی مجردی سے..... والسند تمامہ الی الشاہ ولی اللہ.....

اجازت نامہ

از: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاجازة المسندة لسائر الكتب والفنون المتداولة

مسندات المحامد العالیة لا تعتمد الاعلیہ و مسلسلات المدائح الفاتحة لا تتواتر الا الیہ ، اجازنی الخلائق بنعمہ الہی لا تحصى طر قہا فہم عن اداء تشکراتہا ضعفاء عاجزون و انباء المسلمین بمتون الاحادیث الدینیة فہم لدى فقہہا و الروایات واقفون صحاح صلواتہ الغریبہ لم تدر الاحول مرکز النبوات و سنن تسلیماتہ العزیزة لم ترفع الا الی عرش مفخر الرسالات ، اللہم فادم دیم رحمۃک المشہورۃ ہطالة علی آحاد امتہ و ائمتہم فی الروایۃ و الرویۃ و علی المجتہدین منہم سیما من نال الدین القویم من الشریا الدریۃ أما بعد:

فقد استجازنی الأخ فی اللہ نصیر أحمد بن عبد الشکور خان بلند شہری عن کتب السنن المتداولة وما تجوز لی روايته من کتب الأصول والفنون الفرعية بعد ما قرأ لدى بعض الأمهات الست الحديثية ولم یکن ذلك منه الا بظنه الحسن فانی لست من فرسانها ولا رجا لتها السنية فقد استسمن ذا ورم ونفخ فی غیر ضرم فالج علی الحاحا غیر معتاد والجانی الی اسعاف ما اراد ولما لم اجد بدا استخرت اللہ تعالی ثم اجزته بالصحاح الست و غیرها من المنقول والمعقول واسفار الفروع والأصول حسماً اجازنی بها الائمة الفحول أجلهم وامجدهم بدر المحققین وامام أهل المعرفة والیقین العارف باللہ شیخ الہند مولانا أبو میمون محمود الحسن العثماني الديوبندی موطناً والحنفی مسلکاً والجشتی النقشبندی القادری السهروردی مشرباً (قدس اللہ سرہ العزیز) عن ائمة اعلام أجلهم مولانا شمس الاسلام والمسلمین العارف باللہ مولانا أبو أحمد محمد قاسم العلوم والحکم النانوتوی موطناً الحنفی مسلکاً الجشتی النقشبندی القادری السهروردی مشرباً وحضرة شمس العلماء العاملين امام أهل المعرفة والیقین أبی مسعود رشید أحمد الحنفی الکنگوهی الجشتی النقشبندی القادری السهروردی مشرباً رحمہما اللہ تعالیٰ وهما قد أخذوا سائر الفنون والکتب الدرسية خلا علم الحديث عن ائمة اعلام أجلهم مولانا الثبت الحجة أبی یعقوب مملوک العلی النانوتوی الحنفی والمفتی صدر الدين الدهلوی قدس اللہ اسرارہما و غیرہما من اساتذة الفنون بدہلی المعاصرین لہما عن ائمة اعلام أجلهم مولانا رشید الدين الدهلوی عن الامام الحجة مولانا العارف باللہ الشاہ عبد العزیز الدهلوی الحنفی قدس اللہ سرہ العزیز ح ویروی الشمسان المؤمئی الیہما سابقاً کتب الحديث والتفسیر قراءة واجازة عن ائمة اعلام أجلهم شیخ مشائخ الحديث الامام الحجة العارف باللہ الشیخ عبد الغنی المجددی الدهلوی ثم المدنی وعن الشیخ أحمد سعید المجددی الدهلوی ثم المدنی ومولانا أحمد علی السہارنفوری قدس اللہ اسرارہم کلہم عن الشہیر فی الآفاق مولانا الامام الحجة محمد اسحاق الدهلوی ثم المکی قدس اللہ سرہ العزیز عن جدہ أبی أمہ امام الائمة العارف باللہ مولانا الشاہ عبد العزیز الدهلوی قدس اللہ سرہ العزیز عن امام الائمة فی المعقول والمنقول مرکز دوائر الفروع والأصول مولانا العارف باللہ الشاہ ولی اللہ الدهلوی النقشبندی واسانیدہ الی المحقق الدوانی والسید الجرجانی والعلامة التفتازانی قدس اللہ اسرارہم مذکورة فی القول الجمیل و غیرہ وكذلك اسانیدہ الی اصحاب السنن ومصنفی کتب الحديث مذکورة فی ثبته وكذلك فی اوائل الصحاح الست ح ویروی حضرة مولانا الشاہ عبد الغنی الدهلوی المرحوم سائر الکتب سیما الصحاح الست عن الامام الحجة محمد عابد الانصاری السندی ثم المدنی صاحب التصانیف المشہورة واسانیدہ مذکورة فی ثبته المسمر بحصر الشارد فی اسانیدہ الشیخ محمد عابد وكذلك فی ثبت الشیخ عبد الغنی المشہور بالیانع الجنی ح ویروی شیخنا العلامة شیخ الہند المرحوم عن العلامة محمد مظهر النانوتوی ومولانا القاری عبد الرحمن الفانی فتی المرحوم کلاہما عن العارف باللہ الشیخ محمد اسحاق المرحوم ح واروی هذه العلوم والکتب عن الشیخ الأجل مولانا عبد العلی قدس اللہ العزیز اکبر المدرسین فی مدرسة "مولانا عبد الرب" المرحوم بدہلی وعن الشیخ الأجل مولانا خلیل احمد السہارنفوری ثم المدنی کلاہما عن ائمة اعلام سیما الشمسان المؤمئی الیہما ح واروی عن مشیخة اعلام من الحجاز اجازة وقراءة لأوائل بعض الکتب أجلهم شیخ التفسیر حسب اللہ الشافعی

المکی ومولانا عبد الجلیل برادة المدنی ومولانا عثمان عبد السلام الداغستانی مفتی الاحناف بالمدينة المنورة ومولانا السید احمد البرزنجی مفتی الشافعية بالمدينة المنورة رحمہم اللہ تعالیٰ وارضاءہم وأوصی الأخ نصیر أحمد المؤمئی الیہ

ونفسی بالتقویٰ فی السر والعلن وترك الفواحش مظهر منها وما بطن عاضا بالنواجذ علی ما كان علیه السلف الصالحون
 وائمة السنة والجماعة المتقنون و أن يجعل تقوی الله تعالی نصب عینیه خائفا عن القیام یوم المحشر بین یدیه وأن یرض عن
 الدنیا الدنیة ولذاتها صارفا انفس عمره العزیز فی طاعات الله تعالی وذكره فی غدواتها وروحاتها وان لا ینسانی ومشایخی
 الکرام عن الدعوات الصالحة فی خلواتها وجلواتها وصلى الله تعالی علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله وصحبه وسلم .
 قاله بلسانی ورقمه ببنانه افقر العباد الی عفوره الصمد العبد المدعوبین الانام ب ”حسین أحمد“ غفرله ولوالديه ومشائخه
 الرؤوف الأحد خادم العلوم الدینیة بدارالعلوم دیوبندیة فی ٢٤ / من شعبان ١٣٧١ هـ من هجرة من له العز والشرف علیه
 وعلى آله وصحبه الصلوٰة والسلام.



پانچواں باب

بیعت و سلوک

اور حضرت شیخ الحدیث



بیعت و سلوک اور حضرت شیخ الحدیث:

سلوک و تصوف اکابر دیوبند کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہریہ میں ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے تو دوسری طرف تصوف و سلوک کے ائمہ جنید و شبلی اور بایزید بسطامی کے قدم بقدم تھے۔ ان اکابر نے سلوک و تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتا دیا کہ یہ مبارک فن درحقیقت قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے۔ بعد زمانہ کی بنیاد پر جو رسوم و بدعات اس مبارک فن میں شامل ہو گئی تھیں ان حضرات اکابر نے ان سب کو چھانٹ دیا۔ اسی طرح بعض ناواقفوں نے غلو یا جہالت کی وجہ سے اس فن شریف کو ظاہر شریعت کا مقابل نہیں تو علیحدہ ضرور بنا دیا تھا۔ ہمارے اسلاف نے اس نظریہ کی تردید کر کے حقیقی تصوف سے لوگوں کو روشناس کرایا، یہ امت پر ان کا بہت بڑا احسان تھا۔

اسلاف دیوبند میں سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی خود نوشت سوانح (آپ بقی) میں اس مضمون کو بہت وضاحت سے لکھا ہے۔ انہوں نے بہت صفائی سے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ ہمارے اسلاف نے تصوف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا اور انہوں نے اپنے تمام اقوال و افعال سے اس بات کا ثبوت بھی دیا کہ سلوک و تصوف قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ اور انہیں دونوں کا وہ عطر اور مغز ہے اس کی تفصیل حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ نے اس طرح رقم فرمائی ہے:

”حقیقی تصوف جس کا دوسرا نام ”احسان“ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے دریافت کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ شریعت ہی کی روح اور مغز ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے اس سوال پر کہ ”احسان“ کیا چیز ہے؟ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد نے ”ان تعبد اللہ کأنک تراه“ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے، احسان کے معانی اور تصوف کی حقیقت واضح کر دی۔

مذکورہ بالا عبارت میں تصوف کی اصل اور بنیاد اور اس کا حقیقی ماخذ متعین فرما کر آگے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ:

”عنوانات اس کے تو جو بھی اختیار کر لئے جائیں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے“

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہ تو حقیقت ہے، اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات، ریاضات یہ حضرات تجویز کرتے ہیں، وہ حقیقت میں سب علاج ہیں۔ چونکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے اتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراضِ ردیہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، جیسا کہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امراض کے لئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی دوائیں تجویز کرتے ہیں اسی طرح سے روحانی اطباء قلبی امراض کے لئے ہر شخص کے حال کے موافق اور ہر زمانے کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں۔

تصوف کی تعریف:

علمائے تصوف نے تصوف کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ:

”وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں، جس کی غرض ابدی سعادت کی تکمیل ہے“

اس تعریف سے بھی یہ بات بہت آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ تصوف و سلوک درحقیقت شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے کیونکہ نفوس کا تزکیہ اخلاق کا تصفیہ برائے ظاہر و باطن نیز نفس کو اعمالِ دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا، یہ سب امور مقاصد شریعت ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شی کی کتاب و سنت کے عین مطابق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے۔

تصوف کی حقیقت :

سلوک و تصوف کی حقیقت کے متعلق سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی تحریر سے ایک اقتباس اور نقل کیا جا چکا ہے۔ اسی مضمون کو قدرے وضاحت سے آپ بقی صفحہ نمبر ۲۵۸ ج: ۶ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے جس سے تصوف کی حقیقت مکمل طور پر واضح ہوگئی ہے، لکھتے ہیں کہ:

”غرض ہم جس تصوف کے اثبات کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاح شرع میں ”احسان“ کہتے ہیں، جس کو ”علم الاخلاق“ کہا جاتا ہے یا ”تعمیر الظاہر والباطن“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ باطن اور با اصول چیز ہے۔ اس میں مریدین کے لئے بھی شرائط ہیں اور شیخ کے لئے بھی اصول و آداب ہیں، جن کی رعایت کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور لب لباب کہنا بجا ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں آگے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ”تفہیمات الہیہ“ سے ایک طویل عبارت کا ترجمہ تحریر فرماتے ہیں جس میں حضرت شاہ صاحب دہلوی نے ان خصوصی تین امور کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی دعوت دینے پر آپ خصوصی اہتمام فرماتے تھے، حضرت شاہ صاحب دہلوی کی مترجم عبارت ملاحظہ ہو:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی دعوت دی؛ ان میں سب سے مہتمم بالشان تین امور ہیں:

(۱) تصحیح عقائد

جس کا ذمہ علمائے امت کے اہل اصول نے اٹھایا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی مساعی کو قبول فرمائے!

(۲) اعمال کا صحیح طور پر ادا کرنا اور سنت کے موافق ان سب کو ادا کرنا۔

اس فن کو امت کے فقہاء نے اپنے ذمہ لیا ہے؛ جن کی کوشش سے اللہ جل شانہ نے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ فرقوں کے اعمال کو راہ

راست پر لائے۔

(۳) اخلاص و احسان کی تصحیح۔ جو اس دین کی اصل ہے، جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے اخلاص و احسان کی آیات و احادیث تحریر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ تیسرا جز شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے، جملہ شرائع کے مقابلے میں۔ بمنزلہ روح کے ہے، بدن کے مقابلے میں

اور اس کا تکفل صوفیہ نے کیا ہے کہ انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی۔ خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے

حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاص و احسان ایسی عظیم چیزیں ہیں کہ علوم و اعمال کی ان کے بغیر حیثیت باقی نہیں رہتی۔ حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی قدس سرہ نے تذکرۃ الرشید میں تصوف کی حقیقت اور اس کی ضرورت پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے؛ تحریر فرماتے ہیں کہ: سلوک نام ہے ”تعمیر الظاہر و الباطن“ کا یعنی اعضائے ظاہرہ اور قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شائے کی اطاعت اور خدمت میں مشغول رکھنا بایں طور کہ ہادی عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس درجہ خواہ عادت پڑ جائے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے، تکلف کی حاجت نہ رہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شی نہیں، یہی ایمان جس کا ہر مسلمان مدعی ہے۔ اصل سلوک ہے؛ بشرطیکہ اس کی اصلیت اور حلاوت قلب کو عطا ہو جائے۔ یہی شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے۔ اصل درویشی اور طریقت ہے مگر اس وقت جبکہ اعضاء سے متعدی ہو کر قلب تک پہنچ جائے، اور عمل و اکتساب قلبی انس و تعلق کا ثمرہ بن جائے۔ ایک بیمار شخص جس کو مطلق بھوک نہ ہو، طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے مگر جبراً قہراً تاکہ طاقت بنی رہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی و صحت تامہ صادق اشتہاء پر غذا کھا رہا ہے۔ غذا کھانے میں دونوں برابر ہیں مگر ایک جبراً و کراہت سے کھا رہا ہے اور دوسرا رغبت و اشتہاء سے۔ اسی طرح عام آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفیس کو مجبور بنا کر اور صاحب نسبت ولی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں وجہ کہ دل کا تقاضا اس طاعت میں مشغول ہونے پر اس کو مجبور کر رہا ہے۔ اسی صحت کاملہ کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی ہے اور اس روحانی غذا کا جس کو شریعت کہا جاتا ہے، سچا خواہشمند اور شیدائنا دیتا ہے۔

تصوف کی حقیقت امام ربانی کی ایک تحریر کی روشنی میں:

مولانا میرٹھی قدس سرہ نے ”تذکرۃ الرشید“ میں تصوف کی حقیقت اور اس کی ضرورت وغیرہ امور پر طویل کلام فرمانے کے بعد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی کی ایک تحریر نقل فرمائی ہے؛ جس میں حضرت والا قدس سرہ نے چند سطروں میں ان تمام مباحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے جو طریقت کے مبارک فن میں ہزار ہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کئے ہیں۔ حضرت والا کی یہ تحریر عربی میں ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

صوفیہ کا علم نام ہے علم دین کے ظاہر و باطن اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے، تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق ہیں۔ حسب فرمان خدا تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو، اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے: اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے کہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ تکلف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا۔ غیظ و غضب کا چھوڑ دینا۔ ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح کا دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ، جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ سخاوت کرنا۔ درگزر اور خطا کا معاف کرنا۔ خندہ روئی اور بشارت جسم، سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔ تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا۔ خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔ بغض، حسد، کینہ نہ رکھنا۔ عزت و جاہ کا خواہش مند نہ ہونا۔ وعدہ پورا کرنا۔ بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا۔ اغیار سے علیحدہ رہنا۔ محسن کی شکر گزاری، جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ شرم اور اجلا و ہیبت کے سبب بد

(تذکرۃ الرشید ج: ۲ ص: ۱۲)

تصوف و سلوک کی حقیقت کے بارے میں امام ربانیؒ کی جامع و مختصر تقریر :

آپ نے فرمایا کہ ”تمام اذکار و اشغال و مراقبات وغیرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت میسر رہے۔ بعض نے اس حضوری کے بھی دو درجے کر دئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسم ذاتِ خلیلہ میں قائم ہو جائے، پھر اسم سے مسمیٰ کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے، یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا، اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقشِ خلیلہ پر نہ پڑے۔ مثلاً باہر نکلو تو گھونگھٹ کر کے نکلو کہ کسی کو دیکھو گے تو اس کی صورت کا نقشِ خلیلہ کو کند کر دیگا جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ میں ہوں بس ایسا ہی علم حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہئے۔ پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کے چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جائے مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلے کے بزرگوں نے یہ طریقہ پسند کیا ہے کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔ اخلاقِ سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے پھر ان دسوں کا خلاصہ تکبیر کو بتایا ہے کہ اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ ایک دن عرض کیا کہ حضرت اتنی مدت میں مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے۔ فرمایا کہ اچھا ایک کام کرو! اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا اسے ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو جوتا مارے گا تو دو دوں گا۔ اسی طرح کرتے جاؤ! جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی ہو جائے تب میرے پاس آؤ! اس شخص نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ حضرت جنید نے فرمایا یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو صدق دل سے پڑھ لے تو واللہ مومن ہو جائے مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا۔ جانکل جا! تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ میاں! درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت! جو نعمت آپ سے ملے گی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا۔ شیخ نے کہا بس! اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی سے پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے۔ اس بیہودہ خیال کو جی سے نکال دو! اور یوں خیال کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں ان کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے۔ پس اس امید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے۔ ان کی نیت میں فساد ہے۔ کیسا نفع؟ کہاں کا اجر؟ یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ ناک، یہ زبان، یہ جو اس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں۔ پہلے ان کے شکر یہ سے تو فراغت ہو لے! تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے!

حافظ زاہد حسن صاحب نے اس موقع پر سوال کیا کہ حضرت جیسا کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھے تو بس کافی ہے اور کچھ اس کے واسطے ضروری نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس فرائض اور سنن مؤکدہ اور اللہ کا ذکر کرنا ہی زندگی کا فائدہ ہے؟ باقی تمام نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر کسی سے بجزو قلب نہ ہو سکے زبان ہی زبان تک رہے تاہم فائدے سے خالی نہیں۔

(تذکرۃ الرشید ج: ۲ ص: ۱۳)

راہ تصوف میں بیعت اور اس کا شرعی ثبوت

بیعت کی تعریف:

شریعت کی کسی بات کے لئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو سرانجام دیں گے خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص بات کا عہد لیا

جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے موقعوں پر اللہ کے حکم سے اس امر کو انجام دیا ہے صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار طرح کی بیعت کی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) بیعت اسلام

اللہ کے نبی لوگوں کو دین اسلام میں داخل کرنے اور کفر و شرک سے توبہ کے لئے یہ بیعت لیا کرتے تھے۔ اس کی مثال بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ ہے۔

(۲) بیعت جہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت صحابہ کرامؓ سے عہد لیا تھا کہ اگر دشمن سے مقابلہ کی نوبت آئے تو بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے، دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ یہ بیعت جہاد تھی۔ ارشاد باری ہے:

”لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة“

بالتحقيق اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ یہ بیعت اللہ کو بہت پسند آئی اسی لئے اللہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ارشاد فرمایا کہ:

”ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله . يدالله فوق ايديهم“

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

(۳) بیعت ہجرت

اللہ کی راہ میں ہجرت پر بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حضرت حارث بن زیاد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ میں یوم خندق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ہجرت پر بیعت لے رہے تھے۔ میرا گمان ہوا کہ یہ موجودہ بیعت پر بلائے جا رہے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے بھی ہجرت پر بیعت لے لیجئے! فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے چچیرے بھائی ”حوط ابن یزید“ ہیں یا یزید ابن حوط، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بیعت نہیں لیتا۔ لوگ تو تمہاری طرف ہجرت کر کے آتے ہیں۔ لوگوں کی طرف ہجرت کر کے نہ جاؤ گے!

(۴) بیعت توبہ یا بیعت طریقت:

امت کی تعلیم کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات صحابہ کرامؓ سے بعض گناہوں کے نہ کرنے پر بیعت لی ہے۔ یہ بیعت طریقت ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبادہ ابن صامت کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس کو بخاری و مسلم دونوں میں تخریج کیا گیا ہے۔ روایت یہ ہے:

”عن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وحوله عصابة من اصحابه ، بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تنزوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولا تعصوا في معروف فمن وفى منكم فاجره على الله ومن اصاب من ذلك شيئا فعوقب به فى الدنيا فهو كفارة له ومن اصاب من ذلك ثم ستره الله عليه فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبايعنا ه على ذلك (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (جس موقع پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت) آپ کے صحابہ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے (آپ نے ان سے کہا مجھ سے بیعت کرو اس چیز پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اور کوئی بہتان نہیں باندھو گے جس کو اپنی طرف سے گڑھو اور کسی معروف چیز میں نافرمانی نہیں ہوگی پس جو اس عہد کو پورا کریگا اس کا اجر اللہ پر ہوگا اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کرے اس کو دنیا میں سزا مل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور

جو شخص اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے تو اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے چاہے معاف کر دے اور چاہے اس کو سزا دے۔

امت کے کچھ افراد بیعت طریقت کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیعت طریقت یا بیعت اصلاح کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے بیعت علی الاسلام یا بیعت علی الجہاد ثابت ہے۔ آج کل بزرگوں کے یہاں جو بیعت اصلاح رائج ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا وہ بدعت ہے۔ حدیث مذکور سے ان حضرات کے اس غلط خیال کی کھلم کھلا تردید ہوگئی۔ کیونکہ حدیث مذکور میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت اسلام ہے اور نہ بیعت جہاد۔ کیونکہ وہ سب حضرات پہلے سے مسلمان تھے۔ اسی طرح اس میں جہاد کا تذکرہ تک نہیں ہے بلکہ صاف صاف یہ بیعت اعمال یا بیعت اصلاح ہے جو ہر دور میں مشائخ کے یہاں معمول بہ رہی ہے، لہذا اس کو بدعت کہنا نری جہالت ہے۔

بیعت کی ضرورت عقل کی روشنی میں:

بیعت شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب، آدمی اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاح نفس کا مقصد حاصل کر سکتا ہے مگر چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ سے بیعت لی ہے اس لئے یہ سنت ہے اور کئی اعتبار سے یہ مفید ہے۔ کیونکہ اس سے فریقین یعنی شیخ اور مرید دونوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس مضبوطی کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں آسانی اور برکت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ روحانی معالج ہوتا ہے، باطنی بیماریوں کے علاج کے لئے اس کا قرب اس سے حسن ظن اور کامل محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں بیعت سے حاصل ہوتی ہیں اس لئے بیعت ایک ضرورت کی چیز ہے۔

سلوک و تصوف میں مرشد کی اہمیت و ضرورت اور اس کی پہچان:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”ظاہری اعمال اور ان کے مسائل سیکھنے کے لئے بھی عادتاً ستاذ کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر استاذ کے ایک کام بھی درست نہیں ہوتا لیکن اعمال باطنہ جن میں بعض فرائض و واجبات اور کچھ حرام و مکروہ ہیں، جو تصوف و طریقت میں بیان کئے جاتے ہیں ان کا علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے استاذ کی ضرورت اس سے زیادہ ہے۔ ان مسائل کے استاذ کو اصطلاح میں شیخ یا مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔ باطنی رذائل کو سمجھنا اور ان کا علاج کرنا عادتاً شیخ اور مرشد کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے جو شخص اس طریق میں قدم رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ شیخ و مرشد کی تلاش کرے۔ جب وہ مل جائے تو اس کی طرف رجوع کر لے اور اس کی تعلیم کا پورا پورا اتباع کرے۔ توبہ پر عمل کرنا شروع کریگا تو معلوم ہوگا کہ اس تکمیل میں بھی جگہ جگہ پیرومرشد کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کامل کی رہبری کے توبہ بھی مکمل ہونا مشکل ہے۔

(تسہیل قصد السبیل ص: ۱۹)

حضرت تھانوی قدس سرہ نے تذکیۃ اخلاق کے لئے مرشد کی اہمیت و ضرورت پر بڑے واضح انداز میں کلام فرمایا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ مرشد کامل کی پہچان اور علامتیں بھی سامنے آجائیں اس کے لئے حضرت اقدس مفتی محمد یوسف صاحب تالوی مدظلہ العالی کی ایک تحریر ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں کہ: ”اس کے عقائد قرآن و حدیث کے مطابق ہوں، اخلاق نبویہ کے ساتھ متصف ہو ضروریات دین کا علم رکھتا ہو، تبع سنت ہو، مال و جاہ کا لالچی نہ ہو، آخرت درست کرنے کی ہر وقت فکر ہو، مخلوق پر شفیق ہو، کسی کامل بزرگ کی صحبت اور تعلیم کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کی ہو اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد کیا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہو یعنی دنیا کی رغبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہو۔

(معارف تصوف مع سلاسل الذہب ص: ۱۳)

انتخاب مرشد اور بیعت:

دنیا میں جسمانی معالج کے انتخاب کے وقت دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں ایک مہارت فن اور دوسرے مناسبت مزاج۔ بالکل اسی طرح روحانی معالج

کے انتخاب میں بھی مہارت فن اور اوصاف ضروریہ کے ساتھ مناسبت مزاج کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ کو بچپن ہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے نہ صرف عقیدت بلکہ مزاج کے اعتبار سے بھی کامل مناسبت تھی۔ جب آپ کی عمر دس یا گیارہ سال کی تھی۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی تشریف لائے تھے۔ اسی دوران آپ کے دل میں حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت نے مرشد کامل تلاش کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضرت مدنی کی خدمت میں پہنچا دے! اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ دیوبند میں داخل ہو کر حضرت مدنی قدس سرہ کے شاگرد بھی ہوئے اور دست گرفتہ بھی۔

آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوتے ہی حضرت مدنی قدس سرہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم فرما چکے تھے۔ اس مقصد کے لئے آپ حضرت شیخ الاسلام کی مجالس میں ان کے فیض صحبت کو حاصل کرنے کے لئے برابر شریک ہونے کے ساتھ اطلاع احوال اور اتباع شیخ پر بھی عامل تھے۔ مگر باقاعدہ بیعت فراغت کے بعد کی۔ حضرت مدنی قدس سرہ سے آپ کو عقیدت پہلے ہی سے تھی۔ بیعت کے بعد عقیدت اور ترقی کر گئی اسی کے ساتھ شیخ کے ساتھ ربط قلب و لی کیفیت بھی آپ کو حاصل ہوئی جس کے متعلق صوفیاء کا کہنا ہے کہ ربط شیخ سے سلوک کا راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے۔ کہ برسوں اور سالوں کا کام ہفتوں اور دنوں میں ہو جاتا ہے اور شیخ کی توجہ باطنی سے طالب کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور یہ ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنی جلدی یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور کیا سے کیا ہو گئے۔

صحبت شیخ کی تاثیر :

گلاب کی صحبت سے مٹی بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔ اس سے لوگوں کو نہ صرف حیرانی ہوتی ہے بلکہ بہت سے احباب اس کی خوشبو سے مست ہو کر پکا راٹھتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے ☆ رسید از دست محبوبے بدستم
بد و گفتم کہ مشکى يا غيرى ☆ کہ از بوئے دل آویز تو مستم

ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھے خوشبودار مٹی ملی۔ میں نے اس سے کہا کہ: تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہو گیا ہوں۔ مٹی نے زبان حال سے جواب دیا:

بگفتا من گل نا چیز بودم ☆ لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد ☆ و گر نہ من ہما خاکم کہ ہستم

اس نے کہا میں وہی نا چیز مٹی ہوں، لیکن ایک مدت تک گلاب کی صحبت میں رہی ہوں۔ جمال ہمنشیں نے میرے اندر اثر کیا ہے۔ ورنہ میں وہی مٹی ہوں جو ہوں۔

جب مٹی گلاب کی صحبت کا اثر قبول کر کے خوشبودار بن جاتی ہے تو ایک طالب صادق، شیخ کامل کی صحبت سے کیوں خوشبودار نہیں بن سکتا چنانچہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ شیخ الاسلام حضرت مدنی کی بافیض صحبت سے مالا مال ہوئے اور آپ کی پر اثر صحبت سے بے شمار فیوض و برکات حاصل کیں۔ نیز اس صحبت کی تاثیر سے آپ کے اخلاق میں جو بلندی اور حسن پیدا ہوا، موت تک باقی رہا۔

اخلاق حسنہ (جن میں تواضع، رحم، نرمی، خوش خلقی، سخاوت، درگزر، خندہ روی، بشاشت، سہولت، تصنع اور تکلف کا ترک، توکل علی اللہ، قناعت، پرہیزگاری، ایفائے عہد، بردباری، دورانیشی، بغض، حسد اور کینہ سے کلیئہ صفائی شامل ہے) سے آراستہ ہونا راہ سلوک کا اہم مقصد ہے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کو اس مقصد میں مکمل کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور آپ تمام اخلاق حسنہ اور عمدہ اوصاف سے مزین تھے۔

اجازت و خلافت:

سلسلہ چشتیہ میں اولاً ذکر جہر یہ تلقین کئے جاتے ہیں پھر بالکل آخری مرحلے میں مراقبات، اذکار خفیہ تلقین کئے جاتے ہیں۔ جبکہ سلسلہ نقشبندیہ کا مزاج اس کے برعکس ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہ کے یہاں سالکین کی تربیت طریقہ چشتیہ کے مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی تربیت بھی اسی طریقہ تعلیم پر شروع کی گئی۔ مزاج میں مناسبت اور طلب صادق تو حاصل تھی ہی، اس لئے بہت تیزی سے اس راہ میں آگے بڑھے۔ سلوک کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد جب آپ مراقبات کے اسباق میں مشغول تھے تو آپ کے مرشد حضرت مدنی قدس سرہ آپ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اس صدمہ جانکاہ کا آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ آپ اس حادثہ کے بعد حد درجہ مغموم اور بے چین رہنے لگے، آپ حادثہ کے اثر سے اپنے آپ کو بے سہارا اور ٹوٹا ہوا محسوس کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی وفات کے بعد آپ کو قلبی تعلق اور دلی محبت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سے ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ مولانا مرحوم کے طحاوی شریف کے استاذ تھے۔ اس لئے استاذ سے عقیدت و محبت کے جو جذبات سعادت مند شاگردوں کے دلوں میں ہوتے ہیں، وہ آپ کو حاصل تھے، مگر جب مرشد کامل حضرت مدنی قدس سرہ وفات پا گئے تو حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ ہی آپ کی نگاہ میں بحیثیت مربی و مرشد ٹھہرے

حضرت حکیم الاسلام سے آپ نے رجوع کب کیا۔ اس کی صراحت تو کہیں نہیں ملتی البتہ حضرت حکیم الاسلام سے آپ کو جو مریدانہ اور مسترشدانہ تعلق رہا ہے اس کا ثبوت اور اس کی صراحت آپ ہی کی زبان سے درجنوں مرتبہ سننے کو ملی ہے

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کی دور بین آنکھیں اس دُور فرید اور جوہر گراں مایہ کی صلاحیت سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لئے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی مگر چونکہ اللہ نے آپ کو تواضع و انکساری میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ نے اپنی دیگر خوبیوں کی طرح اس خوبی اور کمال کو بھی پوری زندگی چھپایا۔

ایک روز اچانک آپ نے عصر کے بعد والی مجلس میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا اور ساتھ میں یہ تاکید بھی کر دی کہ دوسروں کو نہ بتانا! اس واقعہ کی تفصیل حضرت قاری شفیق الرحمن صاحب مدظلہ العالی کی ڈائری میں اس طرح منقول ہے لکھتے ہیں:

”آپ کو حضرت مدنی سے بے حد عقیدت تھی جس کا اظہار آپ اپنی مجلس میں اکثر فرماتے رہتے تھے۔ اور بیعت بھی حضرت ہی سے تھے۔ حضرت کی وفات ہو گئی اس کے بعد کسی سے رجوع کیا یا نہیں، اس بارے میں آپ ہمیشہ خاموش رہے۔ اچانک ایک روز معلوم کرنے پر آپ نے بتایا کہ مجھ کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آج تک ہم لوگوں کو معلوم نہ ہوسکا اور آپ نے کبھی اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ تو فرمایا کہ آج آپ کو بتا دیا ہے مگر آپ کسی سے کہیں گے نہیں! پھر فرمایا کہ میں نے آپ سے پہلے کسی کو بتایا نہیں ہے اور نہ آج تک کسی کو بیعت کیا ہے۔ اور فرمایا کہ بھائی میرا مزاج نہیں ہے یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں۔

(یادداشت از قاری صاحب مدظلہ العالی؛ بعنوان احوال ص: ۷)

نسبت کا فیضان :

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کو اپنے دونوں مرشدوں کی نسبت کا کامل فیض ملا تھا۔ جس کے اثرات آپ کی پوری زندگی میں نمایاں رہے۔ اسی نسبت کا فیضان تھا کہ آپ جہاں علم کے اتھاہ سمندر کے غواص تھے، وہیں عمل اور تقویٰ اور تعلق مع اللہ میں بھی بہت مضبوط تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور زندگی کے تمام شعبے اور نشست و برخاست اور آپ کی گفتگو اور آپ کے معاملات اور حسن معاشرت، عبادت، طہارت اور نیکی ان سب میں آپ کی عالی نسبت کا فیضان اور اس کا اثر مترشح تھا۔ نسبت ہی کا اثر تھا کہ آپ پر اکثر اوقات خشیت الہیہ کا غلبہ رہتا تھا۔ ہمہ وقت محبت الہیہ، معرفت الہیہ اور فکر آخرت کی باتیں آپ کی زبان فیض سے جاری رہتیں۔ چنانچہ آپ عصر کے بعد جو کچھ ارشاد فرماتے اس میں زیادہ تر اسی طرح کی باتیں ہوتیں۔ اس کا اندازہ

آپ کو کتاب میں موجود آپ کے ارشادات و ملفوظات کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائیگا۔ آپ کی ارشاد فرمودہ زیادہ تر باتیں اور حکایتیں، معرفت، حقائق، اللہ والوں کے قصے اور ناصحانہ حکایات پر مشتمل ہیں۔ آپ کو اپنے مرشد اول اور خصوصی مربی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے باعتبار تواضع کے نسبت اتحادی حاصل تھی۔ اسی لئے آپ کے بیشتر کمالات تواضع کے پردے میں چھپے رہے۔ آپ بہت بڑے تھے اور بہت کچھ تھے مگر کبھی بھی اپنے آپ کو نہ تو کچھ سمجھا اور نہ اوروں کو سمجھانے کی کوشش کی

تصوف کے تعلق سے آپ کا ایک گراں قدر ملفوظ :

تصوف کے تعلق سے حضرت تھانویؒ کی ایک کتاب بنام ”التکشف فی مهمات التصوف“ نئے حواشی اور تخریج احادیث کے ساتھ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی۔ حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا پھر فرمایا کہ: مسائل تصوف اور سلوک کے مدارج تو کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر ہی آتے ہیں۔ شیخ ہر ایک کے مزاج کے مطابق اس سے محنت کراتا ہے، مجاہدے اور ریاضتیں کراتا ہے، اس کی اچھی طرح گھسائی کراتا ہے۔ تب کہیں جا کر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں اعلیٰ اخلاق کا نام تصوف ہے۔ یہ محض کتابوں میں پڑھنے سے نہیں آتے۔ کتابوں میں پڑھنے سے تو بس اتنا ہوتا ہے کہ تصوف کا علم آ گیا ہے اور اس علم سے متعلق کچھ باتیں یاد ہو گئیں پھر انہوں نے کبھی ان مسائل کو بیان کر دیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ صاحب یہ بڑے صوفی اور بزرگ ہیں حالانکہ اس کو تصوف نہیں کہتے۔ یہ تو شیخ کامل کی خدمت ہی سے آتا ہے۔ اسی وجہ سے پہلے لوگ خوب مجاہدے کراتے تھے اور سالکین سے خوب محنتیں کراتے تھے۔ خدمت کے کام کراتے تھے، تاکہ خدمت خلق سیکھ سکیں اور پھر اللہ کے بندوں کی خدمت کریں۔ اور یہی حاصل تصوف ہے۔



چھٹا باب

آپ کے چند مشہور

اور نامور تلامذہ



حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ

حضرت مولانا کیرانویؒ حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا کیرانویؒ دارالعلوم کی ان تاریخی شخصیات میں سے ایک ہیں جو مردم گری اور افراد سازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا تعلق ”کیرانہ“ کے ایک ایسے گھرانے سے تھا جس میں کئی پشتوں سے علماء اور فضلاء کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ خود آپ کے والد محترم ایک جید اور صالح عالم دین تھے، مولانا کے والد محترم مولانا مسیح الزماں، قاضی مولانا محمد اسماعیل کے فرزند تھے، یہ سب حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

ولادت:

۱۷ فروری ۱۹۳۰ء کو آپ قصبہ ”کیرانہ، ضلع مظفر نگر، صوبہ یوپی“ کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کی دادی نواب قطب الدین صاحب مصنف مظاہر حق کی نواسی تھیں۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ جامع مسجد کیرانہ میں ہوئی۔ ۱۹۴۶ء میں بغرض تعلیم حیدرآباد گئے اور ایک سال قیام رہا لیکن تقسیم ہند کے المناک قضیہ کی بنا پر تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند آئے، مولانا نے دوران تعلیم اپنی تمام تر توجہ علم و عمل کے تقاضوں کو پورا کرنے پر رکھی، اسی لئے تعلیم کے دوران ہی آپ ممتاز طلبہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ عربی زبان و ادب کا ذوق شروع ہی سے تھا اس لئے زمانہ تعلیم میں بھی اس پر خاص توجہ رکھی، دوران تعلیم عربی زبان کی اشاعت کے لئے ”سلسلۃ الدروس العربیۃ“ کے نام سے اسباق لکھ کر آویزاں کرتے تھے اور طلبہ کو مشق بھی کراتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں آنے والے عربی مہمانوں کے استقبال اور سپاس نامے وغیرہ لکھنے کا کام آپ ہی انجام دیتے تھے، مختلف جلسوں میں عربی مقالے پیش کرنے کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں عربی کے تحریری کام بھی آپ انجام دیتے تھے۔

فراغت کے بعد:

فراغت کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانویؒ ”رئیس الاحرار“ کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ قدرت نے تصنیف و تالیف میں ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا جس کی بنیاد پر کئی اہم تصانیف ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۹ء تک تحریر فرمائیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-
”آخرت کا سفر نامہ، شرعی نماز، انسانیت کا پیغام، اچھا خاندان، تقسیم ہند اور مسلمان (مصنف: محمد احمد کاظمی مرحوم) کا عربی میں ترجمہ“ اور پھر اسی

زمانہ میں عظیم تخلیقی شاہکار اردو، عربی و کشتری جو ”القاموس المجدید“ کے نام سے معروف ہے منظر عام پر آئی، آپ کی یہ کتاب زبان و ادب عربی سے تعلق رکھنے والے تمام اہل علم کی ضرورت بن گئی ہے۔ آپ نے ”دار الفکر“ نام سے دیوبند میں ایک ادارہ بھی قائم فرمایا تھا جس کے تحت عربی اور انگریزی زبان کی کلاسیں جاری کی گئیں اور ماہنامہ ”القاسم“ بھی اسی ادارے سے جاری کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر :

۱۹۲۳ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ اور حضرت العلام محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت عربی مدرس تقرر کر دیا۔ دو سال بعد سہ ماہی مجلہ ”دعوة الحق“ کا اجراء عمل میں آیا تو آپ کو اس کی ادارت سپرد کی گئی۔ آپ کی بے پناہ تدریسی صلاحیتوں کے پیش نظر عربی زبان و ادب کے ساتھ حدیث کی دو مشہور کتابوں ”طحاوی شریف اور نسائی شریف“ کا درس بھی آپ کے سپرد کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران آپ کا ایک بڑا کارنامہ طلبہ میں عربی زبان و ادب میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے ”النسائی الادبی“ کے نام سے ایک عربی انجمن کا قیام ہے۔ اس انجمن سے ہر سال تقریباً تین سو طلبہ وابستہ ہو کر عربی زبان کی تحریری و تقریری مشق کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ کئی قلمی پرچے بھی اسی انجمن کے تحت نکالے جاتے تھے۔ ایک طویل عرصہ تک ”جمعیتہ علمائے ہند“ کی ورلنگ کمیٹی کے ممبر اور اس کے پندرہ روزہ عربی اخبار ”الکفاح“ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ جمعیتہ علمائے ہند کے توسط سے آپ نے ایک وفد کی سربراہی کرتے ہوئے متعدد عربی ممالک (سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارات وغیرہ) کا دورہ کیا۔ اس کے علاوہ جمعیتہ کے تصنیفی شعبے ”مرکز دعوت اسلام“ کے ڈائریکٹر بھی رہے، جس سے متعدد علمی و اصلاحی کتابیں شائع کی گئیں دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ کے عنوان سے جو تاریخی جلسہ کیا گیا تھا، اس کی تیاری کے لئے بنائی گئی تمام کمیٹیوں کا آپ کو امیر بنایا گیا تھا، چنانچہ بے شمار جدید تعمیرات، بوسیدہ اور مرمت طلب عمارتوں کی اصلاح و ترمیم اسی دوران آپ کے ذریعہ انجام پذیر ہوئیں۔

۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ میں تبدیلی آئی تو آپ کو کچھ عرصہ بعد ۱۹۸۳ء میں ناظم مجلس تعلیمی بنایا گیا اور اسی سال آپ نے ”ماریشش، انگلینڈ، مصر، پیرس“ کا سفر کیا۔ شوریٰ نے دیکھ لیا تھا کہ آپ انتظامی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں اس لئے ۱۹۸۵ء میں آپ کو معاون مہتمم بھی بنایا گیا۔ اس زمانے میں بہت سی نئی تعمیرات اور دفتری نظام میں اصلاح، طریقہ کار میں پھرتی اور تیز رفتاری اور نظام تعلیم میں چٹنگی جیسی بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں اور اسی دوران پندرہ روزہ ”آئینہ دارالعلوم“ کا اجراء کیا۔ ایک عرصہ بعد دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد ”دارالمؤلفین“ کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے نے نوجوان فضلاء دارالعلوم دیوبند کی علمی رفاقت و معاونت حاصل کر کے دو سال کے قلیل عرصہ میں تقریباً دو درجن کتابیں شائع کیں۔

۱۹۹۰ء تک آپ دارالعلوم دیوبند میں رجال ساز اور مردم گر معلم کامل کی حیثیت سے رہے، بعد ازاں آپ یکسو ہو کر ملی اور علمی کاموں میں مشغول ہو گئے چنانچہ آپ باتفاق رائے ”ملی جمعیتہ علمائے ہند“ اور ”مرکزی جمعیتہ علمائے ہند“ کے صدر منتخب ہوئے اسی درمیان آپ نے ایک ضخیم قاموس ”(القاموس اللو جبر)“ کے نام سے تالیف فرمائی۔ اس سے فارغ ہو کر مفتی شفیق احمد صاحب کی ”معارف القرآن“ سے اہم علمی و تحقیقی مباحث کو کئی جلدوں میں ”جواہر المعارف“ کے نام سے جمع فرمایا اور مشکوٰۃ شریف سے اخلاق و آداب و معاشرت پر مشتمل احادیث کا ایک قیمتی مجموعہ مرتب فرمایا۔

کمالات و اوصاف:

بعض لوگ متنوع کمالات اور اتنی مختلف خصوصیات کے حامل ہوئے ہیں کہ ایک چھوٹے سے مضمون میں ان کی خصوصیات اور کمالات کو سمیٹنا جو بے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کی فہرست میں مولانا موصوف کا بھی اسم گرامی شامل ہے۔

مولانا مرحوم کے عمدہ کمالات اور بے مثال خصوصیات کو نہایت مگر جامع الفاظ میں پرکشش اسلوب اور خوبصورت طرز ادا کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے استاذ محترم حضرت مولانا خلیل امینی صاحب نے انوکھے اور الیلے انداز میں تحریر فرمایا ہے، مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا کی زندگی پر (.....) محض طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی ہر کس و ناکس کو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ خدائی صنعت کی خاص دین تھے، خدائے حکیم نے انہیں تعلیم و تربیت کی دنیا میں ممتاز رول کی ادائیگی اور مدرسہ ماحول کی ہمہ گیر اصلاح اور انقلاب آفریں عمل کے انجام دہی کے لئے خلق کیا تھا، انہوں نے قدیم ماحول میں ہی تعلیمی سفر طے کیا؛ لیکن جدید ترین اداؤں سے جتنے وہ واقف تھے کہا جاسکتا ہے کہ خاص جدید ماحول کے پروردہ کو بھی شاید اتنی ہمہ گیر اور شمر آ و واقفیت نہیں ہوتی، وہ بیک وقت عبقری معلم جلیل القدر مربی، بے نظیر مصلح، مفید تر اور انوکھے موضوعات کے مصنف، ہنرمند قلم کار و قلم کار گر، نئے سمت کے صحافی و صحافی ساز، مدبر عالم، منتظم، ذمہ دار، لدنی انجینئر و آرکٹیکٹ، خوش نوا و پر جوش و سحر خیز مقرر اور فن کار و پرکار تعلیم یافتہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ماحول اور زمانے کے راویوں کو بہت دور تک بہت واضح طور پر دیکھ لیتے تھے؛ اسی لئے کام کا خاکہ بنانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے میں کسی ابہام کا شکار نہ ہوتے تھے نہ الجھاؤ کا۔ ان میں بے پناہ لینے کی صلاحیت تھی اور اس سے کہیں زیادہ دینے کی، جو لیتا نہیں وہ کیا دے سکتا ہے“ (پس مرگ زندہ، ص: ۶۰-۲۷)

حضرت مولانا کیرانوی طبعاً بہت سادہ اور کھلے دماغ کے آدمی تھے، وہ ظریف الطبع اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ حد درجہ سنجیدہ و باوقار بھی تھے، عالم اسلام کا یہ عبقری معلم عظیم محقق اور صاحب طرز ادیب ۱۵/۱۱/۱۹۹۵ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)



حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب :

دارالعلوم دیوبند کے نمایاں فاضل اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے تلمیذ رشید حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہ امت کے نہایت قیمتی سرمایہ تھے، وہ اپنی خداداد ذہانت اور فقہی بصارت کے حوالے سے برصغیر کے ممتاز علماء میں سے تھے، حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہ عالم بے بدل، مفتی لاثانی، حامل عدالت قاضی، سحر انگیز خطیب اور اعلیٰ درجہ کے قائد و مفکر تھے، آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالاحد صاحب؛ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کے اولین شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا عبدالاحد صاحب عال باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر طبیب بھی تھے۔ انہوں نے ۱۳۹۰ھ میں دیوبند سے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ کامیابی حاصل کی، کچھ دنوں حضرت تھانویؒ سے استفادہ کیا اور پھر ڈیڑھ سال تک حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں رہے آپ باقاعدہ طبیب بھی تھے، طبابت ہی کو آپ نے اپنا پیشہ بنایا اور دینی تعلیم و تدریس کو ہمیشہ حسب اللہ انجام دیا، ایسی باخدا اور صاحب علم شخصیت کے یہاں؛ حضرت قاضی صاحب ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں بڑے بھائی حضرت مولانا زین العابدین صاحب سے پڑھیں اور میزان الصرف اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھیں۔ والد محترم کی وفات کے بعد ”مدرسہ محمود العلوم، دملہ، ضلع مدھوبنی“ میں زیر تعلیم رہے۔ پھر ”مدرسہ امدادیہ، درجنگہ“ اور ”دارالعلوم مونا تھ بھنجن“ میں متوسط و ثانی تعلیم کے مراحل طے کئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے عالم اسلام کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک رہ کر بڑے بڑے اساتذہ علم و فن سے مکمل اور بھرپور علمی استفادہ کیا۔ بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی دیگر علوم و فنون کی کتابیں حضرت مولانا اعزاز صاحب، حضرت مولانا ابراہیم صاحب، حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی (صاحب مصباح اللغات)، مولانا محمد حسین صاحب بہاری، مولانا فخر الحسن صاحب، مولانا بشیر احمد خان صاحب، اور حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد ۱۳۷۴ء میں ”جامعہ رحمانیہ مونگیر“ میں آپ کا تقرر ہوا؛ یہاں تقریباً ۸ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۸۳ھ کو امارت شرعیہ کی نظامت اور قضاء کا عہدہ قبول کرتے ہوئے پھولاری شریف پٹنہ تشریف لائے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے سلسلے میں آپ حضرت حکیم

الاسلام اور حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمائی کے دوش بدوش رہے۔

۲۲ اپریل ۲۰۰۰ء آپ اس عظیم تنظیم کے صدر منتخب ہوئے۔ قاضی صاحب نے محسوس کیا کہ مغربی تہذیب کے غلبہ، جدید وسائل کی فراوانی اور مغربی تمدن سے تاثر کی وجہ سے بہت سے نئے مسائل امت کو درپیش ہیں؛ اس کے لئے انہوں نے ”فقہ اکیڈمی“ قائم کی۔ جس میں مسائل کے حل کے لئے علوم جدیدہ کے ماہرین سے مدد کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۸۹ء کو انہوں نے ”فقہ اکیڈمی“ کی بنیاد رکھی، جس کا پہلا فقہی اجلاس ۳ اپریل ۱۹۸۹ء کو ہمدرد یونیورسٹی کے سیمینار ہال میں منعقد ہوا۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہ نے گراں قدر علمی و تالیفی نقوش چھوڑے ہیں جو مقدار و معیار دونوں اعتبار سے غیر معمولی ہیں اور موت کے بعد کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

ان کی مشہور تالیف ”اسلامی عدالت“ ہے جو آپ کی علمی بصیرت، قاضیانہ فراست و پختہ ذہن کی آئینہ دار ہے، وہ عرصہ پہلے چھپ کر عام ہو چکی ہے، اس کا عربی ترجمہ ”نظام القضاء فی الاسلام“ کے عنوان سے بیروت سے شائع ہو کر عرب اہل علم حضرات سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اسی طرح ”قضایا فقہیہ معاصرہ، فقہ المشکلات، الذبائح، دراسیات فقہیہ، دراسیات علمیہ، بحوث فقہیہ اور الوقف“ کے عنوان سے کئی عدد کتابیں اردو سے عربی میں ترجمہ ہو کر عالم عربی میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ سخت بیماری میں جب کہ آپ بستر مرگ پر تھے ”صنوان القضاء“ نام کی عظیم فقہی کتاب کو چار جلدوں میں ایڈیٹ کیا، جو کویت کی ”وزارت اوقاف“ اور ”امور مذہبی“ کی طرف سے شائع ہوئی۔ اسی کے ساتھ آپ کی قلمی اور فقہی کاوشوں کو تحقیق کے ساتھ منظر عام پر لانے والا مجلہ ”بحث و نظر“ کا اجراء بھی آپ ہی کا مرہون منت ہے۔

جمعرات ۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴ اپریل ۲۰۰۲ء کو یہ آفتاب فقہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، تدفین ان کی سسرال ”مہدولی، ضلع در بھنگہ، بہار“ میں ہوئی۔ مختلف عہدے اور مناصب جو آپ کے ذمہ رہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

- ☆ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
- ☆ صدر و مؤسس اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
- ☆ صدر و مؤسس آل انڈیا ملی کونسل
- ☆ قاضی القضاة و نائب امیر شرعیہ، بہار و اڑیسہ و جھارکھنڈ
- ☆ صدر وفاق المدارس الاسلامیہ بہار
- ☆ صدر مولانا سجاد اسپتال امارت شرعیہ
- ☆ رکن فقہ اسلامک اکیڈمی مکہ مکرمہ
- ☆ اسپرٹ ممبر انٹرنیشنل، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ
- ☆ رکن مجمع علمی العالمی، دمشق
- ☆ رکن اعزازی الہیئة لأخیرية الاسلامیة العالمیة، کویت

قاضی صاحب اپنی صلاحیت، تواضع، خلوص و محبت اور مزاج کے توازن و اعتدال کی وجہ سے ہر حلقے کے محبوب تھے، ان کے معاصر علماء نے ان کو سراہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے ان کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز علماء کی ایک معتبر کڑی قرار دیا تھا؛ اسی طرح مولانا سید اسعد صاحب مدنی نے انہیں فقہ اسلامی میں منفرد شخصیت کہا تھا، اسکے علاوہ قریب قریب تمام ہی مکاتب فکر کے ترجمانوں نے آپ کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا۔



حضرت مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب بلند شہریؒ

شاگرد و خادم خاص حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

آپ کا اسم گرامی حبیب الرحمن ہے، والد محترم کا اسم گرامی عبدالرحیم صاحب جو آناب عبدالرحیم کے نام سے جانے جاتے تھے۔

۶ جون ۱۹۵۳ء میں بلند شہر کے مردم خیز علاقہ (اوپر کوٹ محلہ منیہاران) میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم آپ کی جامع مسجد بلند شہر کی ہے، یہاں کے قدیم استاذ جناب حافظ عبدالوحید صاحب مرحوم سے آپ نے ناظرہ قرآن پاک پڑھا، اس کے بعد فارسی و عربی کی کتب کالی مسجد بلند شہر کے مدرسہ قاسمیہ عربیہ بلند شہر میں پڑھیں۔ یہاں آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہنپوری بجنوری تھے۔ تقریباً شرح جامی تک کی تمام کتب آپ نے مولانا موصوف سے ہی پڑھیں، مولانا صدیق حسن صاحب مدرسہ کے صدر مدرس بھی تھے اور فارسی و عربی کی کئی جملہ کتب کے مدرس بھی۔

دارالعلوم میں داخلہ اور فراغت :

اس کے بعد آپ شوال ۱۳۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے یہاں کئی سال آپ کا قیام رہا اور ۱۹۷۱ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف اول حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ سے اور بخاری جلد ثانی حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ سے پڑھی۔

حضرت شیخ صاحبؒ سے خاص تعلق:

دیگر اساتذہ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا میاں اختر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا شریف الحسن صاحبؒ۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ، حضرت مولانا بہاری صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ وغیرہ بھی ہیں، تاہم مؤخر الذکر حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ کو غایت درجہ تعلق تھا اور ہر وقت کے آپ کے حاضر باش تھے، آپ کو مولانا سے انتہائی تعلق تھا اور بے حد اعتقاد اور تادم آخر یہ تعلق باقی رہا، مولانا درس کے دوران اکثر و بیشتر حضرت شیخ کا تذکرہ کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے، اسی وقت سے آپ کے شاگرد خاص حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب استاذ قرأت دارالعلوم دیوبند کو بھی مولانا سے غائبانہ تعلق ہو گیا تھا اور پھر دارالعلوم دیوبند آکر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی ایسی خدمت اور ایسا قرب نصیب ہو گیا جو آخری وقت تک رہا۔

مولانا قاری اور مقری بھی تھے :

دارالعلوم دیوبند میں دیگر علوم کے ساتھ مولانا نے تجوید و قرأت کا فن بھی سیکھا تھا۔ فن تجوید و قرأت میں آپ کے اساتذہ حضرت قاری سعید عالم صاحب مظفر ٹکڑیؒ، وقاری محمد نعمان صاحب ابن علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا قاری عتیق الرحمن صاحبؒ ہیں، مؤخر الذکر سے آپ نے قرأت سبعہ پڑھی ہے مولانا کی مشق بڑی عمدہ تھی، کئی عربی لہجوں پر آپ کو عبور تھا۔ ادائیگی میں اعلیٰ درجہ کا کمال تھا۔ نہایت خوش الحان بھی تھے، تلاوت ترتیلاً ہو یا حدروند ویر میں ہونماز میں ہو یا مجلس میں ہر حال میں آپ کی تلاوت ادائیگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھی۔

آپ عمدہ خطاط بھی تھے :

آپ بہت عمدہ اور بے نظیر کاتب بھی تھے، کئی مختلف خطوط اپنے اساتذہ سے سیکھے تھے ”خط ثلث، خط رقاع، خط دیوانی، خط کوئی، اور نستعلیق کے آپ ماہر تھے بہت عمدہ لکھتے تھے ان کی عام تحریر بھی نہایت عمدہ ہوتی تھی، تحریر دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ تحریر نہیں بلکہ موتیوں کی لڑی ہے، حروف کی نشست و برخاست عام تحریر میں بھی خوبصورت رہتی تھی غرض یہ کہ ہر علمی کمالات سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو نوازا تھا۔ خوش نویسی میں آپ کے خصوصی استاذ مولانا اشتیاق احمد صاحب علیہ الرحمہ تھے جو دارالعلوم میں شعبہ کتابت کے صدر تھے۔

تدریس کا آغاز:

فراغت کے بعد کئی سال تک آپ نے دہلی ”قصاب پورہ“ کی ایک مسجد میں امامت اور خطابت، تفسیر قرآن پاک کے فرائض انجام دئے، بہت سے طلبہ فارسی، عربی کی ابتدائی کتب اور مشق و تجوید میں بھی آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا صدیق حسن صاحب کے حکم سے بلند شہر آگئے اور تقریباً دس سال بلند شہر میں قیام رہا۔ ابتداءً ”کالی مسجد“ میں تدریس اور جامع مسجد میں امامت کی، پھر تدریس کا سلسلہ بھی جامع مسجد ہی میں شروع فرمایا۔ یہاں امامت اور خطابت کے ساتھ تفسیر قرآن کریم کا مبارک سلسلہ بھی جاری رکھا۔ عربی و فارسی کی کتب میں بھی طلبہ آپ سے برابر استفادہ کرتے رہے نیز مشق و تجوید کا بھی سلسلہ رہا۔ آپ ایک جید الاستعداد عالم تھے درس و تدریس کا انداز نہایت عمدہ تھا۔

اسی زمانے میں والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب نے بھی آپ سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ”ابتدائی مشق ترتیلاً، جمال القرآن، شرح جامی بحث فعل و حروف، شرح ابن عقیل، شرح تہذیب، قطبی، فقہ العرب، قدوری، ترجمہ قرآن پاک“ وغیرہ کتب پڑھیں۔

مولانا جسامت کے اعتبار سے ہلکے پھلکے آدمی تھے مگر کمالات بے شمار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، اخلاق و عادات بھی آپ کے بڑے عمدہ تھے، احباب سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے، آپ کو غصہ بھی بڑی شدت سے آتا مگر اس کے باوجود طلبہ اور شاگردوں پر شفقت اور مہربانیاں بھی بے شمار فرماتے تھے، طلبہ کو تو ہمیشہ حقیقی باپ کی سی شفقتوں اور عنایتوں سے نوازتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مشق کراتے وقت ایک آیت یا اس کے کسی جز کو بار بار بار پڑھکر سناتے، لہجہ بتاتے۔ طلبہ کی سمجھ میں لہجہ نہیں آتا تو مولانا ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ یوں فرمادیتے کہ آئندہ سمجھ میں آجائیگا۔

پھر دہلی ہی واپسی:

بہر حال تقریباً دس سال کے بعد پھر آپ دہلی تشریف لے آئے اور تادم آخر دہلی ہی میں قیام رہا۔ ”املی والی مسجد، گلی ایٹوری پر شاد باڑہ ہندوراؤ“ میں امامت اور خطابت، تفسیر قرآن پاک اور مسجد ہی سے متصل ”مدرسہ مصباح العلوم“ کی صدارت: یہ تھے آپ کے فرائض۔

کتب فارسی اور عربی اور تجوید میں بھی برابر طلبہ آپ سے استفادہ کرتے رہے، آپ عمدہ مقرر بھی تھے اس لئے دہلی کے بہت سے جلسوں میں بھی آپ کی تقاریر ہوتی تھیں، تقریریں مضامین بہت صاف اور سترے اور قرآن وحدیث سے مستفاد ہوتے۔ بڑی مہذب، شستہ، سلیس آپ کی تقریر ہوتی کہ سننے والا سنتا ہی رہ جائے۔ تقریر میں بھی آپ کا تلفظ اور حروف کی دایگی بہت صاف ستھری ہوتی تھی، کبھی کسی حرف کو جلدی ادا نہ کرتے۔ بلکہ پورے وثوق اور جماء کے ساتھ ادا کرتے بہر حال تقریر کا پورا مضمون متانت اور سنجیدگی کا مظہر ہوتا اور اسی طرح دو گھنٹے اور ڈھائی گھنٹے تک با آسانی کلام فرماتے رہتے تھے آپ کی تقریر میں ضرورت سے زیادہ جوش نہیں ہوتا تھا بلکہ طرز گفتگو میں ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے، تقریریں موضوع کی مناسبت سے سنجیدہ اور معتبر واقعات بھی گاہ بگاہ بیان فرماتے جو اثر انگیز ہوتے تھے۔

حضرت شیخ گوبھی شاگرد سے بہت محبت تھی:

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو بھی اپنے شاگرد مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ جب بھی آپ دہلی سے گذرتے تو مولانا کے مکان پر ضرور تشریف لے جاتے، کبھی دیوبند سے جاتے وقت تو کبھی واپسی کے وقت، اور اگر وقت تنگ ہوتا تو پھر مولانا کو ہی اطلاع کر کے بلا لیتے کہ گھر جا نے کا وقت نہیں ہے۔ یہیں آجائیں تو مولانا مع احباب ملاقات کے لئے جاتے اور راستے کے لئے حضرت کے لئے ضروریات خورد و نوش وغیرہ کی چیزیں پیش کر دیتے اور حضرت بہت خوشی کے ساتھ قبول فرما لیتے اور دعائیں دیتے، اسی طرح جب مولانا حضرت کے مکان پر تشریف لاتے تو حضرت بھی ان کی بہت تعظیم و توقیر فرماتے اور کئی کئی دن تک قیام کراتے، بڑی مشکل سے دو تین دن میں اجازت ملتی اور رخصتی سے قبل آئینکا وعدہ لیتے، جلدی آنے کے وعدے پر رخصت ملتی یہ معاملہ احقر نے خود اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے اور احقر کو بہت تعجب بھی ہوتا کہ کس قدر استاذ محترم کو اپنے شاگرد سے تعلق ہے۔

حضرت مولانا کا حفظ قرآن پاک:

مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب نے حفظ قرآن پاک بچپن میں نہیں کیا تھا، اس لئے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانے میں تھوڑا تھوڑا یاد کرتے رہے اور اس طرح بفضلہ آپ حافظ بھی ہو گئے اور دورہ حدیث کے اگلے سال آپ نے کئی علوم کی تکمیل بھی فرمائی۔ حفظ کی پختگی اور قرأت کی تکمیل اسی طرح تکمیلات کی بعض کتب اسی سال آپ نے مکمل فرمائیں۔ دہلی کے قیام کے دوران رمضان المبارک میں تراویح میں اور اسی طرح جہری نمازوں میں ترتیب کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے کا کئی سال آپ کا معمول رہا اور جب یہ نمازوں والا قرآن پاک ختم ہوتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرماتے، لوگوں کو مدعو فرماتے، جلسہ کرتے، ایک مرتبہ اس طرح کے موقع پر دیوبند سے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب بھی تشریف لے گئے اور عشاء کے بعد تقریر فرمائی۔

آخری عمر میں قرآن پاک کے ساتھ غیر معمولی شغف

وفات سے کئی سال قبل آپ کو دو مرتبہ ایک ہو چکا تھا۔ یوں تو آپ کو قرآن پاک کی تلاوت سے ہمیشہ ہی شغف رہا تاہم زندگی کے آخری چند سالوں میں اس میں کافی اضافہ ہو گیا تھا، رات کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تلاوت اور لمبی لمبی نوافل میں گزارتے۔ رات کا سونا کم کر دیا تھا، کبھی نماز میں کبھی بیٹھے بیٹھے اور کبھی ٹہلتے ٹہلتے تلاوت فرماتے تھے اور اہل خانہ کو تاکید کر کے سلا دیتے مگر خود بہت کم سوتے گویا اپنے رب حقیقی سے ملنے کے لئے انہوں نے کئی سالوں تک تیا ریاں کیں اور اپنی راتوں کو زندہ اور روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے! اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

وفات:

”کل نفس ذائقة الموت“ جو بھی دنیا میں آیا ہے اس کو جانا ہے۔ یہاں کوئی نہیں ٹھہرتا۔ انبیاء، اولیاء، اصدقاء، بادشاہ و وزیر و تاجر، امیر و غریب سب کو جانا ہے، جان تو جانی ہی ہے جا کر ہی رہے گی، موت تو آنی ہی ہے آ کر ہی رہے گی۔ مولانا کا بھی اجل مسمی، وقت مقرر آچکا تھا، پیمانہ زندگی لبریز ہو چکا تھا۔ ۲۲ جون جمعہ کی مبارک شب میں تقریباً ڈیڑھ بجے قرآن کی تلاوت کر کے آپ لیٹ گئے تھے آخری شب میں آپ کے قلب پر حملہ ہوا، جس کا صدمہ آپ برداشت نہ کر سکے اور اپنے رب کریم سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

پسماندگان:

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ صاحبہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں اللہ تعالیٰ سب کو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے اور دین پر استقامت نصیب فرمائے (آمین) اور مولانا علیہ الرحمہ کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین) بہت سے تلامذہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں احقر بھی مولانا کے خوشہ چینوں میں رہا ہے مولانا کے لئے ہمیشہ دعاء نکلتی ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنی جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے (آمین)





مولانا خورشید عالم صاحب

شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند

آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں جو دیوبند کا ایک قدیم علمی خاندان ہے، علم، عمل، سنجیدگی اور وقار اس خاندان کے خصوصی امتیازات میں سے ہے۔ کئی بڑے علماء و فضلاء جو بین الاقوامی شہرت کے حامل بنے۔ دیوبند کے اسی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی شفیع احمد صاحب عثمانی اور اب عالمی شہرت یافتہ عالم دین، پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی بھی اسی خانوادے سے ہیں۔

ان میں سے اول الذکر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانی دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں جبکہ حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانی دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم کے قدیم اور اولو العزم مدرسین میں سے تھے۔ مولانا خورشید احمد صاحب کے دادا محترم کا نام حضرت مولانا محمد منظور الحسن صاحب دیوبندی تھا۔ جو حضرت مولانا محمد یاسین صاحب والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب کے حقیقی بھائی تھے۔ اس اعتبار سے پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم آپ کے بہت قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ مولانا خورشید احمد صاحب ۱۹۳۶ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم والد محترم کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ کی مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ وقت کے اساطین علم اور موقر علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن میں سرفہرست شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، امام المعقول والمعتول حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب قدس اللہ سرار ہم ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں آپ کا شمار محنتی اور سنجیدہ طلبہ میں ہوتا تھا۔ استاذ کی نگاہ میں آپ معتمد تھے اس لئے آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمت تدریس کے لئے آپ کے اساتذہ عظام کے مشورہ سے منتخب کر لیا گیا۔ ایک طویل عرصہ تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ کم و بیش بیس سال تک غیر منقسمہ دارالعلوم میں آپ کی زریں خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب دارالعلوم وقف وجود میں آیا تو اس ادارہ کی تقویت، تاسیس اور ترقی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس سے پہلے کئی سال تک آپ نے دارالعلوم کراچی میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ پھر ۱۹۶۳ء میں جب آپ کے والد محترم کی وفات ہوئی تو آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر کیا گیا۔ اللہ نے آپ کو اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا۔ اس کی بنیاد پر آپ کو دارالعلوم کے انتظامی امور بھی سپرد ہوئے۔ چنانچہ غیر منقسمہ دارالعلوم میں پہلے آپ نائب ناظم تعلیمات رہے۔ پھر ایک عرصہ تک امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں بہت سی مفید اور کارآمد اصلاحات کیں۔ جن سے دارالعلوم کے نظام تعلیم و تربیت کو زیادہ نتیجہ خیز اور کارگر بنانے میں مدد ملی۔ آپ کی خداداد انتظامی صلاحیتوں سے دارالعلوم وقف کو بھی بہت فائدہ پہونچا۔ آپ دارالعلوم وقف میں بھی پہلے ناظم تعلیمات رہے اور پھر امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی۔ پھر آخر میں نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کا اصل کمال تدریس تھا اس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمام مضامین جو درسی کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، آپ کی مکمل گرفت میں تھے۔ سبق میں عبارت کا کوئی گوشہ آب تشنہ نہ چھوڑتے تھے۔ آپ کو ہمیشہ باکمال اور کامیاب مدرسین کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ طلبہ ان کے سبق میں ذوق و شوق سے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی درسی تقریریں عام فہم، سہل اور مربوط ہوتی تھیں۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے تلامذہ کی تعداد ہزاروں

سے متجاوز ہے۔ جن میں بہت سے وقت کے جبل علم اور عالمی شہرت یافتہ علماء بھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ دیگر نامور تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

- ☆ حضرت مولانا فضیل احمد صاحب قاسمی مدظلہ العالی
- ☆ حضرت مولانا شکیل احمد صاحب سیتاپوری مدظلہ العالی
- ☆ مناظر اسلام حضرت مولانا طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ العالی
- ☆ حضرت مولانا سید قاری عثمان صاحب صدر جمعیت علمائے ہند و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

- ☆ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
- ☆ حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی مدیر ”الدرعی“ دارالعلوم دیوبند
- ☆ حضرت مولانا بدر الدین اجمل صاحب قاسمی مدظلہ العالی رکن شوری دارالعلوم دیوبند و رکن پارلیمنٹ
- ☆ حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی شیخ القراء دارالعلوم دیوبند و خلیفہ مجاز محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حق نور اللہ مرقدہ
- ☆ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ

آپ نے درس نظامیہ کی تقریباً تمام ہی کتب کا درس دیا۔ شروع میں فنون کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے پھر ترقی کرتے کرتے امہات کتب کا درس آپ سے متعلق رہا۔ اور اخیر میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے انتقال کے بعد اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کا درس آپ کے ذمہ رہا۔

مولانا خورشید صاحب اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی بہت عظیم انسان تھے۔ خوش اخلاقی خوش طبعی، خوش کلامی، بے نیازی، ملن ساری، مہمان نوازی، علم، شفقت، حسن معاشرت، حسن معاملگی، مزاج میں یکسوئی، بات میں صداقت، احساس میں لطافت، کردار کی پاکیزگی، نگاہ کی بلندی، تبحر علمی آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔

یوں تو آپ تمام اخلاق و اوصاف میں اسلاف کے سچے پیروکار اور قدم بقدم تھے مگر ایک خصوصی وصف اور عمدہ خصلت جس میں آپ بہت ممتاز تھے، یہ تھا کہ آپ اپنے تمام کام بنفس نفیس خود انجام دیتے دوسروں سے خدمت لینے سے بہت گریز کرتے۔ آپ کو دیکھنے والے سب جانتے ہیں کہ آپ اپنے گھر کے لئے سامان ضرورت خود لاتے۔ کئی مرتبہ بازار میں جب آپ کے ہاتھ میں آپ سے محبت کرنے والے یا آپ کے تلامذہ سبزیوں اور دیگر سامان کا بڑا سا تھیلا دیکھتے تو لینے کی کوشش کرتے۔ مگر آپ اصرار کے ساتھ منع فرما دیتے صلہ رحمی اور داد و دہش میں بھی آپ کافی کشادہ دست واقع ہوئے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ اخیر تک رہا۔ اس سلسلے میں آپ اتنے وسیع الظرف تھے کہ خاندان اور پڑوس کی ایک سے زیادہ بیوہ اور ضرورتمند عورتوں کی خاموشی کے ساتھ امداد و اعانت آپ کا معمول رہا۔

مولانا مرحوم فطرتاً خاموش مزاج تھے۔ عزم، متانت، سنجیدگی اور وقار کے آثار آپ کے چہرہ، بشرہ سے خوب مترشح ہوتے تھے۔ مولانا موصوف نے اپنا اصل مشغلہ تو تعلیم و تدریس ہی کو رکھا مگر جب بعض احباب نے کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو کئی عمدہ تحریریں کاوشیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہوئیں۔ جن میں فتاویٰ عبدالحی کا ترجمہ اور ابوداؤد شریف کا ترجمہ و تشریح خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کتاب دیوبند سے شائع ہوئی اور دوسری

کتابیں پاکستان کے ایک اشاعتی ادارہ سے اب تک برابر شائع ہو رہی ہیں۔ اس سے اہل علم کا ایک بڑا طبقہ مستفیض ہو رہا ہے۔ آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے: مولانا عارف صاحب اور مولانا قاری واصف صاحب دارالعلوم وقف دیوبند کے مقبول اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ اہلیہ محترمہ، چھ بیٹیاں اور آپ کے تمام تلامذہ پسماندگان میں سے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان اور تمام تلامذہ اور محبان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین)



حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تقریباً ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی) گجرات میں پیدا ہوئے، آپ کا نام والدین نے صرف ”احمد“ رکھا تھا لیکن جب ”مظاہر العلوم سہارنپور“ میں داخلہ لیا تو آپ نے اپنا نام ”سعید احمد“ خود لکھوایا تھا، بناس کانٹھا ایک ضلع ہے جس کا مرکزی شہر پالنپور ہے موضع کا لیڑہ پالنپور کی مشہور بستی ہے جو پالنپور سے جنوب مشرق میں تیس میل کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم و تربیت:

پانچ یا چھ سال کے ہوئے تو آپ کے والد محترم نے گاؤں کے مکتب میں تعلیم کے لئے بٹھا دیا، مکتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد موصوف اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ ”چھاپی“ تشریف لے گئے، یہاں چھ ماہ تک اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے، چھ ماہ کے بعد ماموں چونکہ تدریس چھوڑ کر گھر واپس آ گئے تھے۔ اس لئے آپ بھی ماموں کے ساتھ گھر تشریف لے آئے اور چھ ماہ تک ماموں کے گھرانے سے فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے، اس کے بعد چار سال تک پالنپور کے مدرسہ میں حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری اور مفتی محمد اکبر میاں صاحب سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔

۱۳۷۷ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیکر تین سال تک نحو و منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پھر فقہ، تفسیر، حدیث اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید محمد اختر حسین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید فخر الحسن صاحب مراد آبادی، مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی، مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری، مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہری، اور حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شامل ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ نے دو کتابیں پڑھیں ”الفوز الکبیر، جلالین شریف“ آپ بچپن ہی سے ذہین، فطین، کتب بینی اور محنت کے عادی تھے، دارالعلوم دیوبند کی طالبعلمانہ زندگی میں بھی کمال شوق، لگن اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے، اسی لئے دورہ حدیث میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔

۱۳۸۳ھ اور ۱۳۸۴ھ میں آپ نے حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی مشق کی، جس میں مہارت کے سبب ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ”معین مفتی“ کی حیثیت سے دارالعلوم میں مقرر کر دیا۔

تدریسی زمانہ:

ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ میں بحیثیت مدرس علیا آپ دارالعلوم اشرفیہ راندر (سورت) تشریف لائے، موصوف نے یہاں ”ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، شمائل، موطن، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف جلالین شریف مع فوز الکبیر“ اور دیگر کتب پڑھانے کے ساتھ تصنیف و

تالیف کا مبارک مشغلہ بھی جاری رکھا، یہاں رہتے ہوئے آپ نے ”داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر“ اور علامہ طاہر پٹنی کی ”المغنی“ کی شرح عربی زبان میں تحریر فرمائی نیز اسی زمانہ میں آپ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تسہیل اور تشریح کا گراں قدر کام کا آغاز فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس:

۱۳۹۳ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا اور بچہ اللہ اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند میں تسلسل کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

۱۳۹۷، ۹۸ھ میں باقاعدہ حدیث کا درس ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو تفویض کیا، پہلے سال مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مع نخبة الفکر کا سبق آپ سے متعلق رہا پھر اگلے سال مشکوٰۃ شریف کے ساتھ موطا امام مالکؒ اور نسائی شریف کا سبق متعلق ہوا، پھر ۱۴۰۲ھ سے تقریباً ۱۴۳۰ھ تک ترمذی شریف کا سبق مکمل جاہ و جلال کے ساتھ پڑھاتے رہے اور اب الحمد للہ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کے بعد سے بخاری شریف کا سبق بھی اسی شان و شوکت سے پڑھا رہے ہیں۔

درس کی خصوصیات:

حضرت مفتی صاحب دام اقبالہ کے درس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رسوخ فی العلم کے ساتھ مرتب مضامین کو سلیقہ مندی اور سلیجی ہوئی زبان میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ طالب علم آپ کا سبق با آسانی سمجھ لیتا ہے، طلبہ حدیث آپ کے درس میں حاضری کے لئے خصوصی شوق کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ اکثر طلبہ آپ کی ہر بات نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوران درس سنت کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے ہیں اور ائمہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کا ذکر انتہائی ادب و عظمت سے کرتے ہیں۔

درس میں فقہاء کے مذاہب اور دلائل کی وضاحت میں جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، وہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ انوکھا اور نرالا ہوتا ہے۔ اسی طرح اقوال مختلفہ کی تنقیح اس انداز پر کرتے ہیں کہ ہر امام کا قول حدیث شریف کے قریب نظر آتا ہے اور ہر طالب علم محسوس کرتا ہے کہ اکثر مسائل میں اختلاف کی بنیادیں بھی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔ ایک بڑی خوبی آپ کے درس کی یہ بھی ہے کہ پورے سال درس اس ٹھہراؤ اور ترتیب سے ہوتا ہے کہ کتاب بحسن و خوبی مکمل ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ مشہور مباحث میں وقت صرف کر کے بقیہ کتاب پر ضروری توجہ نہ دی جائے، آپ کے یہاں اختلاف ائمہ کے بجائے مدارک اجتہاد (یعنی اختلاف کی بنیادیں، بیان کرنے پر زیادہ زور ہے۔ آپ کے درس کی یہ خصوصیت ترمذی شریف کے درس کے دوران کھل کر سامنے آتی ہے اور یہ بات تو آپ کا ہر شاگرد جانتا ہے کہ سبق کے دوران آپ صرف مسائل ہی بیان نہیں کرتے بلکہ کتاب بھی پڑھاتے ہیں اور فن بھی سمجھاتے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

حضرت والا دامت برکاتہم کی جملہ تصانیف مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی بیشتر تصانیف کثرت سے شائع ہو کر مشرق و مغرب میں پہنچ چکی ہیں، جن کو ہر جگہ کے علماء نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، آپ کی تصانیف میں جو زیادہ مشہور ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:-

”تفسیر ہدایت القرآن، العون الکبیر، (الفوز الکبیر کی عربی شرح) فیض المعتم شرح مقدمہ مسلم، تحفۃ الدردر شرح نخبة الفکر، مبادی الفلسفہ، معین الفلسفہ، اسلام تغیر پذیر دنیا میں، داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، تسہیل ادلہ کاملہ، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (مکمل پانچ جلدوں میں) تہذیب المغنی (المغنی کی عربی شرح) زبدۃ الطحاوی، تحفۃ الامعی شرح ترمذی (مکمل آٹھ جلدیں) تحفۃ القاری شرح بخاری“

حضرت والا دامت برکاتہم کی مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی اور تصانیف ہیں، آپ کی تمام تصانیف اور تمام تحریروں کا قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں ترتیب، توضیح اور جامعیت خوب ہے، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

اوصاف و کمالات:

قدرت نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور عمدہ اوصاف و کمالات سے نوازا ہے، اس تعلق سے آپ کے برادر صغیر حضرت مفتی امین صاحب پالنپوری کی تحریر ملاحظہ ہو:

”استاذ محترم کو اللہ جل شانہ و عم نوالہ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، آپ کا ذوق؛ لطیف، طبیعت؛ سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوشنویس ہیں، حق و باطل اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں اور حقائق کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، میں نے حضرت اقدس جیساشب و روز محنت کرنے والا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے۔ آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں“

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی ذات گرامی کا ایک بڑا وصف خوردنوازی بھی ہے اپنے چھوٹوں کی اصلاح و تربیت اور ان کو آگے بڑھانے کے لئے راہ کی تعیین اور ان کے دینی علمی تخلیقی کارناموں پر ان کی تحسین و حوصلہ افزائی بھی آپ کی خصوصی عادات میں سے ہیں۔

تصوف و سلوک سے آپ کا تعلق:

حضرت والا دامت برکاتہم زمانہ طالعلمی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت ہیں۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کی عرفانی و اصلاحی مجالس میں شرکت کرتے رہے ہیں، اور آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد مظفر حسین صاحب قدس سرہ سے تعلق قائم کیا۔ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ نے باقاعدہ آپ کو اجازت بیعت و ارشاد سے نوازا۔

اہل و عیال کی تربیت:

اہل و عیال کی تربیت آپ نے جس طریقہ کار کو سامنے رکھ کر انجام دی ہے، وہ ایک انوکھی مثال ہے، آپ نے سب سے پہلے اپنی اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کو قرآن کریم حفظ کرایا، پھر تمام بچوں کے حفظ کی ذمہ داری اہلیہ محترمہ (نور اللہ مرقدہا) کو سپرد کی۔ ماشاء اللہ انہوں نے تمام صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن مکمل کر دیا نیز صاحبزادوں کی دلہنوں کو بھی حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ مند کیا۔

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے کثرت اولاد کی نعمت عظمیٰ سے بھی نوازا ہے، چنانچہ گیارہ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں جن میں بڑے صاحبزادے جناب حافظ مولوی مفتی رشید احمد صاحب ۱۹۹۵ء کے ایک حادثہ میں شہید ہو گئے اور ایک صاحبزادی بچپن میں انتقال کر گئیں۔ ماشاء اللہ دس صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، اہلیہ محترمہ چند عرصہ پہلے اللہ کو پیاری ہو گئیں بلاشبہ حضرت کی علمی ترقیوں میں ان کا بھی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے (آمین)



حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیتہ علمائے ہند

خوش اخلاق، خوش افکار، جامع علم و عمل اور صاحب کردار، تقویٰ اور طہارت میں ممتاز، بے انتہا شجاع اور نڈر، حق بات کہنے میں دلیر اور کبھی نہ چو

کنے والے، نگہ بلند اور سخن دلنواز کے پیکر، میدان خطابت کے شہسوار، اللہ واسطے کی دوستی اور اللہ ہی واسطے کی دشمنی میں اپنی مثال آپ، فیاضی اور دیادلی میں بے نظیر، عشق الہی اور عشق رسول میں غرق، صحابہ سے عقیدت، اسلاف سے محبت اور اولیاء اللہ کی عظمت، جن کی فکروں کا سب سے بڑا محور امت کا غم، ملت کا درد، دعوت و اصلاح کے جذبے سے ہمہ وقت سرشار، حلیم، دانا اور غیور، احسانی کیفیت اور آداب طریقت سے معمور، حق گوئی، بے باکی اور معاملات میں صداقت جن کا شعار، مروت اور اصول پرستی کی واضح علامت، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی عظیم یادگار اور ان کے سچے جانشین، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی دام ظلہ العالی یہ جامع صفات شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے منجھلے صاحبزادہ گرامی ہیں۔

۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں آپ پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دیوبند ہی میں حضرت مولانا اصغر علی صاحب سہسپوری خلیفہ مجاز و خادم خاص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے زیر نگرانی حاصل کی، متوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لئے باضابطہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اس وقت کے عباقرہ علم سے استفادہ کیا، چونکہ صاحبزادہ شیخ تھے، اس لئے اساتذہ عظام نے بھی ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ سے کام لیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے آپ نے ”شرح عقائد، مسامرہ، اور مقامات حریری“ پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۶۵ء کے آغاز سے صوبہ بہار کے معروف مدرسہ ”جامعہ قاسمیہ ضلع گیا“ میں مدرس مقرر ہوئے۔ کم و بیش ڈیڑھ سال یہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر آپ ۱۹۶۷ء کے شروع میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے؛ اور تقریباً چودہ ماہ وہاں گزار کر دوبارہ ہندوستان تشریف لے آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، اسی طرح حضرت بھی آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرما تے تھے، اور آپ کی ترقی کے لئے فکر مند رہتے تھے، چنانچہ جوں ہی آپ مدینہ منورہ سے تشریف لائے حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے آپ کو ”مدرسہ شاہی مراد آباد“ میں خدمت تدریس کا مشورہ دیا۔ آپ نے بعد نیاز استاذ محترم کا یہ قیمتی مشورہ قبول کیا اور ”جامعہ شاہی مراد آباد“ میں خدمت پر مامور ہو گئے یہاں رہ کر آپ نے کتب متوسطہ کے علاوہ ”مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، اور موطا امام مالک“ وغیرہ اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔ بے پناہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ مدبرانہ و منظمانہ صلاحیت بھی آپ میں بدرجہ اتم تھی، اسلئے مدرسہ شاہی میں ارباب مدرسہ کی طرف سے کچھ انتظامی امور بھی آپ کو سپرد کئے گئے جن کو آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔

قدرت آپ سے بڑا کام لینا چاہتی تھی اس لئے آپ کو ایشیاء کی سب سے عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے لئے منتخب کیا گیا۔ آپ ۱۴۰۳ھ میں بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے یہاں آکر آپ نے درس نظامی کی اعلیٰ کتابوں میں ”مسلم شریف، ترمذی شریف جلد ثانی اور مشکوٰۃ شریف“ کا درس دیا اور تادم تحریر بھی یہ اسباق آپ ہی سے متعلق ہیں۔ آپ کی درسی تقریریں مربوط، مسلسل اور پر جوش ہوتی ہیں، طلبہ شوق و ذوق سے آپ کے درس میں حاضر ہوتے ہیں۔ ارباب شولای نے متفقہ طور پر آپ کو نظام تعلیم کی ذمہ داری تفویض کی جس کو آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ آپ نے اپنی بہترین مدبرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظام تعلیم کو مستحکم کیا۔ بالخصوص ابتدائی درجات کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ حفظ قرآن کریم کے شعبوں میں کئی درسگاہوں کا اضافہ کیا اور اس شعبہ کے نمایان شان اس کو ترقی دینے میں گراں قدر کوشش کی۔

اپنے والد محترم (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی) اور برادر اکبر (حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی) کی طرح آپ کو بھی قومی دہلی سرگرمیوں سے خاص دلچسپی ہے، ایک طویل عرصہ تک جمعیۃ علمائے ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن رکیں رہے اور اب جمعیۃ کی قیادت و صدارت کے فرائض بھی آپ ہی کے ذمہ ہیں۔ صدارت جمعیۃ کے معزز عہدے سے سرفراز ہونے کے بعد آپ کی عوامی تقریروں کا زیادہ تر موضوع فرقہ پرستی کی زہر ناکیاں ہیں۔ آپ نے جمعیۃ کے تمام بڑے اسٹیجوں سے ارباب اقتدار کو ملک و ملت کے لئے زہر سے زیادہ مہلک اس بیماری کے دفاع کی طرف متوجہ کیا

ہے۔ آپ نے زندگی کے تمام شعبوں میں جرأت، حق گوئی، بے باکی، استقلال و عزیمت اور اصول پرستی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا ہے۔

تہجد گزاری، ذکر و اذکار کی پابندی، چلتے پھرتے تلاوت کلام اللہ پر موانعت، آپ کے نہ چھوٹنے والے مشاغل میں سے ہے؛ آپ کا ایک خوبصورت معمول نماز صبح کے لئے طلبہ دارالعلوم کو اپنی گھن گرج آواز کے ساتھ جگانا ہے۔ دیوبند رہتے ہوئے آپ کا یہ معمول بلا ناغہ جاری رہتا ہے۔ دارالعلوم میں فراغت کے سال تمام طلبہ اپنے الوداعی ترانوں میں آپ کی اس ادا کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔

ہمارے فراغت کے سال جو ترانے پڑھے گئے ان میں آپ کے تعلق سے جو اشعار کہے گئے ہیں زیادہ تر اسی صفت کے حامل ہیں۔ ایک ساتھی نے ”اسلام کامرکز نمبرون میرے مادر علمی دیوبند“ کے نام سے نظم کہی جس میں حضرت والا کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لوشیر خدا کی صدا آئی..... ارے جاگو جاگو صبح ہوئی

ہیں ارشد مدنی تجھ پے مگن..... میرے مادر علمی دیوبند

ایک رفیق درس نے اپنے الوداعی نظم بنام ”درد گزار محبت“ میں آپ کی اس صفت کو اس طرح ادا کیا ہے:

سب دوڑ کے مسجد جاتے تھے..... جب ارشد مدنی آتے تھے

اس شیر ببر کے تیور سے..... سارے شیطان گھبراتے تھے

آپ کا ایک بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کے ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کو ہندی زبان میں منتقل کرنا ہے۔ یہ کام آپ نے مسلسل بارہ سال کی محنت کے بعد مکمل فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ ایسی عظیم خدمت ہے جس پر آپ کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے، اس کے علاوہ علامہ عینی کی ”نخب الافکار“ جو ”شرح معانی الآثار“ کی بہت ہی عمدہ شرح ہے، اب تک مخطوطہ کی شکل میں تھی، آپ نے اس کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایڈٹ کر کے شائع کیا اور بھی کئی چھوٹی بڑی کتابیں آپ کی تصنیف کردہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تادیر آپ کا سایہ قائم و دائم رکھے! (آمین)



حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ

مہتمم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ولادت و ابتدائی تعلیم:

حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی ولادت ۲۲ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو برادران وطن کی عقیدت گاہ شہر ”بنارس“ کے محلہ مدنپورہ میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنی والدہ محترمہ اور دادا جان جناب قاری نظام الدین علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ یہ تعلیم قاعدہ بغدادی، ناظرہ قرآن اور اردو حساب کے مبادیات تک ہو سکی، پھر اپنے ہی محلہ کے مدرسہ یعنی ”جامعہ اسلامیہ مدنپورہ“ میں پرائمری کے درجہ دوم میں داخل ہوئے۔ جہاں آپ نے درجات پرائمری کی تکمیل کے بعد فارسی اور درس نظامی کے مطابق سال اول عربی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ”دارالعلوم مؤ“ میں داخلہ لیا، اور سال سوم تک کی تعلیم یہیں جاری رہی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ تعلیم اور سیرت میں امتیازی شان:

شوال ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں سال چہارم میں داخلہ ہوا۔ قابل ذکر ہے کہ اسی سال دارالعلوم دیوبند کے قیام کی ایک صدی مکمل ہوئی۔

۱۳۸۶ھ میں شعبہ فضیلت سے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ایک سال تکمیل افتاء سے منسلک رہے اور اسی سال حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کے حسن انتخاب کے نتیجے میں صف عربی کا درس بھی آپ کے متعلق رہا۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالبعلمی میں آپ کا شمار مہنتی، نیک اور اساتذہ کے معتمد طلبہ میں رہا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب خصوصیت سے شامل ہیں، حضرت والا قدس سرہ سے آپ نے مختصر المعانی پڑھی۔

آپ کے ہمعصر و مشہور صاحب قلم اور معتبر عالم دین حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب شیخوپوری کے بقول ”مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز ترین طالب علم تھے، اساتذہ کی نگاہ میں با اعتماد تھے“

راہ طریقت سے تعلق اور بیعت کا ذکر :

حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی ہی میں مشکوٰۃ شریف کے سال شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب سے اصلاح و رشد کا سلسلہ قائم کر لیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کے بعد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن صاحب سے رجوع کیا اور حضرت سے ہی خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔ آپ کا شمار حضرت فقیہ الامت کے اجل خلفاء میں ہے، چنانچہ جنوبی افریقہ کی سرزمین پر کہ جہاں حضرت کا وصال ہوا، حضرت والا کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آپ ہی کو مقدم کیا گیا۔

میدان عمل میں :

۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ”جامعہ اسلامیہ ریڈھی تالاب، بنارس“ میں بحیثیت استاذ تقرر عمل میں آئی، اور ۲۰۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے منتخب ہونے تک وہیں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور طویل عرصہ تک شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے تدریسی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ آپ نے بنارس میں بکثرت پائی جانے والی بدعات و رسومات کو مٹانے کا بیڑہ اٹھایا اور تنہا دعوت و ارشاد کے میدان میں نہایت جفاکشی اور مجاہدہ سے کام لیا، حتیٰ کہ آپ کو مذہب بیزاری کے ماحول میں تبلیغ و دعوت اور اصلاح کا کام کرنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر اور فرش وغیرہ جملہ ضروریات اجلاس کا انتظام بھی خود کرنا ہوتا تھا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر ہفتہ محلہ میں کسی صاحب کی ذہن سازی فرماتے۔ لوگوں کو ان صاحب کے گھر ترغیب دے کر جمع فرماتے اور پھر جلسہ کی کاروائی اس طرح انجام پاتی کہ آپ خود ہی اجلاس کا سامان لیکر تشریف لاتے، خود ہی فرش بچھا کر لاؤڈ اسپیکر لگاتے، تلاوت فرماتے اور نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے اور کسی دینی موضوع پر خطاب فرماتے، دعا کے بعد سامان اجلاس اپنے کندھے پر لاد کر واپس تشریف لاتے آپ نے اصلاحی کاموں کو منظم اور مرتب کرنے نیز ان کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے ”انجمن اصلاح المسلمین“ قائم فرمائی۔ جس سے نوجوانوں کو مربوط کیا اور مدینہ پورہ کی ”بلال مسجد“ میں اپنے پیر طریقت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے نام سے منسوب ”خانقاہ محمودیہ“ قائم فرمائی۔ جہاں ذکر و تلقین کے علاوہ درس قرآن کریم اور درس حدیث شریف کے حلقے قائم ہوتے رہے، اور ہزاروں بندگان خدا نے بے پناہ فیض حاصل کیا۔

قابل ذکر ہے کہ ذکر و فکر اور تلقین و ارشاد کا سلسلہ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لانے کے بعد دیوبند میں بھی شروع ہو چکا ہے۔ طلبہ و اساتذہ و عوام مستفید ہو رہے ہیں اور یہ سلسلہ تعطیل کے اوقات میں قیام بنارس کے دوران بھی باقی رکھا گیا ہے۔ اس وقت آپ کا حلقہ ارادت ہزاروں سے متجاوز ہے اور آپ کا فیض ہندوستان ہی نہیں اطراف عالم کو سیراب کر رہا ہے (اللہم زد فزد)

تحریری خدمات :

آپ کا تحریری خدمات کا کچھ اجمالی ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ آپ کے درس حدیث کی ترتیب کا کام جاری ہے اور اس کا پہلا حصہ ”اسباق حدیث“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور دوسرا حصہ زیر طبع ہے۔ علاوہ ازیں ”حج و عمرہ کے مسائل، معمولات یومیہ“ اور ”مجلہ“

ترجمان الاسلام“ اور دیگر مجلات میں شائع ہونے والے آپ کے علمی مضامین اور مختلف سیمیناروں و کانفرنسوں کے لئے لکھے گئے مقالات آپ کا بیش قیمت تحریری سرمایہ ہے۔

رفاہی خدمات:

رفاہی کاموں میں بھی آپ نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ”جمعیتہ علمائے ہند“ سے منسلک ہو کر علاقائی، صوبائی، اور مرکزی ذمہ داریاں انجام دیں اور اب دارالعلوم دیوبند کے منصب اعلیٰ کی اہم ترین ذمہ داریوں کی وجہ سے عملی شرکت نہیں ہو پاتی لیکن ”جمعیتہ علمائے ہند“ سے آپ کو لگاؤ اس قدر ہے کہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میں بچپن سے جمعیتہ کا رکن رہا ہوں، اس سے الگ کیسے ہو سکتا ہوں؟

دارالعلوم دیوبند سے انتظامی اور تدریسی تعلق:

۱۹۹۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور کے لئے آپ بحیثیت رکن شوریٰ و رکن مجلس عاملہ منسلک کئے گئے تا آنکہ فروری ۲۰۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے بااختیار، کارگزار مہتمم اور جولائی ۲۰۱۱ء میں باضابطہ مہتمم منتخب کئے گئے اور نئے تعلیمی سال سے حدیث شریف کی مشہور ترین کتاب جامع ترمذی کے ایک حصہ کا درس بھی آپ سے متعلق ہوا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے منصب اہتمام کو لیکر جو اضطراب و تشویش اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور میڈیا نے اسے مزید خوفناک بنایا ہوا تھا۔

الحمد للہ حضرت کے انتخاب سے حالات معمول پر آ گئے اور تمام فتنے ختم ہو گئے، امید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت والا سے اس سرمایہ ملت کی نگہبانی کی خدمت لیں گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ حضرت والا کی زندگی دراز فرمائے، اور آپ کے سایہ عاطفت میں دارالعلوم دیوبند کو دن دوئی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے (آمین یا رب العالمین)



حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے داماد، دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم، استاذ حدیث اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم بلکہ روح رواں ہیں، حسن و جمال، فضل و کمال، شرافت و نجابت، اور تقویٰ و طہارت کے ساتھ قدرت فیاض سے حسن تربیت اور نظم و نسق کی اعلیٰ صلاحیت عطا ہوئی ہے، طالبان علوم نبوت کے ساتھ ہمدردی و عزمگساری اور فریادری آپ کا خصوصی امتیاز ہے، جبکہ اصول پسندی طبعی وصف ہے۔

آپ کا وطن منصور پور، ضلع مظفر نگر ہے، جہاں ۱۲ اگست ۱۹۴۴ء کو سادات کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے، والد گرامی نواب سید محمد عیسیٰ مرحوم انتہائی متمول رئیس اور زمیندار تھے۔ اسی کے ساتھ نہایت صالح، متقی اور حد درجہ پابند شریعت، خلاف شرع امور کے لئے ان کی طبیعت میں کوئی گنجائش نہ تھی، اولاد کو علم و عمل سے آراستہ کرنے کا بے پناہ جذبہ اور انتہائی لگن تھی، اس کے خاطر گھر چھوڑ کر دیوبند اقامت اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں دیوبند ہی میں انتقال ہوا، مزار قاسمی میں مدفون ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور حفظ کلام اللہ والد مرحوم کے پاس کیا۔ پھر فارسی درجات سے دورہ حدیث شریف تک کی مکمل تعلیم مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں دورہ حدیث شریف کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کی۔ شیخ القراء حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سے تجوید و قرأت اور ادیب اریب مولانا وحید الزماں کیرانوی سے عربی زبان و ادب میں کمال حاصل کیا۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی سے سلوک و معرفت کی تکمیل کی اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۵ سال ”جامعہ قاسمیہ، گیا، بہار“ میں اور گیارہ سال ”جامعہ اسلامیہ، جامع مسجد امروہہ“ میں تدریسی خدمات انجام دیں، مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیر درس رہیں، ساتھ ہی ”جمعیتہ علمائے ہند“ کے پلیٹ فارم سے ملی خدمات کا سلسلہ بھی رہا۔ ۱۹۷۹ء میں ”ملک و ملت بچاؤ تحریک“ کے پہلے دور میں ایک جتھہ کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی اور دس دن تہاڑ جیل میں رہے۔

۱۹۸۲ء سے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں تدریسی فرائض کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا درس حشو و زوائد سے پاک، انتہائی متین، سنجیدہ اور عالمانہ ہوتا ہے۔ زبان صاف ستھری اور ترجمہ انتہائی سلیس اور شستہ ہوتا ہے

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت کا انعقاد ہوا، جس کے آپ امیر تھے اس موقع پر ”کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت“ کا قیام عمل میں آیا، آپ ناظم منتخب ہوئے۔ جس پر تادم تحریر فائز ہیں، اس ادارے نے ملک کے طول و عرض میں فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے عظیم تر خدمات انجام دیں، جو دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ یہ تمام خدمات آپ کی ایمانی حس و حمیت، انتھک جدوجہد اور بے پناہ دینی جذبہ کا ثمرہ ہے، یقیناً آپ ”یقاتلون اهل الفتن“ کے وصف سے ممتاز ”الاخرون السابقون“ کی اس جماعت میں شامل ہیں، جنہیں ارشاد نبوی ”لہم اجر مثل اولہم“ کا شرف و افتخار حاصل ہے۔

۱۹۹۹ء سے ان فرائض و ذمہ داریوں کے ساتھ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، ہجوم و مشاغل کی بنا پر تصنیف و تالیف کا کوئی معتد بہ ذخیرہ نہیں

تاہم کچھ رسائل و مقالات ہیں جس سے تحریر و تصنیف کا ستھرا ذوق معلوم ہوتا ہے۔

۱۹۶۶ء شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد صاحب مدنی کی صاحبزادی..... سے آپ کا عقد مسنون ہوا، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے نکاح پڑھایا، دو ہونہار سعادت آثار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ”مدرسہ شاہی مراد آباد“ کے مفتی و استاذ حدیث اور ”ندائے شاہی“ کے مدیر اور ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ دوسرے مولوی حافظ قاری سید محمد عوفان صاحب ”جامع مسجد امروہہ“ میں استاذ حدیث ہیں۔ ماشاء اللہ لکھنے کا بھی ستھرا ذوق رکھتے ہیں یہ آپ کی حسن تربیت کی عمدہ مثال ہے۔





حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ

استاذ حدیث و سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڑھ کے محلہ ”حکیم سرائے“ میں پیدا ہوئے، جہاں آپ کے والد بزرگوار جناب منشی فراست علی صاحب مرحوم بسلسلہ ملا زمت مقیم تھے آبائی وطن ”موضع حبیب والا ضلع بجنور“ ہے جہاں عہد اکبری سے شیوخ انصار آباد ہیں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابویوب انصاریؓ سے جا ملتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے ذہین و فطین اور مردم شناس انسان ہیں، حذاقت و لیاقت اور مومنانہ فراست سے مالا مال نیز علم و عمل کی گہرائی و گیرائی اور تقویٰ و طہارت میں بھی امتیازی شان رکھنے میں بے مثال ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو آپ جیسی دوراندیشی، معاملہ فہمی، دلداری و ہمدردی سے نوازا گیا ہو، ان اوصاف میں آپ اسلاف عظام کی روایات کے مکمل وارث و امین ہیں، مہمانوں کی بے غرض خاطر و مدارات اور بے لوث خدمت آپ کی اور آپ کے اہل و عیال کی خصوصی عادت ہے۔

عصر کے بعد روزانہ آپ کے یہاں دارالعلوم کے اساتذہ، بعض طلبہ اور دیگر واردین و احباب جمع ہوتے ہیں، سب کے لئے چائے کا نظام رہتا ہے اور کئی مرتبہ چائے کے ساتھ لوازمات بھی ہوتے ہیں، آپ کی درسی تقریریں عام فہم، مسلسل اور فصیح و بلیغ زبان میں ہوتی ہیں، راقم کو چار کتابیں آپ سے پڑھنے کی توفیق ہوئی ہے۔ ”مقدمہ شیخ عبدالحق، شرح نخبۃ الفکر، مشکوٰۃ شریف (اول)، ابن ماجہ شریف“

الحمد للہ ان تمام کتابوں کے اسباق میں پابندی کے ساتھ حاضری کی توفیق ہوئی، اس دوران میں نے آپ کی تمام تقریروں میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات نوٹ کی کہ آپ کی گفتگو کا کوئی حصہ بلکہ کوئی بھی لفظ ادبی معیار سے ہٹ کر نہیں ہوتا تھا، سلیقہ کے ساتھ مافی الضمیر کی ادائیگی (جس میں الفاظ کا حسن انتخاب، خوب صورت تعبیریں، جملوں کی عمدہ ترتیب اور طرز ادا میں موقع و محل کی رعایت شامل ہو) مخاطب کے لئے یقیناً اثر انگیزی کا باعث ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو یہ وصف خصوصیت سے مرحمت فرمایا ہے۔ دوران درس اگر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مخالفین کا ذکر آجاتا تو امام صاحب کے دفاع اور ان کی حمایت میں آپ کا جوش اور آپ کے تیور دیکھنے کے ہوتے، ایسے موقع پر آپ کی گفتگو اور انداز دونوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے والہانہ اور جذباتی عقیدت و محبت خوب مترشح ہوتی تھی، اختلاف مذاہب کو بیان کرتے ہوئے مسلک احناف کے ترجیحی دلائل کو بھی آپ اسی کیفیت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے درجہ پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گیارہ سال کی عمر میں اپنے پھوپھا جان حضرت مولانا سلطان الحق صاحب قدس سرہ کے ہمراہ دیوبند تشریف لے آئے اور یہاں رہ کر علوم عالیہ کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۸ء میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوئے اور اول درجہ سے کامیابی حاصل کی۔ دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ کے دامن علم سے وابستہ ہو کر مسلسل تیرہ سال تک استفادہ کرتے رہے، اسی دوران علی گڑھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا، جس میں ”سر سید میڈل“ سے نوازے گئے اور پھر ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تقرر عمل میں آیا۔ موصوف چونکہ عمدہ تحریری صلاحیت کے بھی حامل تھے۔ اس لئے ۱۹۶۰ء میں ”رسالہ دارالعلوم دیوبند“ کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی۔ دو سال تک آپ نے رسالہ دارالعلوم کا اداریہ لکھا۔ آپ کی تحریر سادہ شستہ، برجستہ، آسان اور زبان و ادب کے اسلوب کے مکمل مطابق ہوتی ہے۔ ”ایضاح البخاری شرح بخاری، شوری کی شرعی حیثیت“ اور شرعی کلام کا مجموعہ ”نغمہ سحر“ آپ کی عمدہ تحریر اور خوبصورت طرز نگارش کا عظیم شاہکار ہیں۔

آپ میں فطری اعتبار سے بہترین تدبیری و تنظیمی صلاحیتیں ہیں، شوری نے اس کا احساس کر کے آپ کو ۱۴۰۵ھ میں مجلس تعلیمی کا ناظم مقرر کیا

، چنانچہ آپ نے امید کے مطابق اس شعبہ کا نظام مستحکم کیا اور کئی قابل قدر اصلاحات کیں، تعلیمات کے موجودہ نظام کار میں جو سدھار، انفرادیت اور استحکام نمایاں ہے یہ سب آپ ہی کی فراست، بیدار مغزی اور اعلیٰ صلاحیت کا نتیجہ ہے۔

۱۴۰۸ھ میں مجلس شوریٰ نے آپ کو ”شیخ الہند اکیڈمی“ کا نگران مقرر کیا، آپ کی فعال قیادت کے زیر اثر چند سال میں شیخ الہند اکیڈمی سے متعدد معیاری اور علمی کتابیں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، اب جبکہ عمر مبارک ۷۰ سال سے متجاوز ہو چکی ہے، جس کی بنیاد پر طبیعت بہت زیادہ کام کی متحمل نہیں رہی اس لئے آپ نے تمام انتظامی امور سے یکسوئی اختیار کر کے صرف تدریس اور ایضاح البخاری کی باقی جلدوں کی ترتیب اور اشاعت میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ آپ کو کامل صحت سے مالا مال فرمائے اور آپ کے تمام علمی کاموں کو سہولت اور عافیت کے ساتھ تکمیل تک پہنچائے (آمین)



حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی مدظلہ

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

احاطہ دارالعلوم دیوبند میں فرزندانِ قاسمی؛ جن علم و ہنر، فضل و کمال، سیرت و کردار نیز معیاری اخلاق اور اعلیٰ صفات کے مختلف مذاق، مگر صاف شفاف چشموں سے سیراب ہوتے ہیں، جن کا ایک ایک قطرہ آبِ حیات سے زیادہ کارگر اور زود اثر ہوتا ہے اور جن کی فیاضی اور فراخ دلی، ہر زاویے سے با دصبا کی طرح عام اور ہر کس و ناکس کی پرسان حال ہوتی ہے؛ انہیں میں سے ایک انتہائی خوش مذاق، روح افزا اور حوصلہ پرور سرچشمہ، حضرت الاستاذ مولانا مفتی ”عبد الخالق صاحب مدراسی“ دامت برکاتہم کی محبوب اور ہر دل عزیز شخصیت ہے کہ: جسمانی وجاہت اور قدرتی رعب و جلال جن کی پہچان، تو علمی لیاقت اور فنی عمق پریت ان کی شناخت ”علم حدیث و ادب“ ان کی روح تو فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت حرز جان؛ فصاحت و بلاغت ان پر نازاں تو طلاق و سلاست انگشت بدنداں؛ آپ کی باوقار شخصیت اعلیٰ دماغی اور بلند پروازی کا ترجمان، تو حسن انتخاب اور سلیقہ انتظام کا مکمل نمونہ؛ جہاں سنجیدگی میں بانگین اور وقار میں بے باکی کا سنگم، وہیں علم و تقویٰ، زہد و ورع، اخلاص و للہیت اور جو د و سخا کا حسین امتزاج؛ جس طرح مادر علمی جیسی عظیم یونیورسٹی کی تعمیر نو کے شہنشاہ، اسی طرح تعمیر دنیا کی عظیم شاہکار ”جامع رشید“ کے بے تاج بادشاہ؛ ایک طرف جغرافیائی علوم کے ماہر تو دوسری طرف جدید سائنس کی نوک و پلک سنوارنے کی مکمل صلاحیت کے حامل؛ وسعت ظرفی کا یہ عالم کہ بحرِ خارج بھی اپنی تنگی دامانی پر نادم، تعلیم و تربیت، ہمت افزائی اور ذہن سازی کا ایسا ملکہ کہ مایوس سے مایوس طبیعت بھی اپنے فکر و عمل سے ایک نئی تاریخ رقم کرنے پر آمادہ، بلکہ بے چین و مضطرب اور حسن معاشرت، مساوات و یکسانیت کا ایسا نرالا انداز کہ شاہ و گد ادونوں ہی محو حیرت اور سراپا لشکر و امتنان، اس قدر علوم مرتبت کے باوجود، عاجزی و انکساری اور عفت و پاکدامنی کا یہ حال کہ: ع

دامنِ نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

علوم و فنون کی اس مایہ ناز ہستی کا نام نامی اسم گرامی ”حضرت مولانا مفتی عبد الخالق ابن جناب عبد القدوس صاحب مدراسی“ (مرحوم) ہے۔

تاریخ ولادت:

ظاہری و باطنی حسن و جمال کا مظہر، یہ نیر تاباں ۱۰ دسمبر ۱۹۵۰ء کو موضع ”جدوال، ضلع شمالی آرکٹ، تمل ناڈو“ کے مطیع فیض سے اپنی تمام تر رعنا

نیوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ ابتدائی تعلیم:



حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی مدظلہ

استاذ حدیث و ادب و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اخلاق و کردار اور علم و عمل کی جامع شخصیت کا نام ہے: حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی مدظلہ العالی۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ان قدیم اساتذہ میں سے ہیں جن کو تمام وابستگان دارالعلوم دیوبند عقیدت اور انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
حلم، تواضع، خدا ترسی، اللہ واسطے کی محبت، ہمدردی و محبت، دنیا سے بے نیازی، خود اعتمادی، سخاوت اور اعلیٰ درجے کی ضیافت، بڑوں کا مکمل احترام اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت ہمہ وقت خفیف سی دل آویز مسنون مسکراہٹ آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔ قدرت نے ایک عجیب گرویدگی اور شیفٹنگی آپ کی شخصیت میں رکھی ہے، اس لئے آپ سے صرف ایک بار ملنے والا بھی آپ کو بھلا نہیں پاتا، اسی طرح سادگی اور تواضع میں بھی آپ بے مثال اور لا ثانی ہیں اس سلسلے میں آپ اسلاف کے مکمل نمونہ اور ان کی پاکیزہ روایات کے امین ہیں، راقم الحروف کو ایک ماہ آپ کی خدمت میں اس وقت رہنے کا مکمل موقع ملا جبکہ آپ قرآن پاک کی تفسیر کے لئے ماہ رمضان ۱۴۰۲ء میں ”کوئٹہ“ تشریف لائے تھے۔ اور راقم آپ کے ہمراہ بطور خادم تھا، اس دوران بلند اخلاقی کریم النفسی، شرافت طبعی، شفقت و رحمت اور حلیمانہ برتاؤ کی جو ادائیں آپ میں دیکھیں، آنکھیں دوسری جگہ ایسی ادائیں دیکھنے سے آج تک قاصر ہیں۔

پیدائش:

آن محترم کی پیدائش ”قصبہ سنبھل، ضلع مراد آباد“ میں ۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوئی، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی نصیر احمد ہے جو کہ ایک خوش اطوار، خوش مزاج، رقیق القلب، متواضع، سادگی پسند اور تمکنت سے خالی انسان تھے، وہ ایک خوش گوشا عربی تھے، ان کا کام صاف ستھرا شریفانہ، دلچسپ اور دل آویز تھا، آپ جب کبھی دیوبند تشریف لاتے تو باذوق طلبہ آپ کے کلام سے بہت محظوظ ہوتے اور کئی دفعہ تو آپ کا عمدہ کلام سننے کے لئے طلبہ کی بھیڑ لگ جاتی، عام طور پر یہ خوش نما منظر عصر کے بعد دیکھنے کو ملتا۔

آغاز تعلیم:

آپ کے محلہ میں گھر کے قریب مدرسہ ”خیر المدارس“ میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا، اس وقت وہاں حضرت مفتی محمد آفتاب علی صاحب مدرس تھے، کچھ دنوں بعد حضرت مفتی آفتاب علی خان صاحب ”مدرسہ شمس العلوم“ منتقل ہو گئے، تو آپ بھی وہیں چلے گئے۔ اس مدرسہ میں آپ نے حافظ فرید الدین صاحب سے قرآن کریم حفظ کی تکمیل کی۔ فارسی اور ابتدائی عربی سے شرح جامی تک کی تمام کتب حضرت اقدس مولانا مفتی محمد آفتاب صاحب سے پڑھیں اور پھر ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔

حضرت مولانا بچپن ہی سے بڑے ذہین طباع اور غیر معمولی دماغی قوت و صلاحیت سے معمور تھے، اس لئے زمانہ طالب علمی میں ہی ”دارالعلوم دیوبند“ پہنچ کر آپ کے علمی گوہر کھلنے لگے، اور اسی بنیاد پر آپ ہمیشہ اپنے ہم درسوں اور ہم چشموں سے ممتاز رہے، کم و بیش پانچ سال آپ دارالعلوم دیوبند میں رہے اس دوران آپ نے اپنے تمام اوقات کو تعلیمی مشاغل میں ہی صرف کیا، اسباق کی پابندی، مطالعہ میں انہماک، اساتذہ و آلات علم کا مکمل احترام اور اعمال پر مواظبت جیسے عمدہ اوصاف آپ کی علامت تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانہ قیام میں کتب متداولہ کی تکمیل وقت کے عباقرہ فن اور اساطین علم کے سامنے ہوئی، جس میں بخاری شریف حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب اور حضرت مولانا شریف الحسن صاحب سے پڑھی، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے ”طحاوی شریف اور التصریح“ پڑھی۔

۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں دورہ حدیث شریف میں تیسری پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔ ادب سے دلچسپی شروع ہی سے تھی اس لئے ہمیشہ امتحان کے جوابات عربی میں لکھے، فراغت کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں رہ کر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی سے خصوصی استفادہ کیا۔

تدریسی دور:

آنحرم کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۹۷۳ء میں ”خادم الاسلام، ہاپوڑ“ سے ہوا، یہاں آپ ہی کے ہم وطن، محقق عصر، عالم دین حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب سنبھلی پہلے ہی سے داد تحسین حاصل کر رہے تھے، آپ یہاں آ کر ان سے گھل مل گئے ان دونوں حضرات کے خادم الاسلام میں جمع ہونے سے خادم الاسلام کی علمی سرگرمیوں میں قابل قدر اضافہ ہوا، آپ نے یہاں علیا تک کی کتابیں پڑھائیں، چھ سال تک آپ اپنی علمی ضیائشیوں سے خادم الاسلام کی فضاء کو منور کرتے رہے، اس دوران آپ کی تدریسی صلاحیت، عمدہ استعداد اور تجربہ علمی کے چرچے بہت دور تک ہونے لگے تھے۔

۱۹۷۹ء میں مراد آباد ”مدرسہ جامع الہدی“ کی خدمات کے لئے منتخب کئے گئے، یہاں ۳ سال تک بحسن و خوبی تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے لئے منتخب کر لئے گئے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ۱۹۸۲ء میں ہوا اس وقت سے آج تک آپ دارالعلوم کے مایہ ناز استاذ ہونے کی حیثیت سے معروف ہیں۔ آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ان جلیل القدر اساتذہ میں ہیں جو علمی لیاقت، فنی مہارت، حاضر جوابی، علمی گہرائی، وسعت قلبی اور بصیرت مندی میں فائق رہے ہیں۔ فقہ و ادب کی باریکیوں اور اس کے تمام گوشوں سے واقفیت رکھنے کے ساتھ عربی زبان و ادب سے خاص تعلق ہے، مولانا بے تکلف عربی زبان لکھتے اور بولتے ہیں، درس میں افہام و تفہیم کا انداز بہت عمدہ اور نرالا ہے۔ جس کے تمام طلبہ مداح ہیں۔ مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، جس کا اثر دوران درس بھی گاہ بگاہ ظاہر ہوتا ہے: اس سے طلبہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے، مولانا کامیاب مدرس، بہترین قلم کار ہونے کے ساتھ بہت اچھے مقرر بھی ہیں۔ آپ کی تقریریں صاف شستہ سلیجھی ہوئی اور مؤثر ہوتی ہیں متعدد مرتبہ آپ دارالعلوم دیوبند کے ناظم امتحان رہے اور اب ماشاء اللہ تین سال سے دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم ہیں۔

تصانیف:

آپ نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، چنانچہ کئی عمدہ کتابیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں اور علمی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، ان میں فتاویٰ عالمگیری جز ۱۵ (کتاب الایمان) کا ترجمہ ”تحسین المبانی فی علم المعانی“ میں ضمیمہ کا اضافہ، عبدالمجید عزیز الزندانی الیمنی کی کتاب ”التوحید“ کا ترجمہ جو تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ حصوں پر مشتمل رد مودودیت پر محاضرے جو دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شائع کئے گئے، آپ کے گراں قدر قلمی شاہکار ہیں۔ اللہ کرے اور زور قلم زیادہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین کے لئے مزید قوت سے نوازے (آمین)





حضرت مولانا قمر الدین صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا قمر الدین صاحب علم و عمل اور اخلاق و کردار کی ایک واضح علامت ہیں، تقویٰ و طہارت میں امتیازی شان رکھنے کے ساتھ دعوت و اصلاح کے جذبے سے بھی معمور رہتے ہیں۔ طلبہ دارالعلوم کی علمی تربیت کے ساتھ عملی راہنمائی میں بھی پوری توجہ سے مصروف ہیں۔ اکثر و بیشتر دارالعلوم کی مسجد قدیم میں عصر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر اصلاحی ارشادات سے طلبہ کو نوازتے ہیں۔ جس سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے، طلبہ میں اصلاح طلب امور کو دیکھ کر فوراً آپ بے چین ہو جاتے ہیں اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلانا آپ کا معمول بن گیا ہے۔ رسوخ فی العلم، تواضع، قناعت، سادہ مزاجی، ایثار، اخلاص و اللہیت، عشق الہی اور عشق رسول میں سرمست اور بلا خوف ملامت منکر پر نکیر وغیرہ آپ کے خصوصی اوصاف ہیں۔

آپ کے والد محترم کا نام الحاج ”بشیر الدین احمد“ مرحوم ہے۔ ۲ فروری ۱۹۳۸ء کو ضلع گورکھپور (یوپی) کے مردم خیز قصبہ ”بڑھل گنج“ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا وصی اللہ صاحب قاسمی سے حاصل کی، پھر ”مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ“ میں ایک سال گزارا، بعد ازاں اپنے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مشرقی یوپی کی معروف و مشہور درس گاہ ”دارالعلوم مونا تھہ بھجن“ میں داخل ہوئے۔ یہاں آپ نے ”ملاحسن، منتنبی، مختصر المعانی اور ہدایہ اولین وغیرہ“ کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۴ء میں ایشیاء کی سب سے عظیم دینی و علمی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اس وقت کے مقتدر و مشاہیر علماء سے کسب فیض کر کے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً دو سال فنون کی تکمیل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم ”حسامی کا درس حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے لیا۔ دارالعلوم میں فنون کی تکمیل کے بعد اپنے مخدوم و مکرم استاذ محترم حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی کے ایماء پر ”مدرسہ عبدالرب“ دہلی میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ وہاں آپ نے کم و بیش آٹھ سال گزارے، اس درمیان دہلی کی ایک جامع مسجد میں تفسیری مشغلہ بھی جاری رکھا، دہلی میں آپ کے اس تفسیری بیان کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ آپ کے اس سلسلہ درس قرآن سے خواتین بھی مستفید ہوتی تھیں، اور اس سے ان کی کافی اصلاح ہوئی۔

۱۹۶۶ء میں حضرت العلام مولانا ابراہیم بلیاوی کے توسط سے آپ کو دارالعلوم میں عربی درجات کی تدریس کے لئے منتخب کیا گیا، چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت سے آج تک تادم تحریر تدریسی سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں ”مسلم شریف، نسائی شریف، اور تفسیر بیضاوی“ جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس ہیں۔ آپ کی درسی تقریریں عام فہم اور مربوط اور مسلسل ہوتی ہیں دوران درس اس موضوع سے ہٹ کر گفتگو نہیں فرماتے، البتہ اپنی خصوصی عادت دعوت اور اصلاحی مزاج کے باعث اصلاحی باتیں ضرور ارشاد فرماتے ہیں۔

راہ سلوک میں آپ کے پہلے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں۔ ایک عرصہ تک اصلاح و ارشاد کا یہ سلسلہ حضرت موصوفؒ ہی سے قائم رہا، پھر جب شاہ وصی اللہ صاحب رحلت فرما گئے تو آپ نے اپنا اصلاحی تعلق محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حق ہر دوئی نور اللہ مرقدہ سے قائم کیا اور انہیں سے آپ کو اجازت و خلافت بھی حاصل ہوئی۔ ماشاء اللہ آپ نے یہ مبارک اور اصلاحی سلسلہ ارشاد و سلوک کو بھی قائم رکھا ہے، دارالعلوم کے صدر دروازہ کے سامنے ”طیب مسجد“ میں عصر کی نماز کے بعد آپ کی اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں کثیر تعداد میں طلبہ اور دیگر مسترشدین جمع ہو کر روحانی فیض حاصل کرتے ہیں، اللہ آپ کے فیض کو مزید عام فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت نصیب فرمائے۔



حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی مدظلہ

ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

ولادت :

موضع جوڑھا پور، ضلع گونڈہ میں ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے

تعلیم کا آغاز :

ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی، پرائمری تک اپنے گاؤں سے ”مدرسہ عثمانیہ“ میں اور پرائمری پنجم کی تکمیل کے بعد فارسی اور عربی کا آغاز بھی یہیں کیا اور چند ابتدائی عربی کتب پڑھیں۔ بعدہ ضلع بہرائچ کے مشہور اور نہایت نیک نام ”مدرسہ نورالعلوم، بہرائچ“ میں باضابطہ داخلہ لیا۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر :

”مدرسہ نورالعلوم، بہرائچ“ میں عربی سوم تک پڑھنے کے بعد ایشیاء کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا اور ۱۹۷۶ء میں داخلہ لیکر ۱۹۷۳ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ دورہ حدیث شریف میں آپ کے اساتذہ یہ حضرات تھے:

بخاری شریف جلد اول فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب سے شروع کی، مگر اسی سال ماہ صفر میں آپ کے انتقال کے بعد ایک عشرہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے پاس۔ بعدہ ایک ہفتہ فخر الحسن صاحب سے پڑھتے ہوئے نئے نظام کے تحت حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی سے پڑھ کر بخاری جلد اول ختم کی اور مسلم شریف بھی آپ ہی سے پڑھی۔ بخاری شریف جلد ثانی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے، ترمذی شریف مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی سے، ابوداؤد حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے، نسائی شریف حضرت مولانا حسین صاحب بہاری سے، ابن ماجہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری سے، طحاوی شریف حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سے، موطا امام مالک حضرت مولانا نعیم احمد صاحب اور موطا امام محمد حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی سے پڑھی، دورہ حدیث شریف میں اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔

شعبہ تکمیل افتاء میں داخلہ :

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد ایک سال شعبہ افتاء میں داخلہ لے کر افتاء کیا۔

آغاز تدریس :

تکمیل افتاء سے فراغت کے بعد ایک سال بحکم اہتمام ”مدرسہ اسلامیہ جوڈھپور، راجستھان“ میں بحیثیت صدر مدرس اور قائم مقام مہتمم ایک سال خدمت انجام دی۔

۱۹۷۵ء تک ”مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ“ میں اور ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک ”مدرسہ جامع العلوم، پٹکا پور، کانپور“ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے آپ کانپور سے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔

انداز تدریس :

حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند کے نہایت نیک نام اساتذہ میں سے ہیں، آپ کا درس خیر الکلام ماقول و مادل کے مصداق نہایت نپا تلا ہوتا ہے۔ انداز درس اور افہام و تفہیم میں انفرادی شان رکھتے ہیں طلبہ کے درمیان بیحد مقبول ہیں۔

۲۰۰۸ء میں آپ کو درجہ علیا کی تدریس پر فائز کیا گیا اور ساتھ ہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے آپ کو مجلس تعلیمی کا ناظم بھی مقرر کیا۔

مزاج و طبیعت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت سلجھے مزاج اور سلامتی طبع سے نوازا ہے، فہم و فراست، سنجیدہ مزاجی اور اصابت رائے کے عنوان پر آپ دارالعلوم میں معروف ہیں، اللہ تعالیٰ دارالعلوم میں عافیت کے ساتھ بیش از بیش تدریسی اور انتظامی خدمات لے اور قبولیت عامہ و تادمہ سے نوازے۔ (آمین)



حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری مدظلہ العالی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند:

ولادت..... ۱۵/ جنوری ۱۹۵۲ء فراغت..... ۱۳۹۳ھ

جائے پیدائش: مجاہد پورہ، ڈاکخانہ بھاڈ، تحصیل کھیراؤ، ضلع مہسانہ، شمالی گجرات۔

ابتدائی تعلیم کچھ تو ہر دیوانہ میں مولانا اسماعیل صاحب سے اور والد صاحب سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۸۲ھ میں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوری کے ہمراہ دیوبند تشریف لے آئے اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کے یہاں حفظ قرآن کا آغاز کیا، مگر کچھ دنوں بعد حفظ کی پوری ذمہ داری حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب نے لے لی اور اپنی فطری صلاحیت کے زیر اثر کل ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں آپ کو ایک مکمل کامیاب حافظ بنادیا۔ ۱۳۸۴ھ میں اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ راندیر (سورت) تشریف لے گئے۔

فارسی کی تعلیم اپنے برادر محترم سے حاصل کی جبکہ عربی اول، دوم (راندیر، سورت) میں پڑھی، پھر کافیہ شرح جامی اور مختصر المعانی وغیرہ کتب مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے اور ۱۳۹۳ھ میں باقاعدہ دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ ۱۳۹۴ھ میں تکمیل ادب اور ۱۳۹۵ھ میں دارالافتاء میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب سے ”طحاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، اور میبذی“ میں شرف تلمذ حاصل کیا۔

شوال ۱۳۹۵ھ میں ”کنز مرغوب پٹن، شمالی گجرات“ میں تدریس کا آغاز کیا، یہاں دو سال تک مشکوٰۃ وغیرہ کا درس دیتے رہے، بعد ازاں ”تاراپور، ضلع کھیڑ، گجرات“ میں دو سال دورہ حدیث کی کتابیں پڑھائیں۔ اسی طرح ”امداد العلوم، وڈلی، ساہراکانٹھا، گجرات“ میں درس و تدریس کا موقع ملا۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا اس وقت سے تاہنوز تدریسی سلسلہ جاری ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے اہم تصنیف ”الخیر الکثیر شرح فوز الکبیر، اصلاح معاشرہ، آداب اذان و اقامت، رضا خانیت کے موضوع پر ۸۶ محاضرات اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند پر چند ضمیمے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مستقل پتہ: گجرات بک ڈپو محلہ قلعہ دیوبند، پن: ۲۴۷۵۵۴



ساتواں باب

اوصاف و کمالات

اور امتیازات و خصوصیات

علمی کمالات:

آپ کو تمام علوم و فنون، منقول و معقول میں درجہ کمال حاصل تھا، اشیاء کی سب سے عظیم دینی درسگاہ ”دارالعلوم دیوبند“ میں کم و بیش ۶۵ سال تک علوم و فنون کی تدریس میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں تقریباً چالیس سال درس حدیث دیا۔ اس لئے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے ذہن میں محفوظ تھا اور ہر طرح کے مسائل سے متعلق احادیث ہمہ وقت متحضر رہتیں۔ حدیث کی مسلسل تدریس کی وجہ سے آپ پر اس فن شریف کا غلبہ تھا، درس کی خصوصیات میں یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ حدیث کے مفہوم کو دوسری احادیث پیش کر کے اس کی صحیح اور حقیقی مراد کو متعین فرماتے تھے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ذخیرہ حدیث پر پوری نگاہ ہو۔

حدیث شریف میں آپ کے تبحر اور عمق کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ کئی ہزار علماء اور فضلاء آپ کے لئے ”شیخ الحدیث“ کا لقب پسند کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تو انہوں نے خود اس کا مشاہدہ کیا کہ اس وقت مشیخت حدیث کا لقب صرف آپ کو جتا ہے۔ آج سینکڑوں علماء اور فضلاء کے پاس آپ کی درسی تقریریں ضبط کی ہوئی ہیں ان کو دیکھ کر اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت کا علم حدیث کس درجہ کا ہے، اور اس فن شریف میں آپ کی نگاہ کتنی وسیع اور دقیق تھی۔ علماء کے درمیان علم حدیث کی مہارت اور تبحر تسلیم شدہ حقیقت تھی اس میں دورائیں نہیں تھیں۔ علم حدیث کے بعد فقہ کا درجہ آتا ہے اس سلسلے میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں حدیث پر جامع بحث کی جاتی ہے جس میں ائمہ اربعہ کی فقہی مسائل، ان کے مستدلالات اور طریق استدلال پر بھی توجہ دی جاتی ہے اور پھر سراج الامت امام ابوحنیفہ کی رائے کو ترجیح بھی مقاصد درس میں شامل ہوتی ہے۔ اس حیثیت کا درس اسی وقت ممکن ہے جب کہ ائمہ اربعہ کے مسلک اور ان کی فقہ پر تفصیلی نگاہ ہو۔

حضرت والا قدس سرہ چاروں فقہ پر مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے، آپ کے درس میں طلبہ کو کامل تشفی ہوتی تھی، اور ان کی علمی تشنگی کما حقہ یہاں بجھتی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب اگر ایک طرف دور حاضر کے محدث بے بدل تھے تو دوسری طرف وسیع النظر فقیہ بھی تھے۔ آپ کو مسائل فقہیہ پر دسترس حاصل تھی، اسی طرح ان مسائل کے استحضار پر قدرت تامہ بلکہ وسعت علم کی بنا پر اقوال مختلفہ میں مرجحانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کی جزئیات فقہیہ اور روایات مختلفہ حافظہ میں متحضر رہتی تھیں۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ عربی زبان و ادب پر بھی کامل عبور رکھتے تھے، ادب عربی کی زیادہ تر کتابیں آپ نے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر

احمد خان صاحب قدس سرہ العزیز سے پڑھیں۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب سے بھی خصوصی تلمذ رہا۔ حضرت شیخ الادب امرہ ہوی کی مفید ادبی صحبتوں نے آپ کو ادب عربی پر قابو یافتہ بنا دیا تھا۔ پھر چونکہ ستر سال عربی درس و تدریس میں گزارے تھے جس میں ایک عرصہ تک ادب عربی کی کتب بھی آپ کے زیر درس رہیں۔ اس بنیاد پر بھی آپ کو اس فن میں خصوصی طاق حاصل ہو گیا تھا۔ اسی طرح معانی و بلاغت اور دوسرے علوم و فنون جو مدارس عربیہ میں پڑھائے جاتے ہیں، ان پر بھی بڑی تفصیلی نگاہ تھی۔ جب اس فن کی کوئی بات آتی تو آپ کے جوہر کھلتے پھر دیکھنے اور سننے والے ہی سمجھتے کہ یہی آپ کا خاص فن ہے اور اسی کا خصوصیت سے آپ نے مطالعہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے علم کلام کی کتابوں کا بھی ایک طویل مدت تک درس دیا تھا اور چونکہ درس میں آپ کا معمول فن دیکھ کر پڑھانے کا تھا۔ اس لئے دیگر فنون کی طرح اس فن میں بھی آپ کو عبور حاصل ہو گیا تھا۔ اس دوران آپ نے متکلم اسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے جدید علم کلام کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ آپ اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی طرح حضرت نانوتوی کے مباحث کو بعض حیثیتوں سے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مباحث سے دور جدید کے لئے زیادہ مفید بتایا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے علم کلام اور کلامی مباحث سے بہت متاثر اور اس کے قدردان تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں کئی سالوں تک اس فن کی اہم کتاب ”شرح عقائد“ کا درس متعلق رہا۔ اس درس میں آپ سے بے شمار تشنگان علم نے سیرابی حاصل کی۔ اس فن میں آپ کے خصوصی تلمیذ صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علمائے ہند آپ کے درس کی خصوصیات بتاتے ہیں۔

”میں نے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کے پاس ”شرح عقائد، مسامرہ اور مقامات حریریہ“ پڑھیں۔ آپ کا درس صاف ستھرا فن اور کتاب سے متعلق ہوتا تھا طلبہ کو درس سمجھانے میں آپ کو قدرت کاملہ حاصل تھی، آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ہمیشہ درس کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث متعین وقت میں فرمایا کرتے تھے۔

اتباع سنت:

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر پہلو میں اتباع سنت کا رنگ نمایاں تھا۔ چھوٹی سی چھوٹی باتوں میں اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر طرز عمل کیا تھا، گفتگو اور درسی تقریر میں بھی آپ اتباع سنت کو ملحوظ نظر رکھتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسالت مآب، فخر و عالم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو انتہائی صاف اور واضح ہوتی۔ آپ کے جملے الگ الگ اور واضح ہوتے۔ دیکھنے اور سننے والے جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کا بھی انداز گفتگو اور انداز تقریر یہی ہوتا تھا۔ حضرت شیخ کی گفتگو میں ہر بات اور ہر جملہ واضح صاف اور الگ ہوتا تھا۔ کبھی بھی آپ کی گفتگو میں ایسا نہیں ہوتا تھا کہ الفاظ و حروف سمجھے نہ جاسکیں۔

عذر کے باوجود نماز کے لئے مسجد میں حاضری:

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ تمام صفات و خصوصیات میں اسلاف عظام کا مکمل نمونہ اور ان کی سچی یادگار تھے۔ اسلاف دیوبند میں سے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ اپنے معاملے میں ہمیشہ عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط والی راہ پسند فرماتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ اسی لئے امراض میں کیسا بھی شدید مرض کیوں نہ ہو، کبھی بھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہا رے سے کھڑے ہو کر پڑھ سکیں اس وقت اسی طرح پڑھیں کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لے کر کھڑے ہو گئے اور قیام، رکوع اور سجود سب سہارے سے ادا کئے۔ خدام نے ہر چند چاہا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا فرمائیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ ایک روز حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز شرعاً جائز ہوگی؟

آپ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے، جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں، عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط پر عمل کی ایسی مثالیں بہت کم نظر آئیں گی، یہ اسلاف دیوبند کی خصوصیات اور ان کا طرۃ امتیاز تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ بھی چونکہ انہیں اکابر عظام اور نفوس قدسیہ کے درجہ علمی و عملی کے امین اور ان کی عظیم و شاندار روایات کے محافظ تھے، اس لئے آپ بھی پوری زندگی عزیمت اور اقرب الی الاحتیاط والی راہ پر گامزن رہے۔ آپ زندگی کے آخری دنوں میں کئی قسم کے عوارض سے دوچار تھے۔ جس میں گھٹنوں کی تکلیف بہت ہی زیادہ پریشانی کا باعث تھی۔ چلنا پھرنا بہت تکلیف سے ہوتا تھا؛ مگر ایسی حالت میں بھی آپ نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے گھر سے مسجد تشریف لاتے۔ کئی دفعہ خدام نے کہا کہ حضرت! آپ کو عذر ہے، گھر ہی پر نماز پڑھ لیں تو بہتر ہے، مگر آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

تقویٰ اور تدین :

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ صوفی محمد اقبال صاحب نے رسالہ ”اکابر کا تقویٰ“ میں امام غزالی کی کتاب ”تہذیب الدین“ سے تقویٰ سے متعلق ایک وضاحتی مضمون نقل کیا ہے، اسمیں تحریر کیا ہے کہ امام غزالی نے تقویٰ کے چار درجے بیان فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ :

یہ ہے کہ جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے کہ ان کا استعمال نہ کیا جائے؛ ان سے بچنا۔ کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے، یہ عام مؤمن کا تقویٰ ہے۔

دوسرا درجہ :

صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا، کیونکہ علماء نے ظاہری حالت کو دیکھ کر اگرچہ مشتبہ چیز کو حلال کہہ دیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اس وجہ سے وہ شیئ مشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحاء امت اسے بھی استعمال نہیں کرتے۔

تیسرا درجہ :

اتقیاء کا تقویٰ ہے یعنی صرف اس حلال اشیاء کا استعمال جن میں بالفعل کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور آئندہ یا آفت کا خطرہ یا احتمال نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطر چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا اس وقت تک اتقیاء کے درجے تک نہیں پہنچے گا

چوتھا درجہ :

تو بہت اونچا ہے یعنی اس چیز کے کھانے سے بھی پرہیز کرنا جس کے کھانے سے عبادت و اطاعت پر قوت حاصل نہ ہو۔

تقویٰ کی مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں جب ہم اکابر دیوبند کی زندگیوں کو ملاحظہ کرتے ہیں تو دل یہ بات یقین کر لینے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہی جماعت جماعت حقہ اور سچے محبین رسول و صحابہ اور مقلدین اسلاف ہیں، ان حضرات کا تقویٰ کس معیار کا تھا اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ایک مرتبہ حضرت مولانا منیر احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ ہائی سوریہ مدرسہ کی روئیداد طبع کرانے دہلی تشریف لے گئے، اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ آپ نے اس چوری کی کسی کو بھی اطلاع نہیں کی اور اپنے وطن واپس آ کر اپنی زمین فروخت کی۔ اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت مدرسہ چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہو گئی۔ انہوں نے حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو واقعہ لکھ کر حکم شرعی دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے، اس لئے ان پر ضمان نہیں ہے۔ اہل مدرسہ نے مولانا منیر احمد صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے! اور مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ دکھایا، مولانا منیر احمد صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ:

”میاں رشید احمد نے فقہ میرے لئے ہی پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے لئے ہی ہیں، ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو! میں ہرگز دو پیسے بھی نہیں لوں گا“

ذرا غور تو کرو! کس شان کا تقویٰ ہے۔ کم و بیش ایک صدی قبل ڈھائی سو روپے کی کس قدر جائیداد فروخت کرنی پڑی ہوگی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں

(۲) مولانا نصیر احمد خان صاحب کے استاذ خصوصی اور مربی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کے تعلق سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ دفتر ”جمعیتہ علمائے ہند“ دہلی میں قیام فرما تھے۔ نماز عصر کا وقت تھا، خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں۔ حضرت شیخ جب نماز کے لئے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حافظ الرحمن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر پر مسرت لہجہ میں فرمایا کہ: ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ ناظم اعلیٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمن صاحب کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں انہوں نے ہی اس وقت فروخت کی چٹائیاں بچھا دی ہیں۔ حضرت نے جیسے ہی یہ بات سنی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ ان چٹائیوں کو اٹھاؤ! خدام نے عرض کیا عبدالرحمن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں۔ فرمایا نہیں، وہ ان کو غیر مستعمل اور نئی بتا کر فروخت کریں گے؛ حالانکہ یہ استعمال میں آچکی ہوں گی، لہذا یہ کب درست ہوگا؟ چنانچہ چٹائیاں اٹھا دی گئیں۔ یہ تھے اسلاف دیوبند اور ان کا تقویٰ۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ بھی چونکہ اسی پاکیزہ سلسلے کی ایک روشن اور مبارک کڑی تھے اس لئے آپ کی زندگی بھی تقویٰ و طہا رت اور تدین و اخلاص سے پر تھی۔

حضرت والا قدس سرہ ایک طویل عرصہ تک تملنا ڈو کے ایک مشہور شہر ”کوئٹہ“ قرآن پاک کی تفسیر اور اصلاح و دعوت کے لئے جاتے رہے۔ اس عرصہ میں بے شمار افراد کو آپ سے وابستگی ہوئی۔ ان میں امراء، علماء، غرباء سب تھے۔ ان میں سے کئی لوگ آپ کو مدعو کرنا چاہتے تھے مگر آپ کسی کے یہاں جانے سے حتی الامکان احتراز فرماتے تھے؛ لیکن جب ان کی طرف سے اصرار میں مبالغہ ہوتا تو آپ صاحب دعوت کی مکمل تحقیق اور اس کے کاروبار اور پاکیزہ کمائی کے تعلق سے مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی کی دعوت قبول کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح ہدیہ قبول کرنے میں بھی آپ کا معمول یہی تھا اگر کسی کی کمائی کے تعلق سے آپ کو ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو آپ ہرگز اس کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی ۶۵ سالہ طویل تدریسی خدمات میں کوئی ایسا بھی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے آپ کے تقویٰ اور تدین پر آنچ آتی ہو۔ آپ نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے احتیاط کو پسند کیا، حتیٰ کہ طہارت، نظافت، معاملات، اخلاق، معاشرت سب میں آپ پر احتیاط والا رویہ غا لب تھا۔ درس کے اوقات کی پابندی میں آپ ضرب المثل تھے۔ آپ کے یہاں اوقات درس میں کتر بیونت بڑا معیوب عمل تھا۔ آپ کو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنی طویل المیعاد تدریسی مدت میں اوقات درس کا مکمل لحاظ کیا۔

تواضع اور خدمت خلق:

تواضع انسانی اخلاق و کردار کا وہ امتیازی جوہر ہے، جس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا وصف ہے اور تکلفاً اور بسا اوقات رسماً بھی اس کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن وہ اظہار تواضع درحقیقت کبر اور غرور ہی کی ایک شکل ہے ایسی تواضع نہ شرعاً کوئی قیمت رکھتی ہے نہ اخلاق میں اس کا کوئی درجہ و مقام ہے۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ ایک طرف ایشیاء کی سب سے عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین تھے، دوسری طرف ہزاروں عقیدتمند شاگردوں کے مرکز توجہ اور مرکز عقیدت و محبت۔ جن میں سے ہر ایک اس بات کا منتظر کہ شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنے کا

شرف اور عزت حاصل کر لے۔ ایسا محترم اور معزز اور علمی جلالت کا انسان اگر تواضع و انکسار کے وصف سے متصف ہے تو یہ اس کے کمال تقویٰ و زہد و اتقائی شرف اور عزت حاصل کر لے۔ تواضع و انکساری حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی وہ خصوصیت تھی کہ جس میں معاصر مشائخ میں سے کوئی آپکا شریک و ہم نظر نہیں آتا تھا۔ آپ کے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ بھی تواضع و انکساری میں منفرد و ممتاز تھے۔ اور آپ ہی کی تربیت خاص سے یہ مبارک اثرات مولانا نصیر احمد خان صاحب میں منتقل ہوئے تھے۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کی تواضع و انکساری ہی کی بات تھی کہ آپ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ ملاقات کرنے والا جو بھی آتا اگرچہ وہ شاگرد ہی ہوتا آپ خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے، اور اکثر استقبال و ملاقات کھڑے ہو کر کرتے تھے۔ دارالعلوم کے اساتذہ جو زیادہ تر آپ کے شاگرد ہی تھے۔ آپ کے پاس ملاقات کے لئے اکثر عصر کے بعد آتے تھے۔ ان میں کئی عمر کے لحاظ سے بھی بہت چھوٹے تھے؛ مگر آپ ان کے ساتھ بھی بڑے متواضعانہ انداز میں ملتے، اور پھر اس وقت حیرت کی انتہا ہو جاتی جب آپ ان حضرات کے آنے پر مکان میں تشریف لے جاتے اور واپسی میں اپنے ہی ہاتھ میں چائے وغیرہ لاتے تھے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں فرماتے، بلکہ چائے اپنے مبارک ہاتھوں سے فجان میں نکالتے اور مہمانوں کو پیش کرتے۔ آپ کا یہ معاملہ اس وقت حاضر طلبہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا کہ آپ ان کو بھی چائے نکال کر بڑی عزت سے پیش کرتے تھے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کے اعلیٰ درجے کے متواضع اور منکسر المزاج ہونے کی گواہی وقت کے بڑے بڑے اہل علم نے دی ہے۔

آپ کے شاگرد خصوصی اور دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا عبد الرؤوف صاحب افغانی حال استاذ ”دارالعلوم کراچی، پاکستان“ نے اپنے عربی کے مضمون میں (جو حضرت کے تعلق سے بہت جامع مضمون ہے) کئی اساطین علم کے وہ اقوال جو حضرت کی شان میں ہیں، نقل کئے ہیں۔ ان میں تقریباً تمام ہی اہل علم حضرات نے حضرت شیخ الحدیث کی تواضع والی صفت کو خصوصیت سے ذکر کیا ہے، مثلاً محدث کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی حضرت والا کے سلسلے میں وقیع رائے اور قیمتی جملے اس طرح نقل کئے ہیں:

”کان فضیلة الشيخ الراحل یراعی حقوق اللہ و حقوق عبادہ لا یؤذی احداً و کان ذاتواضع جم“

حضرت شیخ حقوق اللہ و حقوق العباد کا یکساں لحاظ رکھنے والے اور کسی کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دینے والے اعلیٰ درجے کے متواضع پیکر تھے۔ حضرت کے سلسلے میں مولانا ابراہیم صاحب کے خلیفہ و مجاز اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث و سابق ناظم تعلیمات حضرت مولانا قمر الدین صاحب مدظلہ العالی کی رائے گرامی اس طرح نقل کی ہے:

”کان استاذی فضیلة الشيخ نصیر احمد خان صاحب یمتاز بحسن الخلق و التقویٰ و التواضع و الاعتدال“

استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب حسن اخلاق، تقویٰ، تواضع اور اعتدال و میانہ روی میں ممتاز تھے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ:

”ومن تواضعه انه رآنی ذات مرة وانا احمل فی یدی البقول من السوق و قال اعطنی ایها حتی اوصلها الی منزلک“

ان کی تواضع کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ میرے ہاتھ میں وہ سبزیاں دیکھ کر جو میں بازار سے ہاتھ میں اٹھا کر لا رہا تھا، بے ساختہ مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی! یہ سبزیاں میں تمہارے گھر پہنچا دوں گا، مجھے دیدو!

پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی کے وقیع جملے حضرت والا کے سلسلے میں اس طرح نقل کئے ہیں:

”لما کنت طالبا سافرت من ”کراتشی“ الی ”مدینة“ ”دیوبند“ مع والدتی فبقیت مدة فی مدینة دیوبند و اغتنت الفرصة

و شارکت فی دروس الشیخ العلامة نصیر احمد خان فی جامعة دیوبند، فاستفدت منه فی ”المقامات الحریریة“ و ”شرح الکافیة لعبد الرحمن العجّامی“ و جدته مدرسا ناجحا، و متمتعا بحسن الخلق و التواضع، و قادر اعلیٰ افهام الطلاب بطریق سهل.

حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی نے حضرت کے ساتھ اپنے تلمیذانہ تعلق کا اشارہ کیا ہے، حضرت تقی صاحب مدظلہ کا حضرت والا سے تلمذ اس وقت

رہا جب آپ زمانہ طالب علمی میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ چند دنوں کے لئے دیوبند آئے تھے تو آپ نے فرصت کے لحاظ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے درس میں حاضری دے کر قیمتی بنائے۔ حضرت سے آپ کا یہ استفادہ و تعلم، مقامات حریریہ اور شرح جامی میں رہا، مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے آپ کے بارے میں بہت واضح انداز میں یہ بات کہی کہ آپ ایک کامیاب مدرس اور حسن اخلاق اور تواضع سے بہرہ ور انسان تھے، آسان طریقے سے سبق سمجھانے پر آپ قادر تھے۔

آپ کے خادم خاص اور راقم کے والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب استاذ تجوید قرأت دارالعلوم دیوبند جب مادر علمی میں طالب علم تھے، غالباً پنجم یا ششم کا سال تھا اس دوران آپ سخت بیمار ہوئے، ایسے بیمار ہوئے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی دو بھر ہو گیا۔ خاص تکلیف گلے میں تھی۔ ایسے میں کسی نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو والد محترم کی اس بیماری کی اطلاع دی۔ آپ اطلاع پاتے ہی دارالعلوم کے اندر مع رکشہ تشریف لائے، اور والد محترم کو اپنے ساتھ رکشہ میں بٹھا کر ڈاکٹر کے یہاں لے گئے۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوا کے پیسے بھی خود ادا کئے، اور پھر صحت یاب ہونے تک برابر نگہداشت فرماتے رہے۔ یہ تھا حضرت کا متواضعانہ رویہ، اور آپ کا جذبہ خدمت خلق۔

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جس وقت آپ نے دارالعلوم کے اس وقت کے ایک معمولی طالب علم کے ساتھ یہ عظیم الشان سلوک کیا ہے۔ اس وقت بھی آپ ایشیاء کی سب سے عظیم اور مقتدر دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور نائب مہتمم تھے۔ اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ اکابر امت اور اسلاف دیوبند کے سچے جانشین اور ان کی پاکیزہ روایات کے محافظ اور پاسدار اور ان کے علمی و عملی ورثہ کے وارث اور امین تھے۔

خوف و گریہ :

اللہ تبارک و تعالیٰ کا خوف اور پھر اس کی بنیاد پر گریہ و آہ و زاری خداوند قدوس کے نزدیک بڑا محبوب اور اونچا مقام ہے۔ یہ خوف علم و معرفت سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”انما یخشى الله من عباده العلماء“

علماء اور دانشمند لوگ ہی خدائے عزوجل سے ڈرتے ہیں، حضور رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”رأس العلم مخافة الله“

حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو، آپ نے یہ ارشاد فرمایا ”مجھے اپنی عزت کی قسم میں دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کروں گا“، یعنی اگر کوئی شخص مجھ سے دنیا میں ڈرے گا تو آخرت میں اس کو بے فکر رکھوں گا اور اگر دنیا میں بے فکر رہے گا تو قیامت میں اس کو خوف میں رکھوں گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ”تم میں سب سے عقل مند وہ ہے جس میں خدا ترسی سب سے زیادہ ہو“ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت کثیر البکاء تھے۔ روایت ہے کہ آپ خوفِ الہی میں اس قدر روتے تھے کہ آپ کے چہرے پر گوشت باقی نہیں رہا تھا، دانت باہر سے نظر آنے لگے تھے، اس لئے آپ منہ کے دو ٹکڑے منہ پر باندھ لیتے تاکہ لوگ نہ دیکھ سکیں۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عمر فاروق قرآن کی ایک آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے کئی دن تک لوگ آپ کے پاس عیادت کے لئے آتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسو کے بہاؤ کی وجہ سے دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کاش! عمر اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہی نہ ہوتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق لکھا ہے کہ آیت ”یوم تبلى السرائر فما له من قوة ولا ناصر“ پر روتے روتے پوری

رات گزار دی۔

الغرض خوف و گریہ شریعت میں مطلوب و محمود اور اسلاف کا محبوب عمل رہا ہے، وہ تمام حضرات رات کو اٹھ کر روتے تھے، اور بہت روتے تھے، اسلاف دیوبند میں بھی تمام حضرات اس صفت سے منصف اور آراستہ تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ دیگر اداؤں کی طرح اس ادا میں بھی اپنے اسلاف کے مکمل پیرو تھے۔ آپ پر بھی خوف و گریہ غالب تھا۔ آپ کا یہ رونا کبھی اللہ کی محبت میں ہوتا اور کبھی اللہ کے خوف اور فکر آخرت کے باعث ہوتا۔ کئی مرتبہ دو اور ان سبق سرکارِ دو عالم کے متعلق کسی خاص واقعہ کے آنے پر بھی بہت روتے۔ جس سے پتہ چلتا کہ عشق الہی کے ساتھ عشق رسول بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اپنے اکابر بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے تذکرہ کے وقت بھی اکثر آبدیدہ ہو جاتے۔

سال کے آخر میں ختم بخاری کے موقع پر فارغ ہونے والے طلبہ سے بڑی لجاجت سے معافی مانگتے اور کہتے بھی! آپ لوگوں کا جیسا حق ادا کرنا تھا نہ کر سکا۔ اس کے لئے میں آپ حضرات سے معافی مانگتا ہوں اس دوران بھی آپ کی آواز بھڑا جاتی اور آپ رونے لگتے۔

والد محترم حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند جو حضرت والا کے خصوصی خادم بھی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری فراغت کے سال ختم بخاری کے موقع پر آپ پر گریہ طاری ہوا اور آپ روتے ہوئے طلبہ سے معافی کی درخواست کی طلبہ خاموش ہو گئے۔ اس پر پھر آپ نے معافی چاہی اور دینک خاموش رہے، پھر طلبہ میں سے ایک طالب علم کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضرت سب معاف ہے۔ اور آپ سے بھی درخواست ہے کہ آپ بھی اللہ واسطے ہمارے قصور معاف فرمائیں۔

تعلق مع اللہ :

تمام عبادات کا مقصد اور تمام مجاہدات و ریاضات کا حاصل تعلق مع اللہ ہے۔ اس تعلق میں انسان جتنا پختہ ہوگا، اتنا ہی وہ کامل ہوگا۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کو خداوند قدس کا کامل تعلق حاصل تھا، جس کا اثر یہ تھا کہ آپ پر ہمہ وقت فکر الہی اور خوف الہی سوار رہتا۔ آپ کے تمام ارشادات اور تمام ملفوظات حتیٰ کہ تمام تفکرات کا حاصل صرف یہ رہتا کہ ذات واحد سے تعلق مضبوط ہو۔ آپ نے کئی مرتبہ عصر کے بعد والی مجلس میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی کہ ہر قسم کی پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے ایک موقع پر آپ نے فرمایا: آج کل لوگ پریشان ہیں، کوئی کاروبار سے پریشان، کوئی روزی روٹی سے پریشان، کوئی بیماری سے پریشان ہے، کوئی اولاد سے پریشان، کوئی ملکی حالات سے پریشان ہے، کوئی دیگر احوال سے پریشان ہے۔

فرمایا کہ: ہر پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے۔ اللہ سے تعلق پیدا کرو اور زبان سے بھی اللہ کا ذکر چلتے پھرتے کرتے رہو۔ آپ نے فرمایا جب کوئی چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے قلب پر بھی پڑتا ہے اور اس کے احوال میں تبدیلی آتی ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اکابر اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا بھی بہت ضروری ہے، اس سے تین فائدے حاصل ہوں گے

(۱) ذکر اللہ کی توفیق ہوگی

(۲) آخرت کا استحضار نصیب ہوگا

(۳) دنیا کی بے ثباتی معلوم ہوگی

اور جب یہ فائدے حاصل ہوں گے تو تعلق مع اللہ حاصل ہو جائیگا جو ہر پریشانی کا علاج ہے۔

اعلیٰ ظرفی:

ذات واحد کی صفت فیاضی کی بدولت جہاں بے شمار خوبیاں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کو عطا ہوئیں ان میں ایک اہم خوبی آپ کی اعلیٰ ظرفی اور کریم النفسی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ وصف بڑی فیاضی کے ساتھ آپ کو عطا کیا تھا۔ اس سلسلے میں بہت سے واقعات ہیں سے ایک واقعہ قارئین کی

نظر ہے، یہ واقعہ والد محترم حضرت قاری صاحب مدظلہ کی یادداشت سے نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے، آپ لکھتے ہیں کہ:

”ایک روز عصر کے بعد کی مجلس منعقد تھی، حضرت والا بھی حسب معمول رونق افروز تھے۔ واضح رہے کہ ان دنوں آپ کافی علیل چل رہے تھے، پیش کی شکایت تھی، جس کی وجہ سے طبیعت میں بہت نقاہت تھی۔ کمزوری آپ کے چہرے بشرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود معمول کے مطابق واردین و حاضرین کے لئے گھر میں چائے کے لئے کہلا دیا، اور خود ہی چائے لانے کے لئے اندر تشریف لے گئے، اندر سے ساتھ میں نمکین لائے اور حاضرین سے کہا کہ آپ نمکین کھائیں! چائے تیار ہو کر آرہی ہے۔ حاضرین نے (جن میں بیشتر طلبہ تھے) حضرت کے حکم کی تعمیل کی، سب نے نمکین کھائی مگر ایک طالب علم نے ایک چمچ نمکین لے کر بجائے کھانے کے جیب میں رکھ لی، کھائی نہیں۔ پھر چائے آئی تو تمام حاضرین نے چائے پی۔ اور مزے سے پینی شروع کی۔ مگر اس طالب علم نے چائے بھی نہیں لی۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ طالب علم روزہ سے ہے۔ اس لئے نمکین بھی کھانے کے بجائے جیب میں رکھ لی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی! نمکین یوں ہی جیب میں ڈال لی، کسی کا غد وغیرہ میں رکھ لیتے، خیر! ماشاء اللہ آپ روزے سے ہیں؟ بہت اچھا ہے۔ اللہ اور ہمت و قوت عطا فرمائے، اس کے بعد آپ خاموشی سے اندرون خانہ تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد اندر سے ایک کور میں کوئی چیز پیک کر کے لائے اور اس طالب علم کو کہا کہ لو افطار کر لینا! وہ طالب علم بہت شرمندہ بھی ہوا اور خوش بھی۔ آپ کی شفقتوں اور عنایتوں کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے آپ کی حسن سیرت، حسن اخلاق، اعلیٰ ظرفی و ہمدردی اور بلند اخلاقی کا پتہ چلتا ہے۔

اہل علم کی قدر :

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ اعلیٰ درجے کے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ آپ کے یہاں بڑوں کی قدر اور اکرام کا معاملہ تو تھا ہی، چھوٹوں کے ساتھ بھی شفقت کے علاوہ اکرام کا معاملہ ہوتا تھا۔ اہل علم خصوصاً اساتذہ علم دین کی آپ کے یہاں بہت قدر تھی، حتیٰ المقدوران کی آپ ہمت افزائی فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ کے ایک مخلص اور مجلس نشین تحریر فرماتے ہیں انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

”حضرت کی یہ عادت شریفہ تھی کہ اہل علم کی خصوصاً اساتذہ علم دین کی بڑی قدر کرتے ہیں، اور حتیٰ المقدوران کی عزت افزائی فرماتے ہیں، چھوٹوں پر بھی انتہائی شفقت فرماتے ہیں بلکہ بسا اوقات چھوٹوں پر بجائے شفقت کے اکرام کا معاملہ فرماتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں:

”دارالعلوم کے اساتذہ جو تقریباً سب ہی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں اور عمر کے لحاظ سے بھی ان میں بعض بہت چھوٹے ہیں تاہم ان میں سے کوئی صاحب جب مجلس میں ملاقات کے لئے آتے ہیں تو ان کا بھی کھڑے ہو کر استقبال فرماتے ہیں، حالانکہ کئی مرتبہ آپ کو کھڑے ہونے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذ مولانا مفتی راشد صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے (مفتی صاحب گاہ بگاہ تشریف لاتے تھے) حضرت نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو استقبال کے لئے کھڑے ہونے لگے۔ مفتی صاحب نے آگے بڑھ کر آپ کو کھڑے ہونے سے روکنا چاہا اور کہا کہ حضرت! آپ تشریف رکھیں۔ اس پر حضرت والا نے مسکرا کر فرمایا، مجھے کھڑا تو ہونے دیں! چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور مفتی صاحب سے مصافحہ ملا کر ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔“

بلند اخلاقی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد تزکیہ اخلاق یعنی لوگوں کو عمدہ اخلاق اور پاکیزہ اوصاف سے آراستہ کرنا بھی ہے۔ اس کے لئے معلم اخلاق کو خالق اخلاق نے سب سے عمدہ اخلاق و صفات سے براہ راست آراستہ کر کے اس کو قیامت آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنا کر پیش کیا۔ اسی کے ساتھ ان کے عمدہ اخلاق کی گواہی بھی ان الفاظ میں دی ”وانک لعلی خلق عظیم“ اور بیشک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔ امت محمدیہ کو حکم دیا گیا کہ ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۃ حسنہ ہے۔ ان آیات کے پیش نظر ہم سب پر اخلاقِ ربیلہ سے چھٹکارا پانا اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہی پیغام اس طرح دیا گیا ہے کہ ”تخلقوا باخلاق اللہ“ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کرو! ایک حدیث میں اخلاق حمیدہ کو ایمان لانے کے بعد تمام اعمال پر فضیلت دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: ”اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً“ ایمان والوں میں سب سے کامل وہ ہے جو اخلاق میں اعلیٰ ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے ”الدين النصيحة“ دین سراسر خیر خواہی ہے۔ لہذا مومن کسی کا بدخواہ نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص پر بالخصوص دینداروں پر دوسروں کو فائدہ پہونچانا ضروری ہے۔ خواہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ ایمان لانے کے بعد افضل ترین نیکی مخلوق کو فائدہ پہونچانا ہے اس کے برخلاف بد اخلاقی بڑا گناہ ہے۔ اس سے نہ خالق خوش ہوتا ہے نہ مخلوق۔

مشائخ کرام نے درج ذیل دس باتوں کو اخلاق حسنہ کی علامت قرار دیا ہے۔

(۱) لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا۔

(۲) لوگوں کی غم خواری کرنا۔

(۳) حاجت مندوں کے کام آنا۔

(۴) لوگوں کے اچھے کاموں کی مخالفت نہ کرنا۔

(۵) عیب جوئی و عیب گوئی سے بچنا۔

(۶) اپنے عیوب پر نظر رکھنا۔

(۷) کوئی مذمت کرے تو نیک تاویل نکالنا۔

(۸) گنہگار کی معذرت قبول کرنا۔

(۹) میانہ روی اختیار کرنا۔

(۱۰) لالیعنی چیزوں سے پرہیز کرنا۔

علماء نے لکھا ہے کہ بیماریوں میں سب سے بری دل کی بیماری اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری دل آزاری ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے: جس نے کوئی رات اور دن مومن کو تکلیف دے بغیر گزارا، اس نے وہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بسر کی۔ ایسے تمام اخلاق حمیدہ کے عملی پیکر اور جامع محاسن اور مجموعہ کمالات تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ۔ قدرت نے آپ کو خلق محمدی سے نوازا تھا۔

بے شمار لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ جس سے ملتے بشارت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ لوگوں کی غمخواری اور حاجت مندوں کی حاجت برآری آپ کا شیوہ تھا۔ اسی طرح آپ کے معاصرین، تلامذہ یا دیگر علماء کی طرف سے کوئی بھی اچھا کام ہوتا تو آپ کی طرف سے اس کی مخالفت نہ سنی گئی نہ دیکھی گئی۔ عیب جوئی، عیب گوئی سے ہمیشہ دور رہے، کسی کی ٹوہ میں کبھی نہیں رہے۔ اور تو اور کبھی آپ کی مذمت کی گئی یا آپ کے سامنے کسی کی مذمت کی گئی تو آپ نے ہمیشہ اس کی نیک تاویل نکالی۔ اعتدال اور میانہ روی آپ کی فطرت تھی۔ وقار، سنجیدگی اور لالیعنی سے پرہیز کے اسباق آپ کو دیکھ کر سیکھے جاتے تھے۔

بلند اخلاقی کا ایک اور واقعہ:

آپ کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا ایک واقعہ آپ کے صاحبزادہ محترم جناب حافظ ضمیر احمد صاحب نے سنایا کہ: ایک مرتبہ آپ نے گھر کے بازو میں واقع ”لال مسجد“ کے امام صاحب کو اس بات پر ڈانٹ دیا کہ تم سلام پھیرنے کے وقت ”سلام علیکم“ کہتے ہو۔ ”السلام علیکم“ نہیں کہتے۔ شروع کا ہمزہ ادا نہیں کرتے۔ صحیح ادا کرنا چاہئے۔ آپ نے ڈانٹتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تم سے ٹھیک ادا نہیں ہوتا ہے تو تم کھڑے مت ہوا کرو! کیا ضرورت ہے تمہارے

نماز پڑھانے کی؟ امام صاحب کی سعادت مندی تھی کہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہے۔ امام صاحب محلہ ہی کے باشندے تھے اور نو عمر بھی۔ آپ ڈانٹ ڈپٹ کر کے مسجد سے گھر آئے، ابھی گھر میں داخل نہیں ہوئے تھے، باہر ہی بیٹھک کے سامنے کھڑے تھے کہ بھائی ضمیر صاحب (صاحبزادہ محترم) نے کہا: ابا جان! میں نماز میں حاضر تھا، میں نے امام صاحب کا سلام خود سنا ان کا تلفظ بالکل صحیح تھا۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ آخر عمر میں آپ کو ثقل سماعت کا مرض ہو گیا تھا، اس لئے آپ پورا تلفظ سن نہ سکے۔ خیر! بھائی ضمیر صاحب کی بات سن کر آپ وہیں گھر سے باہر ہی رک گئے، اندر نہیں گئے۔ آپ نے امام صاحب کو بلایا اور ان سے کھلے لفظوں میں معافی مانگی۔ آپ نے صاف کہا کہ بھائی میں سن نہیں سکا تھا، غلط فہمی میں آپ کو ڈانٹ دیا، مجھے معاف کر دو! اس پر امام صاحب بڑے شرمندہ ہوئے اور حیرت زدہ ہوئے کہ ایک ایسا عظیم انسان ایک ادنیٰ طالب علم سے اس طرح معافی مانگ رہا ہے۔ وہ خاموش ہو گئے تو اس پر حضرت نے پھر کہا کہ بھائی معاف کر دو! بالآخر جب انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے معاف کیا تو اس وقت آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت نے پوری زندگی اس طرح گزاری کہ آپ نے کبھی بھی دوسرے کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ مخاطب کو میری بات سے تکلیف ہو رہی ہے تو آپ فوراً معذرت چاہتے تھے۔

عالمانہ وقار:

علماء کے لئے اعلیٰ وقار کے ساتھ زندگی گزارنا بہت ضروری ہے، اس لئے کہ وقار نہ ہونے سے وقعت ہی رخصت ہو جاتی ہے۔ علمائے سلف میں علمی وقار کی حفاظت کا بہت اہتمام رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اگر اہل علم اپنے علم کے وقار کو بچا کر رکھیں تو ساری دنیا کی سرداری انہیں اس علم کی وجہ سے نصیب ہوگی لیکن وہ اہل دنیا سے مال و دولت کے حصول کے لئے اپنے علم کو استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا والوں کی نگاہوں میں ان کا مرتبہ گر جاتا ہے“

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی ایک موقع پر اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ: ”اگر حاملین علوم نبوت علم کے تقاضوں کو بجالائیں تو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نیک لوگوں کے محبوب بن جائیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھ جائے“

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ علماء اپنے علم سے صرف دنیا طلب کر رہے ہیں جس کی بنا پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسند قرار پاتے ہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں، دیکھنے میں بھی یہی آیا ہے کہ عزت و احترام انہیں علماء کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے اعلیٰ وقار کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ اس صفت میں بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ بہت ہی باوقار اور صاحب وجاہت عالم تھے۔ کئی اہل علم کی شہادت کے مطابق آپ اپنے زمانے میں اعلیٰ درجے کے صاحب وقار عالم دین تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور زندگی کے تمام شعبے عالمانہ وقار کے آئینہ دار تھے۔ آپ کا طرز زندگی، آپ کی معاشرت، آپ کے معاملات، آپسی روابط، گفتگو، تقریر، درس، نشست و برخاست حتیٰ کہ آپ کی چال و رفتار سب میں وقار تھا۔ ایک موقع پر احقر حضرت والا قدس سرہ کو دارالعلوم دیوبند میں درس کے لئے بلانے گیا، اس وقت حضرت والا پر ضعف و نقاہت کا کافی اثر تھا، اسلئے آپ رکشے میں تشریف لاتے تھے۔ میں نے آپ کو سائیکل رکشہ میں سوار کر دیا اور پیچھے رکشے کا ساتھ دینے کے واسطے دوڑتا ہوا چلا۔ آپ نے جیسے ہی محسوس کیا کہ میں رکشے کے پیچھے دوڑتا ہوا آ رہا ہوں۔ تو زور سے فرمایا کہ ”مولوی صاحب!!! اس طرح دوڑتے ہوئے نہ آؤ! یہ عالمانہ وقار کے خلاف ہے۔“

آپ جب صدر دروازے سے دارالحدیث کی جانب درس کے لئے تشریف لاتے تو آپ کی باوقار رفتار ہی سے آپ کی عظمت کا اندازہ ہوتا تھا۔ آپ کا ہر قدم برابر رکھا جاتا، اسی طرح آپ کے عصا اٹھانے کا انداز بھی بڑا خوبصورت اور انوکھا تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس کی آپ نے باقاعدہ مشق کی ہے، لیکن ایسا نہیں تھا۔ قدرت نے آپ کی فطرت ہی میں اعتدال، توازن اور وقار و سنجیدگی کو رکھا تھا۔ آپ کے عالمانہ وقار ہی کی بات تھی کہ آپ بہت سے نفع

بخش اسفار کی دعوت بڑی بے نیازی سے رد فرمادیا کرتے تھے۔ آپ کے سینکڑوں تلامذہ بیرون ممالک میں ہیں، ان میں سے بعض بہت اصرار کے ساتھ آپ کو بلانا چاہتے مگر آپ کتاب اور تعلیم کے حرج کا عذر فرمادیتے۔

آپ نے اپنے علمی وقار اور شخصیت کے جاہ و جلال کو اس طرح بھی باقی رکھا کہ آپ کبھی کسی کی ڈیوڑھی پر قدم نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ، گھر، مسجد یہ تین جگہیں تھیں، جو آپ کی تمام تر توجہات اور دلچسپیوں کا مرکز تھیں۔

زہد واستغناء:

زہد واستغناء شریعت کی نگاہ میں مطلوب بھی ہے اور محبوب بھی۔ خود فخر موجودات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زہد واستغناء کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اگر آپ چاہتے تو اپنے لئے دنیا کی ہر زیب و زینت جمع فرمالیتے، لیکن آپ نے اپنے لئے زہد کو پسند فرمایا۔ حضرت سہل ابن سعدیؓ کی روایت ہے کہ:

”ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے! جو مجھے اللہ تعالیٰ اور لوگوں میں محبوب و مقبول بنادے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ازهد في الدنيا يحبك الله وازهد في ما في ايدي الناس يحبك الناس“ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلو! اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا اور لوگوں کے مال و دولت سے نظریں پھیر لو تو لوگوں کی نگاہ میں محبوب بن جاؤ گے۔

یہ حقیقت اور واقعہ ہے کہ زہد سے متصف ہوئے بغیر لوگوں کے قلوب متوجہ نہیں ہوتے، جہاں ذرا سلا لچ کا شبہ ہو ادنیٰ منصب کی عزت و انعام ہوا جاتی ہے جب کہ زہد واستغناء سے لوگوں کے دل متوجہ ہوتے ہیں اور دنیا بھی قدموں میں آکر گر جاتی ہے۔

ہمارے ممدوح حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ دیگر اسلاف دیوبند کی طرح زہد واستغناء سے بدرجہ کمال متصف و آراستہ تھے۔ آپ نے پوری زندگی زہد واستغناء کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ آپ زاہدین اور متوکلین سے محبت رکھتے، اسی کے ساتھ خود بھی زہد و توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذ محترم حضرت مولانا محمد ساجد صاحب قاسمی زید مجدہ نے اپنے عربی مضمون میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی سب سے بڑی خصوصیت قناعت اور زہد کو شمار کرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”أكبر مزاياه وأعظمها في نظري هو قناعته وبعده عن المال والمادة، ونأي الجانب عن كل ما يسيئ الى الناس، واحتفاظه بحياته

الروية التي لم يجد عنها قيد أنملة مدى عمره“

آپ کی سب سے بڑی خوبی و خصوصیت میری نگاہ میں وہ آپ کی قناعت، مال و منال سے دوری، اور لوگوں کی نگاہ میں برا بنادینے والی چیزوں سے کنارہ کشی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی پوری زندگی زہد واستغناء کے ساتھ گزری ہے۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کا جب دارالعلوم دیوبند تقرر ہوا ہے تو اس وقت آپ کی تنخواہ بہت قلیل تھی، پھر اخیر تک بھی آپ کے اخراجات کے حساب سے کم ہی رہی مگر سب جانتے ہیں کہ حضرت اسی معمولی تنخواہ میں اپنی اور اپنے اہل کی کفالت کرتے رہے۔ ایک زمانے میں آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے معزز عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ پوری دنیا میں چاروں طرف آپ کے شاگرد گان خوشحال پھیلے ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں آپ چاہتے تو کئی طرح سے مال و دولت کا ڈھیر لگا سکتے تھے مگر آپ نے ہر حال میں زاہدانہ زندگی کو ترجیح دی اور مال و دولت کی طمع کو کبھی قریب نہ پھٹکنے نہیں دیا۔

سخاوت اور مہمان نوازی :

دنیا سے بے رغبتی اور استغناء کا حیرت ناک فطری اثر سخاوت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو شخص جتنا بڑا زاهد اور مستغنی ہوگا اتنا ہی وہ سخاوت کرنے والا ہوگا۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”سخی شخص اللہ سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ اس کے برخلاف بخیل شخص اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ اور بے علم سخی اللہ کے نزدیک بخیل عبادت گزار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت اور دریادلی میں سب پر فائق تھے۔ آپ سے بڑا سخی آج تک کوئی نہیں ہوا۔ آپ کی سخاوت فیض پہنچانے والی تیز رو ہواؤں سے زیادہ تھی آپ کے بعد آپ کے صحابہ میں بھی سخاوت کا عنصر بہت غالب تھا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا، مہمانوں کی ضیافت، صلہ رحمی میں خرچ کرنا ان کی عادت بن گئی تھی۔

ٹھیک اسی طرح اکابر امت، بزرگان دین، فقہاء و محدثین اور اخیر میں علمائے دیوبند وصف سخاوت اور مہمان نوازی میں بہت ممتاز رہے ہیں۔ اکابر امت کے اس مبارک سلسلوں کی زریں کڑی حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ ہیں، اس لئے آپ میں بھی وصف سخاوت خصوصی طور پر نمایاں تھا۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی کے واقعات اور مثالیں بے شمار ہیں، سب کا احاطہ دشوار ہے، اسلئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) آپ کے یہاں کئی نادر طلبہ کی کفالت کا مستقل کام معمول تھا، بالخصوص بنگال کے طلبہ آپ کے خدام رہتے۔ ان کی دیکھ ریکھ، کھانے پینے کا نظام اور ان کی تمام ضروریات کا تکفل آپ اپنے ذمہ رکھتے تھے۔ ایسے ہی ایک طالب علم ”عارف اللہ“ نام کے آپ کی خدمت میں رہتے تھے، بہت غبی تھے۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ نہ ہو سکا۔ حضرت والا قدس سرہ نے کہیں سے سفارش کروا کر داخلہ کروایا۔ عارف اللہ کا داخلہ ہو گیا اور دارالعلوم میں پڑھتے رہے مگر برابر حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں بھی مشغول رہے؛ چونکہ بہت نادر تھے اس لئے حضرت والا قدس سرہ کے مرام خسروانہ سے برابر مستفیض ہوتے رہے، ایک موقع پر انہوں نے حضرت والا سے کہا کہ: حضرت! بہن کی شادی فلاں تاریخ کو طے ہو گئی ہے، دعا کی درخواست ہے۔ اس پر حضرت والا قدس سرہ نے ایک خطیر رقم شادی کے اخراجات کے لئے ان کے حوالے کی اور پھر درس بارہ جوڑے ان کی ہمشیرہ، والدہ اور دیگر رشتہ داروں کے واسطے تیار کر وا کر دئے۔ حضرت والا کی اس عنایت پر عارف اللہ خوشی سے پھولے نہ سارے تھے۔

(۲) بنگال کے رہنے والے مولانا شوکت صاحب بھی آپ کے الطاف و عنایات کے خصوصی مورد رہے۔ موصوف دارالعلوم میں تعلیم جاری رکھتے ہوئے حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں برابر مشغول رہے۔ حضرت والا نے ان کے دیوبند میں رہنے تک ان کی تمام ضروریات کا بڑی توجہ کے ساتھ خیال رکھا اور پھر جب وہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن چلے گئے اور ان کو ضرورت معاش کے لئے کاروبار کی ضرورت ہوئی تو حضرت والا قدس سرہ نے ان کو تجارت اور دکان چلانے کے لئے مکمل مالی تعاون فراہم کیا۔

(۳) حضرت کا تعلق خوشحال اور رئیس گھرانے سے تھا اس لئے پُرکھوں سے ایک بڑی جائیداد آپ کے حصے میں بھی آئی تھی، جائیداد میں ایک بہت بڑا حصہ کاشت کی زمینوں کا تھا، اسکی مکمل دیکھ ریکھ ملازمین کے ہاتھوں میں تھی۔ ادھر حضرت والا تعلیم و تعلم میں ایسے مشغول ہوئے کہ زمین کی طرف سے دھیان ہی بٹ گیا۔ ملازمین و کام کرنے والا یہ طبقہ بلا شرکت غیر تمام محصول اور محصول کا مالک بنا رہا۔ وفات کے چند سال قبل ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہوا اور ان زمینوں کا معاملہ صاف کرنے کے لئے حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں دیوبند آئے۔ حضرت والا نے ان حضرات کی بہت مدارات کی اور آنے کی غرض معلوم کی۔ ان حضرات نے بتایا کہ حضرت! آپ کی زمین ہمارے پاس ہے۔ ایک عرصے سے ہم اسے استعمال کر رہے ہیں اسلئے اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ یہ زمین ہم کو باقاعدگی سے عنایت فرما کر اس کی قیمت وصول کر لیں! حضرت والا نے جواب میں کہا کہ: بھئی وہ تو سب تمہاری ہے۔ مجھے اب واپس نہیں لینا ہے اور نہ ہی اس کی قیمت لینا ہے، اس طرح سے آپ نے پُرکھوں سے ملی لاکھوں کی جائیداد بلا کسی معاوضہ کے ان

حضرات کو ہبہ کر دی۔ ایسی سخاوت اور دریادلی کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

(۴) مہمان نوازی اور ضیافت والی صفت آپ کو اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے یہاں کثرت سے مہمان آتے، ان کی اعلیٰ درجے کی ضیافت اور مراتب کے لحاظ سے ان کا اکرام روزمرہ کا معمول تھا۔ عصر کے بعد آپ کی مجلس میں بعض اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور کئی طلبہ حاضر رہتے، انکی تعداد کم و بیش ہوتی۔ عام طور سے یہ حاضرین دس یا بارہ کی تعداد میں ہوتے تھے۔ آپ ان سب کو روز چائے پلاتے تھے اور اکثر چائے کے ساتھ بطور تفکہ کھانے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی تھی۔ مشاہدہ ہے کہ آپ بہت ہی بشاشت اور اکرام کے ساتھ کھلاتے پلاتے تھے۔

ایک مرتبہ کو نمبتور (تملنا ڈو) سے آئے ہوئے چند مہمانوں کو آپ نے رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ میں ان مہمانوں کو آپ کے گھر چھوڑنے کے لئے گیا تو آپ نے مجھے بھی روک لیا، میں نے دیکھا کہ اپنے لئے زہد کو پسند کرنے والے انسان کا دسترخوان مہمانوں کے لئے نوع بنوع کھانوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس موقع پر مہمانوں کے اکرام کے لئے تواضع کا جو انداز آپ نے اختیار کیا، آنکھیں دوسری جگہ یہ انداز دیکھنے سے آج تک قاصر ہیں۔

معاصرین کے ساتھ :

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کے حصے میں تعلیم و تدریس کے لئے جو زمانہ اور جو ادارہ آیا وہ ان نامور علماء و محدثین سے معمور تھا، جو خود مرجع علماء اور مرکز علم و عمل تھے، ایسی حالت میں سب سے نیاز مندانہ و مخلصانہ تعلقات قائم رکھنا اور سب کی نظر میں وقیع و مقبول اور معتمد علیہ ہونا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ بلند درجے کے اخلاص للہیت اور بے نفسی نیز منجانب اللہ مقبولت، کمال ذاتی، تواضع و عاجزی، استقامت اور جامعیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ایک حکایت اکثر بزرگان دین اور مشائخ نسبت کے تذکروں میں دہرائی گئی ہے، جو درحقیقت ایک بڑی حقیقت کی بڑی لطیف تعبیر ہے۔

اس حکایت کا حاصل یہ ہے کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا جب اپنے شیخ کے حکم سے یا اشارہ غیبی سے علاقہ ملتان میں تشریف لائے اور وہاں قیام کا فیصلہ کیا تو وہاں پہلے سے ایک بزرگ موجود تھے، جن کی دینی و اصلاحی خدمات کا سلسلہ پورے علاقے میں جاری و ساری تھا انہوں نے پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ ان کو نووارد بزرگ کی خدمت میں بھیجا۔ اشارہ تھا کہ پیالہ لبالب اور بھرا ہوا ہے اس میں اب کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ یعنی میں اس علاقے میں موجود ہوں خدمت کر رہا ہوں، لوگوں کو فیض پہنچا رہا ہوں، آپ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ دوسری جگہ کام کریں!

ان نووارد بزرگ نے اس میں ایک گلاب کا پھول ڈال دیا، اشارہ تھا کہ میں اس طرح سے رہوں گا کہ جیسے پھول پانی پر تیرتا ہے اس کا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جاتا، یعنی میں پھول بن کر آیا ہوں، بھرے پیالے میں جس طرح پھول آسکتا ہے اسی طرح بن کر رہنا چاہتا ہوں اور جس طرح بھرے پیالے میں پھول سے خوشبو ہوگی مجھ سے بھی خوشبو ہی پھیلے گی، بے فکر رہئے اور کام کیجئے! یہ اور اس طرح کی مثالیں اس وقت وجود میں آتی ہیں جب معاصرین میں ہر ایک بے نفس اور روشن ضمیر ہو۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ نے اس نازک مرحلہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ طے کیا، آپ تمام معاصر اساتذہ اور مشائخ حدیث کا بہت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ ذکر فرماتے تھے بلکہ بعض تو ان میں سے آپ سے چھوٹے تھے مگر اللہ رے! آپ کی تواضع، بے نفسی، عاجزی اور کسر نفسی کو کیا کہئے۔ یہ اس حد تک کو پہنچی ہوئی تھی کہ آپ ان کو بھی بڑوں کی طرح بلند الفاظ سے یاد فرماتے۔

آپ کے معاصر اساطین علم میں مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کے تعلق سے آپ ہمیشہ عمدہ خیالات کا اظہار فرماتے، آپ ان کی علمی صلاحیت اور بزرگی کے معترف تھے، والد محترم حضرت قاری شفیق الرحمن صاحب استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند سے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ سہارنپور جاؤ! اور مولانا محمد یونس صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کرو! ان کا

وجود اس وقت غنیمت ہے۔

ایک مرتبہ عصر کے بعد والی مجلس میں آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ: حضرت مہتمم صاحب (مولانا مرغوب الرحمن صاحب) تشریف لے آئے؟ اس دوران حضرت مہتمم صاحب کئی دنوں سے اپنے وطن میں تھے طلبہ نے بتایا کہ، حضرت مہتمم صاحب بھی تشریف لے آئے اور کارگذار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب بھی تشریف لے آئے۔ اس پر تھوڑی دیر توقف کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی کہ: ہاں بھائی! دونوں بزرگوں کی بڑی قربانیاں ہیں۔ دونوں حسب اللہ کام کر رہے ہیں۔ مولانا خاموش صاحب خود ایک ادارہ کے ذمہ دار ہیں اس کی ذمہ داریاں بھی کم نہیں ہیں۔ ان کو بھی نبھاتے ہیں اور ان کے ساتھ دارالعلوم کے لئے بھی وقت دیتے ہیں، دور سے آتے ہیں، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور پھر یہاں قیام کے دوران بھی کوئی راحت و آرام کا خاص خیال نہیں۔ بلا معاوضہ خدمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) بڑے شریف آدمی ہیں اور پھر فرمایا کہ: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مولانا مرغوب الرحمن صاحب کی بھی بڑی قربانیاں ہیں۔ دارالعلوم سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کرتے، اپنے اخراجات اپنے ذمہ رکھتے ہیں۔ کھانے کا نظم بھی خود اپنا ہوتا ہے اور وہ بھی طالب علمانہ۔ اس میں کوئی خاص اہتمام نہیں، جبکہ وہ تو گھر کے رئیس ہیں، مگر ساری راحت و آرام چھوڑ کر بے آرامی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس وقت ۹۵/۹۶ سال کی عمر میں چل رہے ہیں، اس وقت آدمی صرف اپنے آرام کی سوچتا ہے مگر وہ ادارے سے اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ: بہت غنیمت ہے۔ نہ جانے ان کے بعد ادارے کو ایسا مہتمم ملے گا یا نہیں، ان کی قدر کرنی چاہئے

حضرت مولانا نے ایک دوسرے موقع پر حضرت مہتمم صاحب کے بارے میں فرمایا تھا کہ: حضرت مولانا قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو لوگ ان کے مرنے کے بعد روئے، ان کی قدر و فوات کے بعد ہوئی مگر دیکھنا مولانا مرغوب الرحمن صاحب کو لوگ زندگی میں روئیں گے، اب ان جیسا مخلص مہتمم دارالعلوم کو ملنا مشکل ہے، فرمایا کہ: اگرچہ میرے ساتھ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا جو معاملہ تھا وہ معاملہ میرے ساتھ مولانا مرغوب الرحمن صاحب کا نہیں رہا ہے، مگر میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ اب ان جیسا مہتمم دارالعلوم کو مشکل سے ملے گا، وہ ایک طرف تو ایک امیر اور رئیس آدمی ہیں دوسری طرف انتہائی سنجیدہ اور مخلص بھی۔ متواضع اور منکسر المزاج بھی ہیں اور ساتھ ہی انتہائی ہوش مند اور بیدار مغز، اور دورانِ اندیش بھی ہیں۔ وہ مدبر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے سایہ کو دیر تک قائم رکھے (آمین)

(راوی: حضرت قاری شفیق الرحمن صاحب مدظلہ)

صبر و استقامت :

مصائب پر صبر اور استقامت، اولو العزم، روشن ضمیر انسانوں کا شیوہ رہا ہے۔ ایسے پاک طینت اور قدسی صفات حضرات ہر دور میں رہے ہیں، ان میں سے جو جتنا مقبول بارگاہ الہی ہوا، اتنا ہی حالات سے دوچار ہوا، مگر یہ واضح رہے کہ ان حضرات پر اگر حالات و مصائب آئے ہیں تو محض ابتلاء و آزمائش کے طور پر، اسی لئے حالات آنے پر جب ان حضرات نے صبر و استقامت سے کام لیا تو ان کے درجات بلند ہوئے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ صبر کی فضیلت شریعت میں کس قدر ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ستر سے زیادہ مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور تقرب کا جو سب سے بڑا ذریعہ ہے اس کو صبر پر ہی موقوف رکھا ہے، یہاں تک کہ راہِ دین کی امامت اور سرداری کو بھی صبر ہی پر مبنی قرار دیا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

”وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اِئِمَّةً يَهْدُونَ“

ایک جگہ صابریں کے لئے بے شمار اجر اور بے حساب ثواب کا وعدہ فرمایا اور کہا:

”انما يوفي الصابرون اجرهم بغير حساب“

صبر کرنے والوں کو بلا حساب کے پورا پورا اجر ملے گا۔

ایک جگہ صابریں کے لئے معیت کا مژدہ سنایا:

”ان الله مع الصابرين“

بلاشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

ایک آیت کریمہ میں صبر کرنے والوں کے لئے درود و رحمت اور ہدایت، تینوں نعمتیں ایک ساتھ حاصل ہونے کی بشارت سنائی۔ فرمایا:

”اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون“

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و درود ہے اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

ایک موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے“

مزید ارشاد فرمایا کہ:

”اگر آدمی کو صبر ہوتا تو سخی جواں مرد ہوتا“ اور فرمایا کہ: حق تعالیٰ صابریں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل کی

کہ: تو میرے اخلاق کی پیروی کر اور میرے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ میں ”صبر“ یعنی صبر والا ہو۔

(کیمیائے سعادت مترجم، صفحہ: ۷۳۱)

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے نعمتوں پر شکر اور بلایا پر صبر کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ امام غزالی نے اس حدیث کو ”کیمیائے

سعادت“ میں نقل کیا ہے۔ جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک جماعت کو دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا تم ایمان لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم خدائی نعمت پر شکر کرتے ہیں اور مصیبت اور بلا میں صبر کرتے ہیں اور تقدیر

پر راضی رہتے ہیں۔

فرمایا کہ: خدا کی قسم تم سچے مومن ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت علی کا ایک فرمان نقل کیا ہے:

”حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ صبر و ایمان کا تعلق ایسا ہے جیسا سر کا جسم کے ساتھ، جس کا سر نہ ہو اس کا جسم بھی باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح جس میں

صبر نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے“

سب سے زیادہ تکلیف اللہ کو دیجاتی ہے اس لئے سب سے بڑے صابر بھی اللہ ہی ہیں ”ما أحد اصبر علی أذى يسمعه من الله يد عون

له الولد ثم يعافيه ويرزقهم“ (متفق علیہ)

اذیتوں پر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں مگر وہ پھر بھی ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے۔

اللہ رب العزت کے بعد بڑے صابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ان میں بھی زیادہ اذیتوں اور تکالیف کا سامنا خاتم النبیین حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کو ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”ولقد أوديت في الله ما أودى أحد“ اللہ کی راہ میں جتنی تکلیف مجھے دی گئی دوسروں کو نہیں دی گئیں۔ حضرات

انبیاء کے بعد یہ سلسلہ مقربین اور مقبولین کے ساتھ چلتا رہا اور قیامت تک چلتا رہیگا۔

”اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل“

لا ریب! حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ بھی اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھے، اس لئے ان کے حصے میں بھی کئی طرح کے

مصائب اور حادثات آئے لیکن جین صبر و استقلال پر کبھی شکن نہیں آئی۔ زندگی کا سب سے پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب آپ کی عمر صرف چار سال کی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے یتیم ہو گئے۔ پھر والدہ محترمہ (جنہوں نے ماں باپ دونوں کا پیار آپ کو دیا) ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۳۸ء کو دارفانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئیں۔

اس حادثہ جانکاہ کا آپ پر بہت گہرا اثر ہوا، مگر اس موقع پر جس قسم کے صبر کا اظہار آپ سے ہوا، وہ قابل تقلید تھا۔ آپ کی زندگی کا ایک بڑا حادثہ جس سے آپ غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے، آپ کے استاذ محترم خصوصی و مربی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی وفات حسرت آیات تھی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کے نزدیک سب سے عظیم اور محبوب ذات تھی۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی عقیدت بچپن ہی سے مولانا مرحوم کے دل میں راسخ تھی، اس لئے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچ کر شرف تلمذ کی دعا بھی بچپن ہی میں مانگی تھی جو قبول ہوئی۔ پھر جب دیوبند آئے تو حضرت مدنی قدس سرہ کے الطاف و عنایات کے خصوصی مورد رہے۔ حتیٰ کہ دارالعلوم میں تقرر کا سبب بھی حضرت مدنی قدس سرہ کی ذات گرامی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مدنی قدس سرہ ۱۹۵۷ء کو رحلت فرما گئے تو آپ کو بے انتہا رنج ہوا۔ اس حادثہ فاجعہ سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ اس کے اثرات آپ کی طبیعت اور آپ کے چہرہ بشرہ سے ظاہر ہوتے تھے، مگر چونکہ صبر و استقامت (کا درس) آپ نے انہیں استاذ محترم سے حاصل کیا تھا، اس لئے آپ کے پائے ثبات میں ذرا جنبش نہ آئی بے صبری کا کسی بھی طرح کا اثر آپ پر نہ دیکھا جاسکا۔

ایک بڑا المناک حادثہ جس سے مضبوط سے مضبوط تر لوگوں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے مضبوط قوت رکھنے والے ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جاتے ہیں، اطاعت گزار اور وفا شعار رفیقہ حیات کا دنیوی زندگی کو الوداع کہنا ہے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ کی رفیقہ حیات بہت ہی نیک، صالحہ، عابدہ، اطاعت گزار اور وفا شعار خاتون تھیں۔ ان کا اسم گرامی جناب ”بیگم صاحبہ“ تھا۔ حضرت والا کے ساتھ ان کی رفاقت کا عرصہ تقریباً بیس سال رہا۔

۱۷ نومبر ۱۹۶۷ء میں دیوبند میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بطن سے پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ محترمہ بیگم صاحبہ (اہلیہ حضرت والا) کی رحلت حضرت والا کے لئے بڑا المناک اور جانگداز حادثہ تھا، اس لئے بھی یہ حادثہ بہت شدید تھا کیونکہ آپ پڑھنے پڑھانے والے آدمی تھے۔ رات دن کتابوں کا مطالعہ، علم کے حصول اور نئی نئی تحقیقات پر اطلاع حاصل کرنے کا جذبہ اور دھن نیز درس کی گتھیوں کو سلجھانے اور مشکل و مغلق مقامات کے حل اور آسان بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کرنے کی فکر آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔

حضرت کی اہلیہ نور اللہ مرقدہ ہا کے رہنے تک آپ مذکورہ بالا امور میں یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے، جبکہ بچوں کی ذمہ داری تنہا آپ کی اہلیہ محترمہ نور اللہ مرقدہ ہا نے اپنے سر لے رکھی تھی، جب وہ رخصت ہو گئیں تو یہ ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آئی۔ اس سب کے باوجود اس وقت بھی آپ صبر و استقامت کے پہاڑ بنے رہے۔ خانگی امور کی نگہداشت کے ساتھ علم و تدریس کی سابقہ مشغولی میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ سبق بھی آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے حاصل کیا تھا، کیونکہ وہ بھی والدہ محترمہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی تدفین سے فارغ ہو کر سیدھے دارالحدیث دارالعلوم میں درس کے لئے آ گئے تھے۔ کئی بڑوں نے سمجھایا کہ حضرت سبق موقوف فرما دیجئے! ابھی غم تازہ ہے۔ آپ کا ان سب کو ایک ہی جواب تھا، اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اطمینان دلانے والی چیز کوئی نہیں ہے۔

اہلیہ نور اللہ مرقدہ ہا کے انتقال کے بعد آپ کی بڑی صاحبزادی ”میمونہ بیگم“ نے آپ کی بڑی خدمت کی۔ نہ صرف آپ کی بلکہ پورے گھرانے کی خدمت کی۔ صاحب اولاد تھیں، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں سب تھے۔ حضرت کی پہلی اور بڑی اولاد تھیں۔ پھر حضرت کی مزاج شناس اور خدمت گزار بھی بہت تھیں، اس لئے حضرت والا کو بھی ان سے کافی لگاؤ تھا۔ یہ عظیم صاحبزادی بھی ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰ جنوری ۲۰۰۷ء کو مالک حقیقی سے جا ملیں۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال تھی۔ بڑی دیندار اور صوم و صلوة کی پابند تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ خواتین کے لئے دعوت و تبلیغ اور تعلیم

و تدریس کا مشغلہ پوری زندگی قائم رکھنا بھی ان کی زندگی کا ایک روشن باب تھا۔ آپ کی تلامذات میں بے شمار مستورات تھیں؛ جنہوں نے مکمل قرآن پاک آپ سے پڑھا تھا۔ والد محترم کی تربیت سے دینداری میں اتنی پختہ تھیں کہ وفات سے پہلے جو نمازیں شدید علالت کی وجہ سے چھوٹ گئیں تھیں ان کا حساب لگا کر فدیہ خود ادا کیا۔ جس کی رقم سات ہزار روپے ہوئی تھی۔

صاحبزادی نور اللہ مرقدہا کے انتقال پر تقریباً سب ہی اساتذہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اس موقع پر حضرت کا صبر اور استقلال قابل دید تھا۔ آپ سب سے حسب عادت مسکرا کر ہی بات فرماتے رہے، اور ان کا شکریہ ادا کر کے ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے رہے۔

قرآن اور قرآن پڑھنے والوں سے محبت :

قرآن کریم سے محبت اللہ سے محبت کی علامت ہے۔ جس کو اللہ سے محبت ہوگئی، اسے کلام اللہ سے محبت ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ اسی محبوب حقیقی کا کلام ہے اسی کی ذات سے صادر ہوا ہے، لہذا قرآن سے محبت اور تعلق کا مطلب اللہ رب العزت سے محبت اور تعلق ہے۔ حضرت والا قدس سرہ کو قرآن پاک سے بڑا شغف اور تعلق تھا۔ اسی طرح قرآن پڑھنے والوں سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی۔ آپ کے یہاں حضرات قرآن کرام آتے تو آپ ان کی بہت قدر فرماتے اور ان کو اکرام سے نوازتے تھے۔

۱۲۲۹ھ میں جب آپ کے دو پوتوں عزیز محمد طارق ابن عقیل احمد خان اور محمد سعد ابن شکیل احمد خان نے پہلی مرتبہ تراویح میں قرآن پاک ختم کیا تو آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے ان دونوں بچوں کو پانچ پانچ ہزار روپیہ بطور تحفہ انعام میں دئے، اور گھر والوں کے لئے خوشی میں خصوصی شیرینی کا نظم فرمایا۔ اس دن آپ کے چہرے پر مسرت اور شادمانی کی عجیب کیفیات کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ بہت خوش تھے اور خوشی میں سب کو دعاؤں سے نواز رہے تھے۔

کمالِ حلم :

حضرت والا قدس سرہ بہت حلیم و بردبار بھی تھے۔ کئی دفعہ ایسی باتیں پیش آ جاتی تھیں جو حد درجہ طبیعت کے خلاف ہوتی تھیں مگر آپ برداشت فرما لیتے تھے اور ناگواری کا اظہار تک نہیں ہونے دیتے تھے۔ اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہونچائی تو اس پر آپ نے انتقام کبھی نہیں لیا اور نہ ہی دوسروں کو انتقام لینے کی اجازت دی۔ حتیٰ کہ وہی شخص اگر کبھی اپنی ضرورت لے کر آیا تو پوری بشاشت کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کی۔

آپ کی خدمت انجام دینے والے بہت سے طلبہ بعض مرتبہ آپ کی طبیعت کے خلاف کام کر جاتے مگر آپ کی جبین پر شکن تک نہ آتی۔ ایسا بھی کئی دفعہ ہوا کہ خدام کے ادھورے یا ناقص کام کرنے کی بنیاد پر آپ کو مالی نقصان اٹھانا پڑا مگر اس پر بھی آپ نے ان کو کچھ نہیں کہا بلکہ مسکرا کر ان کو دوبارہ صحیح کام کرنے کی ہدایت دی۔





سراپا

از: نسیم اختر شاہ قیصر

گورا چہرہ، رنگ خوب کھلتا ہوا، گھنی داڑھی، کشادہ پیشانی، روشن آنکھیں خوبصورت اور جاذب نظر، دیکھنے والے چند گھڑی کھڑے ہو کر دیکھتے، لباس خالص مولویانہ، موسم کے مناسبت سے زیب تن شیروانی میں بھی نظر آتے، سر پر رومال عموماً ہرے رنگ کا، گفتگو میں شائستگی کا عنصر غالب، چال کے اعتبار سے نہ برق رفتار نہ سست رفتار، نگاہیں نیچی، راستے میں ہمیشہ ایک جانب چلنے کا مزاج، راستے کے درمیان گفتگو سے احتراز، کبھی طلبہ پیچھے پیچھے چلتے، اور کبھی تنہا دارالعلوم سے گھر کا راستہ طے کرتے، مجلسی آدمی قطعی نہیں، اتفاق یہ ہے کہ نہ میں نے کبھی شادی کی تقریب میں دیکھا اور نہ کسی خاص موقع پر، شہر میں آمد و رفت نہ ہونے کے درجے میں، نہ کسی سے شناسائی اور نہ تعلق، اپنی ہی دنیا سے وابستگی اور کتاب و تدریس سے ان کا والہانہ تعلق، پوری عمر اسی فکر میں گذری اور تمام عمر یہی انکا امتیاز رہا، غصہ قطعی نہیں بلکہ چہرے پر خفگی یا ناراضگی کے آثار بھی نہیں دیکھے گئے، متین، سنجیدہ، لالیعی گفتگو سے کوسوں دور، مسند تدریس پر ہوتے تو کامیاب مدرس نظر آتے اور جب مسند نیابت و اہتمام پر بیٹھتے تو کامیاب منتظم دکھائی دیتے، تنہائی اور عجلت پسندی ان کے شب روز کے ساتھی، اسٹیج یا خطابت سے کوئی علاقہ نہیں، کبھی کسی جلسے یا تقریری پروگرام میں اگر انہیں بلایا بھی گیا تو ان کی جانب سے بیزاری کا اظہار، سنا ہے جوانی کے ایام سے لیکر ادھیڑ عمر کے زمانے تک ماہ رمضان دیوبند سے باہر گزارتے، جہاں قرآن کریم تراویح میں سنانے کا اہتمام ہوتا اور شاید اسی موقع پر تفسیر قرآن کریم کا درس بھی ہوتا مگر جس زمانے میں ہم نے انہیں دیکھا اور عمر کی جس منزل میں ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا، وہ دیوبند ہی کے ہو کر رہ گئے۔ کہیں اور آتے جاتے دکھائی نہ دئے۔ نہ کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا آج سفر میں ہیں، نیک طبع، نیک سرشت، جوان کے احوال سے بھی عیاں تھی اور ان کی دلچسپیوں سے بھی ظاہر تھی۔ یہ تھے ہمارے حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جن کی تصویر نوک قلم سے صفحہ قرطاس پر بنانے کی کوشش کی ہے، اسے سراپا کہئے یا ان کی ظاہری شکل و صورت کا حال۔



آٹھواں باب

زندگی کے آخری ایام

وفات، تدفین، قطعات تاریخ وفات، خراج عقیدت پیش کرنے والے اشعار اور تعزیتی

تحریریں

زندگی کے آخری ایام:

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ پوری زندگی اطاعت و انقیاد، صبر و استقلال کے ساتھ گزار کر بالآخر زندگی کے آخری مرحلہ میں داخل ہو گئے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مرحلے میں ہر آدمی مختلف عوارض سے دوچار ہو جاتا ہے اور کچھ نہ ہوا تو اضمحلال اور جسمانی کمزوری اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی، مگر حضرت والا قدس سرہ کی حالت اس سے بہت مختلف تھی آپ بیمار بھی تھے اور کمزور بھی، طویل العمر بڑھاپا اس پر مستزاد، اس سب کے باوجود آپ صحت مند جوانوں سے زیادہ عبادت و ریاضت اور درس مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ دسیوں سال سے یہ چرچا تھا کہ آپ ”چراغ سحر“ ہیں۔ تدریس سے بھی سبکدوشی چاہتے ہیں، طلبہ دعا کرتے کہ یا اللہ حضرت کی صحت و عمر میں برکت عطا فرما! ہمیں بھی حضرت سے پڑھنے کا موقع نصیب فرما! اللہ کی مرضی، طلبہ کی دعا آپ کی کرامت کہ آپ درس و افادہ میں عمر کے آخری مرحلہ تک مشغول رہے۔ مگر جب آپ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے تو آپ نے درس و تدریس سے سبکدوشی اختیار کی۔

حضرت والا قدس سرہ بہت دنوں سے قلب کی بیماری میں مبتلا تھے، تیس سے زیادہ مرتبہ آپ کو قلب کا دورہ پڑ چکا تھا۔ سب سے پہلے قلب کا دورہ ۱۴۱۴ھ میں گھر ہی پر ہوا۔ پھر آپ رمضان المبارک میں ”کوئمتور“ تراویح و تفسیر کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دو چار دنوں بعد ہی ماہ مبارک میں آپ کو پھر دورہ ہوا۔ اس دفعہ کا دورہ بہت سخت تھا، اسی دوران ”icu“ (انتہائی نگہداشت والے) وارڈ سے نکلنے کے بعد اسپتال ہی میں آپ کو پھر دورہ ہوا بقول آپ کے صاحبزادہ محترم جناب حافظ ضمیر احمد خان صاحب یہ دورہ بڑا شدید اور بے چین کر دینے والا تھا۔ اللہ اللہ کہ آپ اسپتال سے باہر آئے۔

”کوئمتور“ میں آپ کے چاہنے والے بے شمار تھے جو آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ سب ہی پریشان اور دل گیر تھے۔ جب تک حضرت اسپتال میں رہے وہ برابر اسپتال کے چکر لگاتے رہے، ان مخلصین اور محبین کا ڈاکٹروں کی جماعت سے یہی اصرار رہتا کہ رقم کی فکر نہ کرو! ہمیں علاج عمدہ چاہئے! ہمیں اپنی دولت سے عزیز حضرت والا کی ذات اقدس ہے، چنانچہ ان حضرات نے دل کھول کر حضرت والا کی خدمت اور اعانت میں حصہ لیا۔ یہاں تین سے زیادہ مرتبہ آپ کو قلب کا دورہ پڑا مگر اللہ کو ابھی آپ سے اور کام لینا تھا۔ اس لئے منجانب اللہ آپ صحت مند ہو گئے۔ ان دوروں کے اثر سے آپ پر ضعف اور نقاہت کافی آگئی تھی، چہرے پر اضمحلال کے آثار نظر آنے لگے تھے، نیز اس کا بڑا اثر نیند پر ہوا۔ اس میں بہت کمی آگئی۔ ان دوروں کے اثر سے اگر کوئی چیز متاثر نہیں ہوئی تو وہ آپ کے معمولات تھے۔ ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ تلاوت، ذکر و اذکار، نماز باجماعت کی پابندی، تہجد، اور اللہ سے مناجات، پہلے کی طرح اطمینان اور سکون سے جاری رہے۔ اس کے بعد آپ کو متعدد مرتبہ قلب کا دورہ پڑا۔ بقول آپ کے صاحبزادہ محترم الحاج حافظ

ضمیر احمد خان صاحب (ناظم شعبہ چمن بندی دارالعلوم دیوبند) آپ کو قلب کا دورہ تیس سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ جب کہ عام طور پر دو یا تین مرتبہ دورہ قلب پڑ جانے کے بعد آدمی زندہ نہیں رہتا۔

آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر اے کے ایرن تھے؛ جو میرٹھ کے 'ساکیت' علاقے میں واقع ایک نرسنگ ہوم میں آپ کا علاج کرتے تھے۔ ڈاکٹر اے، کے، ایرن بھی آپ کے قلب کی اس کیفیت سے بڑے حیران تھے۔ وہ اپنی اس حیرانی کا بار بار اظہار کرتے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خصوصی رحمت کے طفیل قلب کی یہ تکلیف آپ سے ختم ہو گئی۔ اخیر میں آپ کو قلب کی کوئی بیماری نہیں تھی البتہ آنت اترنے کے عارضہ نے بہت پریشان کیا۔ اس بیماری کا علاج بذریعہ آپریشن (عمل جراحی) ممکن تھا۔ مگر ڈاکٹروں نے آپ کی عمر کے تقاضے اور صحت کی نوعیت دیکھ کر عمل جراحی سے بچنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے اس مشورہ کو قبول کیا گیا۔ اس بیماری سے آپ کو تکلیف بہت ہوتی تھی، مگر چونکہ فطرتاً صبر و ضبط اور تحمل کے عادی تھے، اس لئے اس تکلیف میں شدت کے باوجود بھی ضبط و تحمل سے کام لیتے اور تکلیف کے اظہار سے گریز کرتے تھے۔

عمر کے آخری مرحلے میں گھٹنوں کی تکلیف بھی آپ کے لئے بہت پریشانی کا باعث بنی۔ اس سے آپ چلنے پھرنے میں بہت دقت محسوس کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دور بھی چلتے تو گھٹنوں میں سخت درد ہو جاتا۔ گھٹنوں کی اس تکلیف اور بیماری سے چونکہ چلنا پھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا اس لئے اخیر کے سالوں میں آپ دارالعلوم بھی سائیکل رکشے میں آتے تھے۔

۲۰۰۳ء میں جب میں دارالعلوم میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا تو اس سال حضرت والا گوگرہ سے بلانے کے لئے میں ہی جاتا تھا۔ میں رکشہ چلانے والوں سے کہتا کہ حضرت کے لئے سواری کی ضرورت ہے تو اس وقت کئی رکشہ والے حضرت والا کو دارالعلوم چھوڑنے کے لئے سبقت کرتے تھے۔ رکشہ گوگرہ کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا میں بذریعہ گھٹی اپنے آنے کی اطلاع دیتا، پھر جب آپ باہر آتے تو سائیکل رکشہ حاضر ہونے کی اطلاع دیتا آپ مکمل وقار اور متانت کے ساتھ رکشہ پر سوار ہو جاتے اور دارالعلوم کے صدر دروازے پر اتر جاتے۔ وہاں سے دارالحدیث تک پیدل ہی تشریف لے جاتے۔ دارالعلوم کے باب قاسم (صدر دروازہ) تک رکشہ سے آنے کا یہ معمول کئی سالوں سے تھا۔ اس کی وجہ گھٹنوں کی تکلیف تھی۔

ذمہ داریوں سے سبکدوشی:

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جب آپ حد سے زیادہ کمزور ہو گئے اور بیماریوں نے بھی شدت اختیار کر لی تو آپ نے ذمہ داریوں سے سبکدوشی اختیار فرما لی اور اس سلسلے میں معذرت کی باقاعدہ ایک تحریر پیش فرمائی۔ آپ کی یہ تحریر ماہ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ کو مجلس تعلیمی میں پیش ہوئی پھر مجلس شوریٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کو آپ کی جگہ متعین فرما دیا۔ اور یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کی مجلس عاملہ نے حضرت شیخ کی معذرت والی تحریر منظور کر کے ۱۵ ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ تاحیات جاری کر دیا جو اخیر تک چلتا رہا۔

وفات حسرت آیات:

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کے اخیر میں ضعف بہت بڑھ گیا۔ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا بھی دو بھر ہو گیا۔ وفات سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے ملک الموت کو یہ خطاب بھی آپ کے گھر والوں نے سنا۔ آپ نے کہا: ارے بھائی ملک الموت! میری جان بہت آرام سے نکالنا! پھر ۱۹ صفر المظفر بروز جمعرات مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء کی شب میں دوح کر دس منٹ پر اپنے صاحبزادے سے سورہ یاسین سننے کی فرمائش کی۔ انہوں نے سورہ یاسین سنائی، اسی اثناء میں آپ نے قبلہ رو ہونے کو کہا چنانچہ آپ کو قبلہ رخ کیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ کے اکیلے ہونے کی گواہی دی اور پھر آپ کی روح قفسِ غصری سے پرواز کر گئی۔ ع

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

نماز جنازہ اور تدفین:

بعد نماز ظہر احاطہ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں علماء اور اساتذہ، ذمہ داران مدرسہ، طلبہ اور عوام کے جم غفیر نے نماز میں شرکت کی۔ سخت اثر و حاکم کی وجہ سے آپ کا جنازہ کافی دیر میں مزار قاسمی پہنچا۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود عقیدت مندوں نے سوگوار اور پرہیزگاروں کے ساتھ مزار قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے! اور درجات عالیہ بلند فرمائے! (آمین)

پسماندگان:

آپ کے کل ۶ صاحبزادے اور ۴ صاحبزادیاں ہوئیں۔ ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ الحمد للہ پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں کوئی عالم نہیں ہے، جو آپ کا علمی وارث ہوتا۔ حضرت کو ہمیشہ اس کا قلق رہا، جس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھائی! سب مقدرات ہیں۔ ہر بچے کو عالم بنانے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ سب نے درمیان میں ہی تعلیم چھوڑ دی تاہم تمام صاحبزادے حافظ قرآن، نیک، صالح اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ حضرت شیخ کے ۹ پوتے اور ۸ پوتیاں ہیں، جن میں تین پوتے دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں۔ حضرت والا کو ہمیشہ ان کی بڑی فکر رہتی تھی۔ خود بھی انکی نگہداشت فرماتے اور ان کے اساتذہ اور والدین کو بھی متوجہ کرتے رہتے تھے۔ اللہ ان بچوں کو عالم باعمل بنائے اور حضرت کی یادگار بنائے! (آمین)

پسماندگان میں اہل خانہ کے علاوہ آپ سے فیض حاصل کرنے والے ہزاروں علماء اور فضلاء ہیں۔ راقم الحروف کا پورا گھرانہ بھی حضرت کے پسماندگان میں سے ہے بالخصوص والد محترم مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب مدظلہ العالی استاذ شعبہ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند، جن کے ساتھ حضرت شیخ نہایت مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ والد محترم جب دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے تو حضرت والا کی ذات گرامی سے حد درجہ سعادت مندانہ قرب رہا۔ سفر و حضر اور آپ کی خصوصی مجالس میں آپ کے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے بھرپور موقع عنایت فرمایا۔ بہر حال حضرت شیخ کی وفات پوری ملت کے لئے عظیم سانحہ تھی، اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے!



بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل نفس ذائقة الموت

سن تاریخ وفات حسرت آیات، علامہ یگانہ، وحید زمانہ، عمدۃ المتکلمین، رأس المحدثین، عالم تحریر، سرخیل علماء مولانا نصیر احمد نور اللہ مرقدہ

۹۰۰ + ۱۲۸ + ۲۰۳ = ۱۲۳۱ھ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند قدیم

قطعه تاریخ وفات

تھانصیر احمد جو حق گو، حق پسند و حق نگر کو چہ فانی سے اٹھا باندھ کر سر سے کفن

ہیں زمین و آسمان شام و سحر گریہ کنایا روتے ہیں فرقت میں اس کی آج سب اہل وطن

گلستان جامعہ کو آج وہ کر کے یتیم چل دئے بے گانہ ہو کر وہ نگہبان چمن

ہر روش ماتم کنایا ہر کلی غم سے ملول گلستاں دل کا ہے، نذر یورشِ برقی تپاں

ہو گیا آج وہ دنیا سے، رخصت ائے ظفر

جس کو کہتے ”مظہر اخلاق پاکیزہ لجن“

۱۸۷۷ + ۱۳۳ = ۱۳۰۷ھ

نتیجہ فکر: ظفر جنید ری (الفاسمی)، (احسنی) خفر لہ فرینڈس کالونی، نئی دہلی ۶۵

☆☆☆☆☆

قطعات تاریخ وفات

بسم اللہ الفتاح العزیز الرحمن الرحیم

۱۴۳۱ھ

صنعت مربی بجمال مولانا نصیر احمد صاحب دیوبندی مرحوم

۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ
۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ	۲۰۱۰ھ

یہ مصرعہ چاروں طرف سے پڑھا جاسکتا ہے، اور چاروں طرف سے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری ثم دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰ رجب المرجب مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء یوم جمعرات) کا سال رحلت ۲۰۱۰ء برآمد ہوتا ہے جو ۱۴۳۱ھ کے مطابق ہے۔

بکمل محمد طاہر الاعظمی
حزین مخزن علم شہر جدہ
غمرہ در شہر جدہ
۱۴۳۱ھ
۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرفع الكبير الرحمن الرحيم

۱۴۳۱ھ

نحمدہ المبدئ المغنی ونصلی علی النبی الکریم

۲۰۱۰ء

محبت زماں مولانا نصیر احمد خان صاحب

۱۴۳۱ھ

جنید حبیب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۰۱۰ء

ہمد صادق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تاریخ وفات کامران با آداب شیخ سنت آہ شیخ شہیر
 آہ جمیل شیخ اعظم آہ کبیر استاذ محدثین
 آہ جمید جہاں استاذ علماء
 رحمہ المبدی الغنی
 غفر اللہ الواحد نور مرقده المقتدر الودود
 اعوذ باللہ الباری القوی من الشیطان الرجیم
 قال المالك: سقاہم ربہم شرابا طہورا
 قال الباسط الصمد: سلام علیکم، ادخلوا الجنة
 اکرام الباسط الصمد علیکم ادخلوا الجنة
 قال النبی الحق الواحد ”الموت جسر یوصل الحبيب الی الحبيب“
 بین النبی الحق: تحفة المؤمن الموت
 موت العالم القدس موت العالم
 واللہ موت العالم النبیل موت العالم
 جھکا کر سر سن رحلت میں جب ہم غور کرتے ہیں
 صد اپہو نچی کہ جنت میں ید راعی سیر کرتے ہیں

۲۰۱۰ء

بگو استاذ خود را سال رحلت غم زدہ طاہر
کہ یابد بزم فردوس بریں از رحمت یزداں

۱۴۳۱ھ

مقصود حق مشہور در اکثر فنون

کس مثال تو نہ بودہ در زماں

۲۰۱۰ء

غم زدہ در شہیر کبیر جدہ

۱۴۳۱ھ

ز حزن محمد طاہر الا عظمی

۲۰۱۰ء

۱۴۳۱ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿خراج عقیدت﴾

استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث، مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

مخانب: تمام اساتذہ و طلبہ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی

کاوش: عبدالعلیم فاتح مرکز المعارف ممبئی

ایک مالی کل چمن سے جب جدا ہونے لگا

پھر نہ پوچھو کس طرح سارا چمن رونے لگا

کیسی کلیاں، کیسی خوشبو،

تیرے بن مالی چمن میں بس اداسی چھائے ہے

شاخ بکھری جائے ہے

شکوہ دامن کر رہا ہے، خالی خالی جائے ہے

چشم نے آنسو بہائے اور من رونے لگا

آئینہ وہ بزرگوں کا، وہ اکابر کا نشان

شجر سایہ دار تھا، وہ علم تھا جسکا جواں

مئے بخاری کی پلاتا تھا جواک پیرمغاں

روپڑا پیانا بھی جب سا قیا سونے لگا

سادگی میں بادشاہی، کس کی یہ تصویر ہے

دل کئے ہیں جس نے روشن، کس کی یہ تنویر ہے

کیا ”ہدیٰ للمتقین“ کی یہ کوئی تفسیر ہے

خوب تھا منظر، مگر اب کیا سے کیا ہونے لگا

حضرت مدنیؒ کی مجلس کا، چراغ نور تھا

اس کی محفل میں گیا جو رند، وہ مسحور تھا

اس کی عظمت پے جھکے یہ آسماں مجبور تھا

وہ چلا جب سوئے مرقد، آسماں رونے لگا

قریہ قریہ، علم کی شمع جلاتا جائے تھا

دیں کے دیوانوں کو، بھر بھر کے پلاتا جائے تھا

کل مگر اپنے ہی رندوں کو رلاتا جائے تھا

بند میخانہ کیا، اوڑھے کفن سونے لگا

با صفا کے درس کی مجلس تھی، کتنی پروقار

مادر علمی تھی نازاں، ہم کو تھا صدا افتخار

وہ مسجائے زمن تھا، وہ زمانے کی بہار

کھو گئیں جس کی بہاریں، وہ چمن رونے لگا

سنت نبوی ﷺ کا عاشق تھا، وہ پاکیزہ صفات

زریں تھے اقوال جس کے اور حکیمانہ تھی بات

وہ طبیب دل تھا جس سے ختم ہوتیں سیئات

وہ مربی آج جانے کیوں خفا ہونے لگا

ہو ”نصیر احمد“ کی تربت پے خدا کی رحمتیں

کوثر و تسنیم کی، ان کو عطا ہوں لذتیں

عرش کے سایہ میں تو ان کو عطا کر خلعتیں

جو مزار قاسمی کی خاک میں سونے لگا

ایک مالی کل چمن سے جب جدا ہونے لگا

رونے لگا

پھر نہ پوچھو کس طرح سارا چمن

ختم شد



(درس عبرت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿یادِ موت﴾

نمونہ اسلاف، پیکر علم و عمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری

شیخ الحدیث و صدر المدرسین و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

لمحہ فکر یہ: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اکل کنواں مہاراشٹر

دو گز کفن، پہن کر، جائیگا تو یہاں سے

جائیگا ہاتھ خالی، تو قبر میں جہاں سے

برحق ہے موت سن لو! رحمان نے کہا ہے

میں لکھا ہے

دنیا بنی ہے جب سے، ہے یہ عمل بھی جاری

اک روز ہر کسی پر، یہ موت ہوگی طاری

محبوب کبریا بھی رخصت ہوئے جہاں سے

گئے یہاں سے

دنیاۓ دوں سے رخصت، سب انبیاء ہوئے ہیں

اس گلستاں سے ہجرت، سب اولیاء کئے ہیں

ہر چیز کی فنا کا، اک وقت ہے مقرر

ہوگا نہیں مؤخر

پیغامِ موت لیکر، جب آئیگا فرشتہ

دنیاۓ دوں سے تیرا، کٹ جائیگا یہ رشتہ

اشکوں سے اپنے منہ کو سب

ماں، باپ، بیوی، بیٹے، سب لوگ رو رہے ہیں

لوگ دھو رہے ہیں

بے رحم موت لیکن، سنتی نہیں کسی کی

ظالم کبھی رعایت، کرتی نہیں کسی کی

اپنے کئے کا بدلہ، پا جا

تو خالی ہاتھ جا کر، سو جائیگا لحد میں

ئیگا لحد میں

اے بے شعور انسان! کچھ ہوش میں ذرا آ

عقبیٰ کی زندگی کا، کچھ تو سراغ پا جا

دنیا کے مال و زر سے کچھ

سامان آخرت کا تیار کر لے غافل!

بھی نہ ہوگا حاصل!

جو کچھ کمایگا تو، رہ جائیگا یہیں پر

دو گز زمیں کا ٹکڑا، پا جائیگا یہیں پر

اللہ کی محبت

دنیا سے بے تعلق، ہو جاؤ غافل! تم

، اپناؤ غافل! تم

ایسا عمل کرو تم، جو کام آئے تم کو

محشر کے دن خدا سے، عزت دلانے تم کو

ہر ہر عمل کا، پورا ہی پاؤ گے

جیسا کرو گے، ویسا ہی پاؤ گے صلہ تم

صلہ تم

اعمال خیر کر لو! جنت ملے گی تم کو

اللہ کی خصوصی رحمت ملے گی تم کو

ہر گز نہیں ہے جاہل! سامان

دنیا سے دوں بنی ہے غافل! برائے عبرت

عیش و عشرت

دنیا سے اے ”ولی“ وحشت سی ہو رہی ہے

دنیا کے طالبوں پر لعنت برس رہی ہے

ختم شد



﴿ذکر نصیر﴾

نمونہ اسلاف، پیکرِ علم و عمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہری

شیخ الحدیث و صدر المدرسین و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نتیجہ فکر یہ: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اکل کنواں مہاراشٹر

پیکرِ علم و عمل تھے، شیخ مولانا نصیر

مشعلِ راہِ عمل تھے، شیخ مولانا نصیر

گلشنِ علم و ہنر کے اک شگفتہ پھول تھے

ایک تابندہ کنول تھے، شیخ مولانا نصیر

حاملِ فیضانِ رحماں، زینتِ دارالحدیث

رونقِ محفل رہے وہ، رنگتِ دارالحدیث

مسندِ علم و ہنر کو وہ لگائے چار چاند

ان سے دوبالا رہی ہے، عظمتِ دارالحدیث

میکشوں کو دے رہے تھے بادۂ علم و ہنر

دے رہے تھے طالبوں کو، علم کے لعل و گہر

قیمتی موتی لٹاتی تھی زبانِ درفشاں

شامِ ظلمت کے لئے تھے، علم کی نوری سحر

نازِ صحنِ چمن تھے، رونقِ باغِ علوم

ناز فرماتا تھا ان پر، گلشن

دارالعلوم

وہ تھے قندیلِ فروزاں، مطلعِ نورِ عمل

مادِ علم و ہنر میں ہر طرف ان کی تھی دھوم

وہ رہے ہیں مدتوں، قسّام میراثِ رسول

گلشنِ علم و ہنر کے، وہ رہے خوش رنگ پھول

تھی طبیعت میں نفاست تھے مدرسِ کامیاب

تھے کشادہ دل، وسیع العلم، پابندِ اصول

ان کا سینہ علم و فن کا موضعِ ضحّا رہتا

ہاں وجودِ پاک ان کا رونقِ گلزار تھا

عشق کی گرمی سے جو معمور تھا آٹھوں پہر

ان کے سینے میں دھڑکتا، وہ دل بیدار تھا

ان کا باطن عشق کے

ان کی پیشانی پہ روشن، معرفت کا نور تھا

اسرار سے معمور تھا

دل تھا فکرِ آخرت میں ہر گھڑی ڈوبا ہوا

اور دنیا کی محبت سے، وہ کوسوں دور تھا

درس اور تدریس تھا محبوب ان کا مشغلہ

دینِ رحمت کی اشاعت کا رہا ہے حوصلہ

نامِ حق پر زندگانی کا رہا، جاری سفر

خیریت سے کر رہے تھے طے، وہ ہر مرحلہ

خوش ادا ہر موڑ پر تھے، قیمتی ہر بات تھی

ان کی ہر مجلس میں ارزاں، علم کی سوغات تھی

جلوہ باری سے روشن دن کے سب اوقات تھے

معرفت کے نور سے ماموران کی رات تھی

ہے ولی کی یہ دعائے خالق ربِّ قدیر

قبر میں آرام پائیں خوب مولانا نصیر

ترتیبِ مرحوم میں فردوس کی آئے بہار

حشر کے میدان میں بن جائے تو ان کا نصیر

حکمِ سر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿یادِ نصیر﴾

نمونۂ اسلاف، پیکرِ علم و عمل

جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہرئی

شیخ الحدیث و صدر المدرسین و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

نیچہ فکریہ: ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ اشاعت العلوم اہل کنواں مہاراشٹر

ہو گئے دنیا سے رخصت آہ!! مولانا نصیر

دے گئے ہیں آہِ فرقت آہ!! مولانا نصیر

زندگانی کا ہوا، پورا جود و رِیحِ شام

رَبِّ انام

نامہ برج ب لے کے آیا پاس، رحلت کا پیام

تو ہوا ہے ان کے سفرِ آخرت کا اہتمام

موت نے آغوش میں لیکر ہے دی تھکی انھیں

ملی رب کی انھیں

دوشِ طاہر پر ملا تک کے ہوا، ان کا سفر

عشقِ حق، حبِ نبی، لے کر گئے زادِ سفر

تھا بلند شہر، یو پی، ان کا آبائی وطن

ہے ”بسی“ ہی گاؤں وہ خوش رنگ آبائی چمن

تیرہ سوینتیس ہجری میں وہاں پیدا ہوئے

مدحِ خوانِ مصطفیٰ، اللہ کے شیدا ہوئے

حافظِ قرآن تھے وہ، بہترین عالم رہے

بادۂ علم و ہنر کے، مدتوں قاسم رہے

ماہرِ تجوید تھے وہ، قاریِ قرآن تھے

پیکرِ صبر و رضا تھے، صاحبِ عرفان تھے

تیرہ سو بانسٹھ میں تھے وہ طالبِ دارالعلوم

ہو گئے فضلِ خدا سے فارغِ دارالعلوم

اور اس کے بعد میں فرمائی تکمیلِ فنون

تو برائے وصلِ آئی دعوت

کہ لقائے خاص کی دعوت

تھی انہیں محبوب بے حد علم کی ام العلوم (۱)

از ہر ہندوستان کے، پھر مدرس ہو گئے

ستائے (۲) میں وہ، بخاری کے مدرس ہو گئے

ہو گئی ان سے مزین، مسند دار الحدیث

شوقِ قال اللہ سے، تھی گونجتی دار الحدیث

پھر صدارت بھی انہیں حاصل ہوئی تدریس کی

ہے بجا کھائیں قسم، گر عظمت و تقدیس کی

حسنِ قسمت سے ہوئے پھر شیخ، نائب مہتمم

اور اس منصب پر رہ کے، تھے وہ اچھے منتظم

(۱) دارالعلوم دیوبند (۲) ۱۳۹۷ھ

تھے بہت ہی خوبیوں کے ساتھ حضرت متصف

ان کی عظمت کے یہاں چھوٹے بڑے تھے معترف

نسلِ نو فیاض سے

مدتِ تدریس کل حضرت کی پینسٹھ سال ہے

ان کے خوب مالا مال ہے

نودہائی سے تھی زیادہ، شیخ کی لمبی حیات

خدمتِ اسلام سے معمور تھی، ان کی حیات

اب بھی آبائی وطن

تین بیٹے ایک بیٹی ان کے ہیں پسماندگان

میں شیخ کا ہے خاندان

مدتوں سے وہ رہا کرتے رہے بے حد علیل

نیک دل تھے، مردِ مومن، عاشقِ ربِ جلیل

تھی دوا جاری مگر، ان کا مرض تھا لا علاج

ان کی راہِ زندگی میں، علم تھا روشن سراں

دیکھئے کہ موت آئی، چپکے چپکے گھات میں

روح اس نے قبض کر لی، دو بجے ہاں رات میں

مر گئے ہیں شیخِ عالی، یہ خبر جس نے سنی

کوہِ غم اس پر گرا ہے، غم کی اک بجلی گری

گھر کے سب چھوٹے بڑے رونے لگے زار و قطار

اور جو بھی آیا در پر، ہو گیا وہ اشک بار

ہو گیا افسوس کہ فق، چہرہ ماہ و نجوم

ہو گیا افسوس سونا، گلشن دارالعلوم

دوبکے دن میں ہوئی، ان کے جنازے کی نماز

اور تکبیروں سے ظاہر تھا، غموں کا سوز و ساز

کی جنازے کی امامت، قاری عثمان نے

سایہ فرمایا ہے ان پر، رحمت رحمان نے

آخری مسکن بنا، ان کا ”مزار قاسمی“

خلد کا گلشن بنا، ان کا ”مزار قاسمی“

دامنِ رحمت میں اپنے

بعد میں تدفین کے، سب ہی تھے مشغولِ دعا

دے جگہ تو اے خدا

ہے ”ولی“ کی یہ دعائے دل، اے مولائے نصیر

تیرے محبوبِ نظر ہوں، خوب مولانا نصیر

تا قیامت، رحمت باری

تیری رحمت پر زمانہ، فاتحہ خوانی کرے

نگہبانی کرے

حتمِ سر





شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

کے سانچہ ارتحال کے بعد دارالعلوم میں تعزیتی اجلاس اور تدفین

از: مولانا اشتیاق احمد

مدرس دارالعلوم دیوبند

۴ فروری ۲۰۱۰ء کی صبح صادق عجیب غم و اندوہ لیکر طلوع ہوئی، پنجشنبہ (جمعرات) کی رات دو بج کر دس منٹ پر صبح کا ذب سے پہلے ہی علم و عمل کا جامع ایک ایسا ستارہ غروب ہو گیا جس کی ضیا پاش تابانی پر آفتاب نیم روز بھی رشک و غبطہ کے ترانے گارہا تھا۔ اس ستارے کا غروب شام غم سے بھی زیادہ غمگین ثابت ہوا۔ صبح روشنی اور امید لیکر طلوع ہوتی ہے مگر یہ صبح عجیب انداز سے طلوع ہوئی اس میں روشنی کے بجائے تاریکی اور امید کے بجائے حسرت و یاس کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ”بغداد ہند“ دیوبند میں اگنت لوگ ایک دوسرے کو فون کر رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے (سابق) شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اس دنیا میں نہیں رہے۔ انہوں نے اس عظیم دانش گاہ میں ۶۵ سال کے قریب کامیاب مدرسہ کی۔ بارہ سال تک قائم مقام ”صدر مدرس“ اور سترہ سال تک ”صدر مدرس“ رہے اور کافی عرصہ تک نائب مہتمم رہے۔ ۳۳ سال تک بخاری شریف کا درس دیا۔ جن کے شاگردوں کی تعداد حضرت مدنیؒ کے شاگردوں سے زیادہ ہو گئی۔ ابتداء سے انتہا تک کی ساری اہم کتابیں پڑھائیں۔ علوم شرعیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں آپ کا ثانی نہیں۔ علم ہیئت میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ اسلئے رسالہ ”الفتاحیہ“ پر حاشیہ تحریر کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک دو ساتذہ کوچھوڑ کر ابتدائی درجے کے مدرسین سے لیکر شیخ الحدیث تک سب آپ کے شاگرد ہیں۔ فجر کی نماز سے پہلے ہی بہت سے لوگوں کو اطلاع مل گئی، دن ہوتے ہی دنیا بھر کے علماء، طلبہ اور متعلقین کو یہ کہنا خبر پہنچ گئی۔ فون کی نحوست کہنے یا برکت۔ غرض پوری دنیا غموں کی تاریکی میں آ گئی۔ ادباء کسی خبر کو بہت جلد پھیلنے کی تعبیر کے لئے ”جنگل کی آگ“ کا استعارہ لیتے ہیں، مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ تعبیر بھی آج کی جدید ٹیکنالوجی کے زمانے میں اپنی وسعت گھٹا چکی ہے۔ غرض علماء اور طلبہ کی ایک بھیڑ حضرت شیخ اولؒ کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی۔ مجمع اتنا زیادہ ہو گیا کہ لال مسجد سے قاضی مسجد کا راستہ مسدود ہو گیا۔ فجر کے پہلے سے ۹ بجے کے قریب تک ایسی ہی بھیڑ رہی۔ ۸ بجے کے بعد ”مسجد قدیم“ کے مآنک سے اعلان ہوا کہ سارے طلبہ دارالعلوم دیوبند دارالحدیث میں جمع ہو جائیں چنانچہ چار ہزار کے قریب افراد جمع ہو گئے۔ پورا مجمع تعزیت کا مستحق، کون کس کو تسلی دے۔ ہر طرف غمزہ چہرے، ہر جانب پر غم آنکھیں، پورا ماحول اداس، درو دیوار ماتم کناں، بڑے بڑے اکابر اساتذہ کی زبان خاموش، لیکن آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہر ایک بے قابو، وانا بک یا استاذ لمحزونون کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اسی حالت میں بہت سے لوگوں نے تلاوت قرآن کیا، اور بہت سوں نے تسبیح پڑھی اور بہت سے حضرات نے کلمہ طیبہ کا ورد کیا۔ اس طرح آدھ پون گھنٹہ گزرا۔ اس کے بعد ہر غمزہ کو تسلی دینے اور خود پہلے صبر حاصل کرنے کے لئے حضرت شیخ کے شاگرد رشید حضرت مولانا قمر الدین صاحب دا مت برکاتہم تشریف لائے۔ اور خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ اس دنیائے فانی سے دنیائے جاودانی میں منتقل ہو گئے۔ وہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت یگانہ روزگار تھے، علوم عقلیہ کے ساتھ علوم نقلیہ میں بڑی وسعت گاہ رکھتے تھے، اسی کے ساتھ آپ علم و عمل کے جامع پیکر تھے۔ آپ میں اخلاق کمال مکمل طور پر موجود تھے یقیناً آپ مغفور و ماجور ہیں۔ آپ سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

پھر حدیث شریف سنائی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ آیا لوگوں نے اس کی تعریف و توصیف کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”و جب“ واجب ہو گئی۔ پھر دوسرا جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”و جب“ واجب ہو گئی

اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صورتوں میں آپ نے ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا۔ دونوں کا مطلب کیا ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کے لئے جنت واجب ہوگئی (جس کی لوگوں نے تعریف کی) اور دوسرے کے لئے جہنم واجب ہوگئی جس کی لوگوں نے مذمت کی) معلوم ہوا کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں لوگوں کے ساتھ برتاؤ بہتر ہو اللہ کے یہاں محبوب ہے، اور جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں لوگ متفق ہیں کہ آپ سے کسی کو ادنیٰ سی بھی تکلیف نہیں پہونچی اس لئے آپ ضرور جنتی ہیں۔ پھر ایک مصرعہ پڑھا۔ ع

زبان خلق کو نفاۃ خدا سمجھو!

آگے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذؒ کے حسن خلق، صلاح و تقویٰ اور برکت روحانیت کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ کو استاذ بنالوں چنانچہ فارغ ہونے کے بعد فنون میں ”حسامی“ میں نے حضرت سے پڑھی ہے۔ اس وقت حسامی دورہ حدیث کے بعد تکمیل فنون میں پڑھائی جاتی تھی۔ حضرت الاستاذؒ کی صفت تواضع بہت نمایاں صفت تھی۔ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے اس کے بعد اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں بازار سے سبزیاں لارہا تھا۔ حضرت الاستاذؒ نے دیکھا اور نہایت متواضع انداز میں ارشاد فرمایا کہ لائیے میں گھر پہونچا دوں! حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذؒ بڑے سلیم الطبع تھے اور یہ سب سے بڑی صفت تھی۔ طبیعت نہایت معتدل تھی، ہمیشہ ایسا موقف اختیار فرماتے تھے کہ جس میں کسی کو اذیت و تکلیف نہ ہو۔

حضرت الاستاذ مولانا قمر الدین صاحب زید مجدہ کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ پر غم آنکھوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھے اور ارشاد فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے سوال کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بہترین شخص کون ہے؟ اس پر دربار نبوی سے جواب ملا: ”من طال عمرہ وحسن عملہ“ جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہوں اس حدیث کے صحیح مصداق حضرت الاستاذؒ ہیں۔ آپ کی عمر لمبی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال بہت زیادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرتؒ نے کم و بیش ۶۵ سال دارالعلوم دیوبند کی خدمت کی۔ مجھے بھی ”شرح جامی“ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت الاستاذؒ میں سلامتی طبع بہت زیادہ تھی، جیسا کہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے ابھی فرمایا۔ حضرت کا موقف نہایت ہی معتدل ہوتا تھا۔ اور اس پر حد درجہ اطمینان بھی رہتا تھا۔ میں نے کبھی تذبذب نہیں دیکھا۔ دارالعلوم کے گذشتہ اختلاف کے موقع سے حضرتؒ اگرچہ انتظام سے منسلک تھے لیکن نہایت ہی شرح صدر کے ساتھ ہمارے ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے شایا شان جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

اخیر میں حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور بڑے ہی پردرد لہجے میں جگر مراد آبادی کا

یہ شعر پڑھا۔ ے

جان کر مجملہ خاصان میخانہ مجھے

مدتوں رویا کریں گے جان و پیانہ مجھے

پورے مجمع پر غم کا ایک سماں بندھ گیا پھر حدیث شریف پڑھی ”اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثہ (الحدیث) جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تیسرے نیک اولاد جو دعا کرتی رہے۔ ان تینوں کا ثواب اللہ تعالیٰ اس بندے کو مرنے کے بعد بھی دیتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کی اولاد صرف وہی نہیں ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئی ہیں سارے شاگردان کی روحانی اولاد ہیں۔ ان کے

سینوں میں ان کا ودیعت کیا ہوا علم ہے۔ اس سے بعد والے فائدہ اٹھاتے رہیں گے سب کے نیک عمل میں حضرت کو بھی ثواب ملے گا۔ سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے! (آمین)

حضرت شیخ نے اپنے بیان میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علماء نے اخلاق کی تعریف ”مراعاة الخلق مع رضا الحق“ سے کی ہے یعنی حسن اخلاق یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے کے ساتھ مخلوق کی رعایت کرے۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب میں یہی اخلاق موجود تھے۔ ہر ہر آدمی کی رعایت کرتے تھے۔ اور ہر وقت اللہ کی رضامندی پیش نظر رہتی تھی۔ جب بھی بخاری شریف کے ختم کرنے کے لئے گزارش کرتا تو ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے کہ اس سال تو آپ ہی کو ختم کرانی ہے۔ میں فون پر ملاقات کر کے اصرار کرتا تو قبول فرما لیتے چنانچہ ہمیشہ بخاری شریف کے آخری درس کے لئے آتے تھے۔ کوئی آپ کی دعا میں نہیں چھوٹا۔ دارالعلوم اور دارالحدیث کی دیواروں اور اینٹوں میں حضرت کی آواز گونج رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ رحمت نصیب فرمائے! اور دارالعلوم کو ان کا بدل عطا فرمائے! حضرت شیخ مدظلہ العالی کی پردرد اور پرسوز دعا پر مجلس اپنے اختتام کو پہنچی۔ اخیر میں مولانا مجیب اللہ صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے پریم آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں ایک دن کی تعطیل کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ: آپ اپنے اپنے کمروں میں حضرت الاستاذ کے لئے ایصال ثواب کیجئے!

ظہر کی نماز سے پہلے ہی جنازہ احاطہ مولسری میں لایا گیا۔ مجمع کو کنٹرول کرنے کے لئے مولسری درخت سے مائیک باندھ دیا گیا تھا۔ بار بار مختلف ہدایات کے ذریعہ انسانی سروں کے سمندروں کو قابو میں رکھا گیا۔ احاطہ مولسری، صدر گیٹ، سڑک تک دفتر تعلیمات دارالاقامہ، اہتمام، مسجد قدیم کے راستے سب کے سب کچھ بھرے ہوئے تھے۔ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ڈھائی بجے حضرت الاستاذ قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ صدر گیٹ سے جنازہ مزار قاسمی لایا گیا۔ مجھ جیسے کم ہمت لوگ ”مدنی گیٹ“ سے آگے قبرستان کی طرف آگئے تاکہ تابوت کو ہاتھ لگانے کا شرف حاصل ہو جائیگا۔ لیکن قبرستان تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت الاستاذ مولانا قمر الدین صاحب زہد مجدہ اور حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی زید مجدہ کے ساتھ ”شیخ الہند“ ہال کے باہر بیٹھے رہے۔ ساڑھے تین بجے مٹی دینے کی نوبت آئی۔ سب لوگ اداس چہرے کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ ہر دل سے علامہ اقبال کی دعا آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ولادت ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ہوئی تھی۔ اس طرح عیسوی کے لحاظ سے بیانوے سال اور ہجری کے لحاظ سے ۹۵/۹۶

ل عمر پائی۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے خیر کے ساتھ ہمیں بھی طویل عمر عطا فرمائیں (آمین)

نواں باب

ارشادات و ملفوظات

شیخ الحدیث

مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ

ایک عمومی مصیبت اور اس کا دفعیہ

ارشاد فرمایا کہ:

آج کل سب سے بڑی ہمارے اندر یہ مصیبت ہو گئی ہے کہ ہماری زبانوں کو لگام نہیں ہے، ہر ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے کہ وہ ایسا ہے ویسا ہے، اور اپنے بارے میں نہیں سوچتا کہ میں کیسا ہوں۔

استاذ محترم کا ذکر

ارشاد فرمایا کہ:

مولانا عبدالعزیز صاحب بڑے بزرگ آدمی تھے، گلاؤٹھی ہی کے باشندے تھے، اور نو مسلم تھے آج بھی ان کا خاندان گلاؤٹھی میں موجود ہے، ان کی اہلیہ بڑی نیک، صلوٰۃ و صوم کی پابند تھیں یہ دونوں بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے، مولانا عبدالعزیز صاحب نے ہمیشہ بڑی دعائیں دیں (مولانا عبدالعزیز صاحب حضرت کے استاذ بھی تھے، اسی طرح وہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کے بھی استاذ تھے) ہم دونوں بھائیوں سے بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اور ہمیشہ بیٹوں کی طرح معاملہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضری اور حضرت گنج مراد آبادیؒ کا کشف

فرمایا کہ:

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کو کشف بہت ہوتا تھا، ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ملاقات کے لئے تشریف لے گئے

، اور یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت کیا پسند فرماتے ہیں؟ اس لئے اپنی پسند سے دو چیزیں لے گئے۔

ایک پیڑہ حضرت کی خدمت میں دینے کے لئے

اور ایک شربت انار، وہ اپنے لئے افطار میں پینے کے لئے (چونکہ رمضان کا مہینہ تھا) جب پیڑہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو خوش ہو کر خدام سے فرمایا: کہ اس کو رکھ لو افطار میں اس کا شربت بنا کر پیا کریں گے۔

پھر مولانا تھانویؒ سے معلوم کیا کہ آپ کے پاس کوئی دوا بھی ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ ساتھیوں نے یاد دلایا کہ شربت انار تو آپ کے پاس ہے، تو مولانا نے کہا کہ حضرت شربت انار ہے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو آپ اپنے پینے کے لئے لے کر آئے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ہاں اپنے لئے لایا تھا مگر آپ کو دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا اور قبول فرمالیا۔

ایک خوددار اور مستغنی قاری صاحب کا واقعہ

فرمایا کہ:

پہلے لوگوں میں غنا ہوتا تھا، فاقے کرتے تھے، پھر بھی طبیعت میں خودداری ہوتی تھی اور غنا ہوتا تھا، اگر کوئی خاص خادمہ بھی ان کے فاقہ کے راز کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتی تو اس کو تنبیہ کرتے تھے، کہ ایسا کیوں کیا؟

پھر اس پر ایک قاری صاحب کا قصہ سنایا کہ: ایک قاری صاحب تھے بہت عمدہ قرآن پاک پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں جارہے تھے کہ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور روپیہ پیسہ سامان کپڑے سب لوٹ کر لے گئے۔ قاری صاحب بے چارے خالی ہاتھ رہ گئے۔ کچھ ہمدرد لوگوں نے ایک تاجر سیٹھ صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ ایک قاری صاحب قرآن بہت عمدہ پڑھتے ہیں اور ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ گیا ہے، آپ ان کا قرآن پاک سنیں اور کچھ ان کی مدد کریں! وہ تیار ہو گئے اور قاری صاحب کو بلا لیا گیا۔ فرمائش پر قاری صاحب کی تلاوت سنی لوگ بہت خوش ہوئے اور سیٹھ صاحب بھی بہت خوش اور متاثر ہوئے اور جوڑا اور کچھ روپیہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اس وقت اگرچہ مجھ کو روپیہ اور رقم کی ضرورت ہے مگر تلاوت سے پہلے آپ پیش کرتے تو میں لے لیتا۔ اب قرآن کی تلاوت کے بعد اس کو لینا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ تو قرآن پاک کو بیچنا ہو جائے گا یہ کہہ کر ہدایا واپس کر دئے اور لینے سے انکار کر دیا تو ایسے خوددار اور غنا والے لوگ ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ انتہائی کرم کے معاملات فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا اس عمر میں (جبکہ بیانوے سال کی عمر ہے) بہت اچھا ہوں، مال کی طرف سے بھی مجھے بے فکر کر دیا، الحمد للہ اور اولاد کی طرف سے بھی بے فکر کر دیا۔

الحمد للہ ہماری تمام اولاد شادی شدہ ہیں اور سب صاحب اولاد ہیں، سب نیک ہیں، اللہ نے دارالعلوم میں صدر مدرس بنادیا اور حدیث شریف کی اہم کتاب بخاری شریف کی خدمت لے رہے ہیں۔

(کم و بیش ۳۲ برس آپ نے بخاری کا سبق پڑھایا۔ ۱۳۹۷ھ سے بخاری کا سبق آپ سے متعلق تھا) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہیں، ہم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

حضرت مولانا بایزید صاحب خلیفہ اجل حضرت مدنیؒ سے ایک پر لطف ملاقات اور استاذ محترم حضرت مدنیؒ کے

احسانات کا ذکر جمیل

۱۲ صفر المظفر ۱۳۲۷ھ بروز بدھ بعد نماز عصر حضرت مولانا بابا زید صاحب (جو افریقہ میں مقیم ہیں) تشریف لائے، مولانا بابا زید صاحب حضرت قطب الاقطاب شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلمیذ اور خلیفہ و مجاز ہیں، شیخ مولانا نصیر احمد خان صاحب مدظلہ اور مولانا بابا زید کے درمیان بڑی پر لطف گفتگو رہی، دونوں بزرگ ایک دوسرے کی تواضع کے لئے بچھے جاتے تھے، اکابر کے باہمی ربط و تعلق کی یہ عجیب مثال تھی، مولانا بابا زید نے فرمایا کہ دارالعلوم میں میرا داخلہ ۱۹۳۵ء میں ہوا تھا جب میں پڑھنے کے لئے آیا اس وقت بھی آپ مدرس تھے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا تقرر بھی ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۶۵ھ میں ہی ہوا تھا۔

اور فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ نے بلا میری درخواست کے تقرر کر دیا، آپاجی ”اہلیہ حضرت مدنی آج بھی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اگرچہ کمزور ہیں مگر صحیح اور سلامت ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین“ (اب رحلت فرمائیں ہیں، از: مرتب) نے مجھ سے فرمایا کہ جس دن تقرر کرایا تو حضرت بہت خوش تھے اور بڑی خوشی میں آکر گھر میں ارشاد فرمایا کہ آج ہم نے خان صاحب کا تقرر کر دیا۔ حضرت کی شروع سے آخر تک بڑی شفقتیں رہیں ہر سال بلا کہے کتابیں بدل کر ترقی دیدیتے تھے، میزان سے درس کا آغاز ہوا اور آج الحمد للہ ”اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف“ کا درس چل رہا ہے، آج حضرت دنیا میں نہیں ہیں مگر یہ سب حضرت کی توجہ کی برکات ہیں۔

پھر فرمایا کہ:

میں نے ترجمہ نہیں پڑھایا تھا اور حضرت نے میرے نام جلالین شریف طے فرمادی تھی، جب کہ یہاں دارالعلوم میں اصول ہے کہ جو مدرس ترجمہ قرآن پڑھا چکا ہو اس کو جلالین دی جاتی تھی، بہر حال جلالین جب دی گئی تو کچھ معاصرین نے کہا کہ آپ نے ترجمہ تو پڑھایا نہیں ہے جلالین کس طرح پڑھا و گئے؟ میں نے کہا کہ حضرت نے میرے نام متعین فرمادی ہے اور حضرت سے جا کر کہا کہ اپنے جلالین میرے لئے لکھ دی ہے مگر میں اس کو کیسے پڑھاؤں گا مجھ میں اتنی استعداد کہاں ہے؟ مجھ سے نہیں پڑھائی جائے گی تو ارشاد فرمایا کہ تم جوان آدمی ہو محنت کر کے پڑھاؤ! تو میں نے کہا حضرت دعا کا وعدہ فرمائیے! فرمایا کہ ہاں ہاں دعا بھی ہوگی! بس میں نے اللہ کے فضل سے پڑھائی اور متعدد مرتبہ پڑھائی اور الحمد للہ کبھی شکایت نہیں آئی۔

اور بھی کئی امور پر دونوں حضرات کا تبادلہ خیال ہوا اور پھر قبل مغرب مولانا بابا زید صاحب اجازت لے کر رخصت ہو گئے اور مجلس برخواست ہو گئی۔

دہلی کے بزرگوں کے احوال کا تجزیہ ایک نو وارد صاحب کشف کی زبانی

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

دہلی میں کہیں دوسری جگہ سے ایک بزرگ آئے اور ان کو دہلی کے اکابر اور بزرگوں سے ملاقات کی خواہش ہوئی مگر وہ کسی کو جاننے نہیں تھے، اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خلفاء دہلی میں موجود تھے۔ آنے والے بزرگ نے جامع مسجد کے خادم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں دہلی کے بزرگوں سے ملنا چاہتا ہوں آپ میری رہنمائی کریں تو بہت اچھا ہو! خادم نے اس شرط کے ساتھ قبول کر لیا کہ جو کچھ وہاں دیکھیں اس سے مجھے بھی مطلع کریں چنانچہ چل دئے اور سب سے پہلے شاہ غلام علی صاحب (جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلیفہ تھے) کے پاس پہونچے، ملاقات کی، کچھ دیر بیٹھے جب باہر آئے تو خادم نے معلوم کیا کہ کیسا پایا؟

فرمایا کہ بہت بزرگ ہیں، بڑے مرتبے والے ہیں، ان کا فیض بہت دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں پہونچے، ملاقات کی وہاں بھی حسب سابق کچھ دیر ٹھہرے اور پھر واپس ہو گئے، خادم نے پھر پوچھا کہ کہنے یہ بزرگ کیسے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو پہلے والے بزرگ سے بھی بہت بڑے اونچے مرتبہ کے ہیں۔ صاحب شریعت ہیں، بہت باکمال ہیں اور ان کے فیض شریعت کی نہریں پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اس کے بعد یہ لوگ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس گئے اور ان کے پاس جا کر تھوڑی ہی دیر ٹھہرے اور اٹھ کر جلدی سے چل دیئے اور کہا کہ

جلدی مجھے یہاں سے لے چلو، خادم نے معلوم کیا کہ کیا ہوا؟ تو بزرگ صاحب نے فرمایا کہ جیسے ہی میں نے اکبری مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ جو کچھ میرے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور میرے اوپر ان کی جلالت شان کی وجہ سے انتہائی رعب طاری ہو گیا اور یہ احساس ہوا کہ بس اب دم نکل جائے گا، اور فرمایا کہ یہ تو بہت جلالی بزرگ ہیں۔

حالات کا بگاڑ قرب قیامت کی علامت ہے

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

بھائی آج کل تو چیزوں کے ذائقے ہی بدل گئے ہیں آم کھاؤ تو اس میں ذائقہ نہیں، مٹھائی کھاؤ تو اس میں ذائقہ نہیں۔ غرض پہلے جیسے ذائقے ہی نہیں رہے بالکل بدل گئے، اور چیزوں کا ذائقہ ہی کیا، انسان ہی بدل گیا۔ پہلے جیسے انسان ہی نہیں رہے، آپس میں میل محبت، خوشگوار تعلقات ہوتے تھے، اگر ایک جگہ ہندو اور مسلم پڑوس میں رہتے تھے تو ان میں بھی محبت ہوتی تھی، ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر شریک ہوتے تھے، اب وہ محبت ہی نہیں رہی، اب تو ذرا سی بات ہوئی دوسرے کو قتل کر دیا، مار دیا، کسی کا مال لوٹ لیا، کسی کی عزت و آبرو خراب کر دی، تو یہ کام کوئی انسانوں کے ہیں، یہ تو جانوروں کے کام ہیں، یہ انسانوں کے نہیں، آج کل تو اخبار میں بھی یہ خبریں زیادہ ہوتی ہیں کہ وہاں اتنے لوگ مار دئے گئے، وہاں کسی کی بیٹی کی آبروریزی کی گئی، وہاں ڈکیتی ہو گئی، وہاں بینک لوٹ لیا گیا، بس انہیں خبروں سے اخبار بھرے رہتے ہیں اور فرمایا کہ بھائی! یہ سب قرب قیامت کی علامتیں ہیں، قیامت کے قریب اسی طرح کے فتنے ہوں گے۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی ایک کرامت، شیعوں میں سے اصلی

سید کو پہچان لیا کرتے تھے

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ شیعوں میں جو اصلی سید ہوتے تھے، ان کو آپ پہچان لیا کرتے تھے اور پھر ان کی تعظیم بھی کیا کرتے تھے اور جو اصلی سید نہیں ہوتے تھے ان کو بھی پہچان لیتے تھے اور ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور اس زمانے میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی۔

اس بات کا ذکر ایک رئیس صاحب کی مجلس میں آیا اور وہ رئیس صاحب خود بھی شیعہ تھے، انہوں نے کہا کہ اچھا میں بھی حضرت کے یہاں چلتا ہوں اور اس بات کا تجربہ کروں گا اور حاضرین سے کہا کہ تم بھی چلو اور سب لوگ میرے ساتھ چلیں کوئی مجھ سے آگے نہ چلے۔ چنانچہ رئیس صاحب حضرت کے یہاں پہونچے تو حضرت شاہ صاحب نے ان کو پہچان لیا اور ان کی خوب تعظیم کی، تو اس پر رئیس صاحب نے کہا کہ: میں تو شیعہ ہوں، آپ کیوں میری تعظیم کرتے ہیں، تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ: کاتب اگر قرآن پاک لکھنے میں کہیں غلطی کر دے تو اس کو قرآن ہی کہا جائے گا یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن نہیں ہے، ہاں یہ بھی کہیں گے کہ یہاں کاتب نے غلط لکھ دیا ہے، تو اسی طرح آپ اصل میں سید ہیں اور سید ہی آپ کو کہا جائے گا، ہاں جو شیعیت کی وجہ سے نظریات غلط آگئے ہیں ان کو غلط کہا جائے گا۔ بہر حال آپ سید ہیں اگرچہ شیعیت کی وجہ سے آپ کے نظریات غلط ہیں، اس پر وہ رئیس صاحب شیعیت سے تائب ہو گئے اور سنی ہو گئے اور جتنے لوگ ان کے ساتھ تھے وہ سب شیعہ تھے وہ سب بھی تائب ہو کر سنی بن گئے۔

اصلاح کا طریقہ کار

اس تفصیلی قصہ کے بعد فرمایا کہ بھائی! ضد جب پیدا ہوتی ہے کہ جب مخاطب کی سامنے اس کی تردید کی جاتی ہے، پھر مناظرہ کا بازار گرم ہوتا ہے

جس کی وجہ سے ماحول خراب ہوتا ہے، اب افہام و تفہیم کا راستہ بند ہو جاتا ہے، ہونا یہ چاہئے کہ اس کی اصلاح تنہائی میں ہو جس سے وہ آپ کو اپنا خیر خواہ سمجھے اور حق قبول کرے۔

نیز فرمایا کہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمائی اعلیٰ درجے کے مناظر تھے، ساری زندگی مناظرے کئے مگر آخر میں فرماتے تھے کہ مناظروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے اور میرا بھی مناظروں میں بہت وقت ضائع ہوا اس سے ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی ہے، اصلاح کے لئے مناظرہ کا راستہ ترک کر کے خیر خواہی اور نرمی کے ساتھ افہام و تفہیم کا کام کرنا چاہئے اسی سے فائدہ ہوتا ہے، اسی سے اصلاح ہوتی ہے۔

علماء نہ ہوں تو دین کا کام ٹھپ ہو جائے

ایک مرتبہ آپ کے ایک قدیم شاگرد حضرت مولانا محمد غفران صاحب کنگلی عصر کے بعد ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کی فراغت ۱۹۶۶ء کی ہے، حضرت شیخ سے جلالین شریف اور مختصر المعانی پڑھی ہے، حسب عادت مزاج پر سی فرمائی پھر معلوم فرمایا کیا آپ کا مدرسہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں مدرسہ عالیہ سے رٹائر ہو گیا ہوں اور دو مدرسوں کی اس وقت ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہوں، حضرت نے معلوم فرمایا کہ آپ کا کوئی عزیز اس وقت دارالعلوم میں پڑھتا ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں میرا بچہ دارالعلوم کے درجہ ششم میں پڑھتا ہے، فرمایا کہ دو سال کے بعد یہ بھی فارغ ہو جائیں گے اور آپ کا خاندان ان شاء اللہ علماء کا خاندان ہوگا۔

اور پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی علماء کی بڑی برکت ہے، خاندان میں کوئی عالم دین ہو، حافظ ہو اس کی بڑی خیر و برکت ہوتی ہے، اور اس کا اصل علم تو بھائی آخرت میں ہوگا، اللہ کے یہاں ان کے بڑے بڑے درجات ہونگے، یہاں تو آج کل حافظ کو، عالم دین کو لوگ بے کار ہی سمجھتے ہیں، ان کی کوئی قدر نہیں کرتے، ان کی توہین کرتے ہیں، حالانکہ دین شریعت کی یہی لوگ حفاظت کرتے ہیں، اگر یہ لوگ نہ ہوں تو دین کا کام ہی ٹھپ ہو کر رہ جائے، اس لئے بھائی اس کی بڑی قدر کرنا چاہئے، پھر اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انیہٹوی کا ایک قصہ سنایا۔

طلبہ دین کی قدر کرنی چاہئے

فرمایا کہ:

مظاہر علوم سہارنپور میں ایک طالب علم مطبخ میں کھانا لینے گیا تو ناظم مطبخ نے اس کو جلی ہوئی روٹی دی، اس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں جلی ہوئی روٹی نہیں لیتا، ناظم نے کہا کہ میں اس کو اپنے حساب میں نہیں لگاؤں گا تم کو لینی ہوگی، اور مزید ڈانٹ ڈپٹ بھی کی کہ تمہیں دن لگ گئے ہیں، بہت مزاج خراب ہو گیا ہے وغیرہ۔ وہ طالب علم حضرت کے پاس شکایت لے کر گیا اور پورا قصہ حضرت کو سنایا حضرت پوری بات سن کر مطبخ میں تشریف لائے اور ناظم مطبخ سے معلوم کیا کہ تمہارا اس طالب علم کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ اس نے بتایا۔ حضرت نے پوری تفصیل سن کر فرمایا کہ تمہیں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ مجھے اور تمہیں جو تنخواہ ملتی ہے وہ انہیں طلبہ کی وجہ سے ملتی ہے، انہیں کی وجہ سے مدرسہ قائم ہے، اگر یہ نہ ہوں گے تو نہ مدرسہ ہوگا نہ اساتذہ ہونگے اور جب مدرسہ ہی نہ ہوگا نہ تمہاری ضرورت ہوگی اور نہ میری ضرورت ہوگی۔ اس لئے تمہیں روٹی انہیں طلبہ کی وجہ سے ملتی ہے اور تم ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہو؟ حضرت بہت سخت ناراض ہوئے اور اب تو معاف کرتا ہوں اگر آئندہ ایسی غلطی کی تو مدرسہ سے تمہیں نکال دوں گا۔

ہلال رمضان کے تعلق سے شاہ عبدالقادر صاحب کی ایک عجیب کرامت اور ولی اللہی خاندان کی خدمات

کا ذکر

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر رمضان کی پہلی شب میں تراویح میں دوپارے پڑھتے ہیں تو رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند ہوگا اور ایک پارہ پڑھا ہے تو رمضان پورے تیس ہوں گے اور تیس رمضان کو شوال کا چاند نظر آئے گا، ہر روز ایک پارہ پڑھتے تھے انتیس کے چاند کی وجہ سے پہلی شب میں دوپارے پڑھتے تھے اور یہ بات اتنی مشہور تھی کہ اسی اعتبار سے لوگ اپنے اپنے کام کرتے تھے درزی، دھوبی اور دیگر لوگ اسی کے حساب سے کام لیتے تھے۔ اگر پہلی شب میں دوپارے پڑھے ہیں تو تمام لوگ ۲۹ رمضان تک اپنے اپنے کام کرتے تھے۔ اگر پہلی شب میں ایک پارہ پڑھا ہے تو لوگ سمجھتے تھے کہ پورے ۳۰ روزے ہوں گے اس لئے تیس رمضان تک کام لیتے تھے

فرمایا کہ یہ ان کی کھلی ہوئی کرامت تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب دہلوی کو بڑے کمالات عطا فرمائے تھے۔ اسی طرح ان کے خاندان کے لوگوں کا حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑے بڑے فضل و کمال عطا فرمائے تھے، خاص طور سے اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی تفسیر اور حدیث کی اشاعت کے سلسلے میں بڑا کام لیا، متحدہ ہندوستان بلکہ پورے ایشیاء میں خدمت قرآن و حدیث کا سہرا اسی خاندان کے سر ہے، ان حضرات نے بڑی قربانیاں دی ہیں اور قرآن و حدیث کے علوم کو خوب پھیلایا ہے۔

بنیادی کتابوں میں بے انتہا محنت کی ضرورت ہے

مولوی مفتی سید عفان منصور پوری ابن حضرت الاستاذ مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوری نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ملاقات کے لئے حاضر ہوئے جو اس وقت ”جامعہ قاسمیہ شاہی مدرسہ“ کے ہونہار مدرس تھے موصوف فطرتاً بڑے نیک اور سنجیدہ ہیں، دارالعلوم کے دوران تعلیم حضرت کے یہاں آتے رہتے تھے (حضرت کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہیں مدرس ہو گئے ہیں) معلوم کیا کہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ”شاہی“ میں خدمت کر رہا ہوں حضرت نے فرمایا بہت اچھا اور معلوم کیا کہ کیا کیا کتابیں پڑھا رہے ہو؟ مولوی عفان صاحب نے بتایا کہ ہدایۃ النخو، کافیہ، قدوری، ترجمہ کلام پاک پڑھا رہا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا اور یہ بنیادی کتابیں ہیں انکو خوب محنت سے پڑھنا چاہئے، ان سے استعداد پختہ ہوتی ہے ان کو چھوٹی کتابیں نہیں سمجھنا چاہئے اور فرمایا کہ میں نے بھی دارالعلوم دیوبند میں میزان، نجومیر، صرف میر، ہدایۃ النخو، کافیہ وغیرہ کتب بہت عرصہ تک پڑھائیں، شرح جامی بھی کافی عرصہ تک پڑھائی اور جب ان کتب کو پڑھاتا تھا تو جی یہ چاہتا تھا کہ بس انہیں کتب کو پڑھاتا رہوں اور کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، اس زمانہ میں قندھار، کابل، وغیرہ کے طلبہ بھی آتے تھے درسی کتابوں اور حواشی کو حفظ کر کے لاتے تھے، میں شرح جامی کو بہت سی شروحات اور حواشی کو دیکھ کر پڑھاتا تھا تو وہ طلبہ بہت خوش ہوتے تھے اور میرے یہاں جماعت بہت زیادہ رہتی تھی اس زمانہ میں طلبہ بڑے ذی استعداد ہوتے تھے، محنتی اور باادب ہوتے تھے، آج کل ایسے طلبہ نہیں ہوتے مگر فرمایا کہ بھائی یہ بھی غنیمت ہے انہیں سے مدارس آباد ہیں کل ایسے بھی نہیں ہوں گے۔

احتیاط کے فقدان پر اظہارِ افسوس اور مولانا رفیع الدین صاحب کے کمال احتیاط کا ذکر

حضرت کی مجلس میں ایک صاحب کا ذکر ہوا کہ فلاں صاحب ایک جلسہ کر رہے ہیں اسی جلسے میں کوئی شادی رکھیں گے کوئی عقیقہ کریں گے کوئی ایک دو پروگرام کریں گے، حضرت نے فرمایا کہ اس میں خرچ تو مدرسہ ہی کا ہوتا ہوگا خرچ مدرسہ سے کا ہوا اور اس میں ذاتی کام بھی شامل کر لئے جائیں، بھائی! یہ درہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ چیز احتیاط کے خلاف ہے، ہمارے اکابر، بزرگ اس کا بڑا خیال رکھتے تھے، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم کا حوالہ دیکر فرمایا کہ یہ حضرات اس قدر محتاط تھے کہ اگر مدرسہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اوقات مدرسہ میں کوئی ذاتی تحریر لکھنی ہوتی جس کا تعلق مدرسہ سے نہیں ہوتا

تو اس مدرسہ کے قلم سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ اس کے لئے اپنا ذاتی قلم اور ذاتی کاغذ استعمال فرماتے تھے، گویا اپنے ذاتی کام کے لئے مدرسہ کی روشنائی اور قلم اور کاغذ تک کا استعمال نہیں فرماتے تھے، جبکہ اس زمانے میں اس کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی ہے اور اس کو بہت معمولی سمجھا جاتا ہے۔

کسی کے اعتماد کو خراب نہیں کرنا چاہئے

فرمایا کہ:

کسی کے اعتماد کو خراب نہیں کرنا چاہئے اگر کسی کو کسی شخص پر اعتماد ہے تو اس کا اعتماد باقی رکھ کر بات چیت کی جائے، اس پر ایک قصہ سنایا کہ حضرت تھانویؒ نے ایک حکیم صاحب کا واقعہ لکھا ہے کہ ان حکیم صاحب کے پاس ایک مریض آئے اور حکیم صاحب نے ان کی نبض دیکھ کر ان کے لئے نسخہ لکھ دیا، اگلے دن وہ مریض پھر آیا کہ حکیم صاحب آج بھی نسخہ لکھ دیں حکیم صاحب نے معلوم کیا کہ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ فائدہ ہے! حال اچھا ہے، حکیم نے کہا کہ نسخہ لاؤ! تو اس نے کہا کہ نسخہ تو میں نے گھول کر پی لیا (اس غریب نے نسخے والے کاغذ کو بھی پکا کر پی لیا تھا) تو حکیم صاحب نے اس کو ڈانٹا نہیں اور نہ کچھ کہا بلکہ اس کو دوسرا نسخہ لکھ کر دیدیا اور مزید کہا کہ اگر ضرورت پڑے تم پھر لکھوا کر لے جانا، پھر فرمایا کہ جب کسی چیز پر اعتقاد ہو جاتا ہے تو پھر اس سے فائدہ بھی ہو جاتا ہے، ہندوستان میں آج تک یہ رواج ہے کہ جب نماز پڑھ کر لوگ نکلتے ہیں تو بہت سی عورتیں اور بڑے بچے چھوٹے بچوں کو لے کر مسجد کے باہر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نمازیوں سے دم کراتے ہیں چنانچہ بچوں کو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے شفا دیدیتے ہیں اور ان لوگوں کو اس دم پر اتنا اعتقاد ہے کہ اگر بچوں پر مسجد میں دم کر لیا تو بس بچے صحت یاب ہو جاتے ہیں اور پھر دوا کی حاجت نہیں رہتی، یہ رواج دم کرانے کا ادھر کے علاقوں میں بھی بہت تھا اور اب بھی ہے اگرچہ آج کل بہت کم ہے، دیہات وغیرہ میں آج بھی ہے۔

حدیث شریف کی عبارت صاف پڑھنا چاہئے

فرمایا کہ:

بعض طلبہ تو عبارت اتنی صاف پڑھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ بالکل صاف سمجھ میں آتا ہے اور بعض طلبہ ایسا پڑھتے ہیں کہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ آپ کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو صاف نہیں پڑھتے، یہ انتہائی تکلیف کی بات ہے۔ جب بھی آپ کا نام نامی آئے سب کو درود شریف پڑھنا چاہئے اور یہی ہماری درس گاہ کا امتیاز ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جتنا درود شریف دارالعلوم میں پڑھا جاتا ہے اتنا دنیا کے کسی خطے میں نہیں پڑھا جاتا، صبح سے لے کر رات کے بارہ بجے تک طلبہ حدیث شریف درود پڑھتے ہیں اور فرمایا کہ: میں نے کئی مرتبہ طلبہ سے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا طریقہ بیان فرماتی ہیں کہ آپ اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ ہر بات بالکل واضح اور صاف ہوتی تھی۔ یہ تمام احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی حکایت ہیں۔ اس لئے ان کو بالکل صاف پڑھنا چاہئے اور آپ کے نام پر ہر مرتبہ درود شریف بھی پڑھنا چاہئے۔

حدیث کی عبارت خوانی کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کا خصوصی امتیاز

دارالعلوم دیوبند کا یہ بھی ایک خصوصی امتیاز ہے کہ یہاں حدیث شریف کی عبارت خوانی پر بہت توجہ دی جاتی ہے اس کی رفتار تیز نہ ہو، الفاظ صاف ہوں، حروف کی تصحیح بھی ہو اور بقدر ضرورت حرف میں تجوید کی بھی رعایت ہو چنانچہ حدیث شریف کے بعض اساتذہ تاکید فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ترتیل قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اسی طرح ترتیل احادیث شریف کی بھی تلاوت ہونی چاہئے اس سے زیادہ تیز نہیں پڑھنا چاہئے۔ (از مرتب)

مولانا عبدالقادر رائے پوری اور دیگر اکابر کا ذکر

فرمایا کہ:

ہم نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کو تو دیکھا نہیں البتہ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کو ضرور دیکھا ہے، اتنے حسین تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہیں بلکہ کوئی فرشتہ بیٹھا ہوا ہے، نہایت نیک و صالح بزرگ، البتہ ان کو کچھ عوارض تھے، بواسیر وغیرہ جس کی وجہ سے وہیں خانقاہ میں الگ جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور بہت مختصر نماز ہوتی تھی، فجر میں چھوٹی سورتوں سے ان کی جماعت ہوتی تھی، آخر عمر میں پاکستان ن گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہو گیا، اب مریدین میں اختلاف ہو گیا، پاکستان کے مریدین حضرت کو وہیں دفن کرنا چاہتے تھے، ہندوستانی مریدین ہندستان لانا چاہتے تھے اس میں اختلاف ہو گیا، مشورہ ہوا کہ فیصلہ ہونے تک حضرت کی نعش مبارک کو امانت رکھ دیا جائے۔ چنانچہ نماز جنازہ کے بعد مسجد کے فرش پر ایک طرف جنازہ رکھ کر اوپر سے ڈاٹ بنادی گئی اور آج تک اسی شکل میں ہے، پھر اسی کو قبر تصور کر لیا گیا اس کے بعد حضرت نے مزاحاً فرمایا کہ بزرگوں کی بھی بچاروں کی بڑی مصیبت ہے، زندگی میں بھی مریدین لئے پھرتے ہیں اور وفات کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر مریدین کا بس چلے تو پیر صاحب کا اچار بنالیں، کچھ وقفے کے بعد فرمایا کہ بھائی جن بزرگوں کی ہم نے زیارت کی ہے اب ان کی مثالیں ملنا مشکل ہے، ان کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب دہلوی، مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، دیوبند میں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث، شاہ عبدالقادر صاحب وغیرہ اور لطف یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہی زمانے میں تھے ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ ایک دوسرے کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے، ان کے قلوب میں ایک دوسرے کی بڑی تعظیم تھی اور جب یہ لوگ سب ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے تو بڑا عجیب منظر ہوتا تھا، ان اکابر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ تو بڑھاپے میں اتنے حسین و خوبصورت تھے کہ دیکھنے والا متحیر ہو جاتا تھا، گلاؤٹھی ہر سال جلسے میں تشریف لے جاتے تھے اور جب بھی گلاؤٹھی تشریف لے جاتے تو صوفی کرم حسین کے یہاں ان سے ملاقات کے لئے ضرور تشریف لے جاتے تھے، صوفی جی کا تعلق حضرت گنگوہی سے تھا۔ اس لئے حضرت مدنی ان کے یہاں ضرور تشریف لے جاتے تھے تو مدرسہ سے صوفی جی کے مکان تک جس وقت حضرت تشریف لے جاتے تھے اس وقت لوگ راستے میں حضرت کو بڑے تعجب اور حیرت سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ غیر مسلم بنے بھی اپنی اپنی دکانوں سے اتر کر راستوں میں کھڑے ہو کر بڑی عقیدت سے حضرت کو دیکھتے تھے، بڑی نورانیت اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، اب ایسی نورانیت کس میں ہے؟

سلسلہ گفتگو اچانک روک کر حضرت نے گھڑی دیکھی، یاد فرمایا کہ آج تو چائے بھی نہیں آئی، یاد ہی نہیں رہا، مجلس میں موجود حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب نے عرض کیا، حضرت کے ملفوظات تو چائے سے بھی زیادہ شیریں ہیں، چائے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس پر حضرت کو قدرے رقت ہو گئی اور فرمایا کہ بھائی میرے کیا ملفوظات ہیں، میرے اوپر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے ورنہ تو ”من آنم کہ من دامن“ مجھے اپنی حقیقت کا خود پتہ ہے نیز فرمایا کہ بھائی! ہم لوگ تو پیٹ کے بندے ہیں اور یہ لوگ اللہ کے خاص بندے تھے، اس درمیان اندر گھر میں سے شربت روح افزا آ گیا، حضرت دیکھ کر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ پیو بھائی پیو! اور سب کو پلاؤ! قاری صاحب مدظلہ نے عرض کیا حضرت آپنے چائے کو یاد کیا تھا اس سے بہتر چیز گرمی کے موسم کے لحاظ سے اللہ نے شربت بھیج دیا، حضرت نے فرمایا جی ہاں! اور شربت پلا کر نماز مغرب کی تیاری کے لئے اٹھ گئے اور مجلس برخاست ہو گئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ کی شان خطابت

فرمایا کہ:

ایک دفعہ سہارنپور میں ایک جلسہ ہوا، اس جلسہ میں بہت سے علماء کو تقریر کرنی تھی، حضرت نانوتوی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، حضرت تشریف لے گئے اور شروع میں ہی حضرت کی تقریر ہو گئی، حضرت کے بعد کئی علماء کی تقریریں تھیں مگر کوئی بھی عالم صاحب تقریر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور علماء نے کہا کہ

اب آپ کی تقریر کے بعد کون تقریر کر سکتا ہے کسی کی مجال نہیں، کہ آپ کی تقریر اتنی ٹھوس اور مدلل تھی کہ جس کے بعد کسی کی تقریر چل ہی نہیں سکتی تھی پھر آپ کی جلالت علمی کی شان ہی کچھ ایسی تھی کہ بڑے بڑے لوگ مرعوب ہو جاتے تھے اس لئے آپ کی تقریر کے بعد کوئی تقریر نہیں کر سکا اور جلسہ ختم ہو گیا۔

حضرت نانوتویؒ رؤساء کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے

فرمایا کہ:

حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کا تعلق گلاؤٹھی اور خورجہ کے لوگوں سے بہت تھا اگرچہ بلند شہر درمیان میں پڑتا تھا مگر وہاں آمد و رفت حضرت کی نہیں تھی اور وہ لوگ بھی حضرت سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے، خورجہ میں بڑے بڑے رئیس اور اونچے خاندان کے سرمایہ دار لوگ بھی تھے جو حضرت سے عقیدت رکھتے تھے اور حضرت کی خوب تواضع کرتے تھے مگر عجیب بات ہے کہ حضرت کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔

حضرت نانوتویؒ کے استغناء کا عجیب واقعہ

فرمایا کہ:

ایک دفعہ میرٹھ کے مشہور اور بڑے تاجر شیخ عبدالکریم صاحب ملاقات کے لئے حضرت کے پاس آئے اس وقت حضرت چھتہ کی مسجد کے احاطہ میں جامت بنوارہ تھے، شیخ عبدالکریم ایک بڑی رقم حضرت کو دینا چاہتے تھے، حضرت نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، انہوں نے دوسری جانب کو آکر پیش کش کی، حضرت نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا، غرض یہ کہ حضرت نے کسی طرح ان کا ہدیہ قبول نہیں کیا، انہوں نے مجبور ہو کر یہ کیا کہ حضرت کی جوتیوں میں وہ رقم ڈال گئے، جب حضرت باہر آئے تو دیکھا کہ جوتیوں میں رقم پڑی ہوئی ہے، حضرت نے جوتیاں جھاڑ دیں اور اس رقم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

حضرت نانوتویؒ کا تعلق صرف اللہ واسطے ہوتا تھا، آپ کے مخلصانہ تعلق کا حیرت انگیز واقعہ

فرمایا کہ:

ایک نواب صاحب تھے وہ حضرت نانوتویؒ سے ملاقات کے خواہشمند تھے مگر حضرت ان سے ملتے نہیں تھے، ان صاحب کو جب معلوم ہوتا کہ حضرت فلاں جگہ ہیں تو وہ صاحب ملاقات کے لئے آتے مگر حضرت وہاں سے رخصت ہو کر دوسری جگہ چلے جاتے، جب نواب صاحب دوسری جگہ پہنچتے تو حضرت وہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جاتے اور نواب صاحب سے کہلا دیتے کہ ملاقات کے لئے یہ شرط ہے کہ غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوادیں، نواب صاحب مسجد بنوائیں سکے اور حضرت نے ان کو ملاقات کا موقع نہیں دیا، شاید کوئی مجبوری ہوگی یا سرکار انگریزی سے اجازت نہ ملی ہو، اس لئے نواب صاحب وہاں مسجد نہ بنوا سکے ہوں، حضرت نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی اور ہمارے تمام اکابر کو اللہ سے ایسا تعلق تھا کہ دنیا و مافیہا کی ان کے سامنے کوئی قدر و قیمت نہیں تھی یہ لوگ خالص اللہ والے تھے۔

دہلی کے دو مجذوب جن کے ذمہ تکوینی امور تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں دہلی میں مجذوب بہت رہتے تھے، اب کا تو علم نہیں مگر پہلے زمانے میں بہت رہتے تھے، ان کے ذمہ تکوینی امور بھی ہوتے تھے اور وہ لوگ مختلف رنگ میں رہتے تھے ایک صاحب ایک مجذوب کے پاس گئے وہ تربوز بیچتے تھے ان صاحب نے تربوز لیا وہ بیٹھا نہیں تھا کہا تربوز تو بیٹھا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ دوسرا لے لو! انہوں نے دوسرا لے لیا اور اس کے بارے میں بھی کہہ دیا کہ بیٹھا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ اور لے لو! غرض انہوں نے سارے تربوز کاٹ کر خراب کر دئے اور لیا ایک بھی نہیں اور سب خراب کر کے چلے گئے، اب یہ صاحب دوسرے مجذوب کے پاس گئے وہ جامع مسجد دہلی میں

پانی پلا رہے تھے انہوں نے پانی تھوڑا سا گرا دیا تو مجذوب صاحب نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ کیا تر بوز والا سمجھ رکھا ہے؟ ایسے ہی عجیب عجیب ان کے واقعات ہوتے تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ایک مخالف کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ کا دعا سے انکار کرنا فرمایا کہ:

دیوبند کے ایک صاحب تھے ان کے ذمہ کوئی مقدمہ لگ گیا اور اس میں ان پر کوئی بڑی رقم واجب الادا ہو گئی، وہ بہت پریشان ہوئے اور ناچارو مجبور ہو کر دعا کے لئے حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ کے یہاں گئے، ان سے جا کر عرض کیا کہ حضرت میں دعا کے لئے حاضر ہوا ہوں، ایسا ایسا معاملہ ہے! میں بہت زیادہ پریشان ہوں! معلوم کیا کہ کہاں سے آنا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ دیوبند سے، حضرت نے فرمایا کہ دیوبند سے آئے ہو؟ تو گنگوہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس نہیں گئے؟ دیوبند سے تو گنگوہ قریب ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت! مجھے تو آپ سے عقیدت ہے! میں آپ سے دعا کرانے حاضر ہوا ہوں اور بہت اصرار کیا اور حضرت منع کرتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر تمام اولیاء بھی ملکر تمہارے لئے دعا کریں تو تمہارا مسئلہ حل نہیں ہوگا، تمہارا مسئلہ صرف گنگوہ سے حل ہوگا! تم وہاں جا کر دعا کراؤ! وہ صاحب گنگوہ گئے اور جا کر حضرت سے دعا کے لئے کہا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے میرا کوئی نقصان نہیں کیا ہے۔ تم نے میری کوئی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ تم نے اللہ کی مخالفت کی ہے پہلے تم اس سے توبہ کرو پھر میں دعا کروں گا۔ یہ صاحب دارالعلوم کے مخالف تھے اور دارالعلوم میں ممبری کے خواہشمند تھے، ممبر نہ بنائے جانے پر دارالعلوم کی مخالفت کرتے تھے۔ اب حضرت کے کہنے پر ان کو تنبیہ ہوئی اور انہوں نے توبہ کی پھر حضرت نے بھی دعا فرمائی اور ان کا مسئلہ حل ہو گیا، مقدمہ میں بھی ان کو کامیابی مل گئی۔ دراصل مسئلہ یہ تھا کہ بعض اہل دیوبند (جو علماء میں سے نہیں تھے) یہ چاہتے تھے کہ ہم لوگ مدرسے کے ممبر بنیں اور اس کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں۔ ادھر حضرت گنگوہی دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ تھے، ان کی تاکید تھی کہ کسی غیر عالم کو ممبر نہ بنائیں! ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے حضرت کو لکھا بھی تھا کہ اگر ان میں سے ایک دو ممبر بنالیں تو کیا حرج ہے؟ اور تو سب لوگ علماء ہی رہیں گے اور ہماری اکثریت رہے گی اس لئے کیا حرج ہے؟ حضرت گنگوہی نے جواب دیا کہ مدرسہ سے مقصود رضائے الہی ہے، محض مدرسہ مقصود نہیں ہے۔ ہمارے ذمہ اللہ کی رضا جوئی ہے اور مدرسہ اس کا ذریعہ، اگر ان کے ممبر نہ بنانے سے انتشار ہو تو مدرسہ بند کر دیا جائے اس کی ضرورت نہیں ہے مگر ان کو ہرگز ممبر نہ بنایا جائے (اس زمانے میں ممکن ہے کہ اس طرح کے کچھ لوگ ہوں گے جن کے مزاج میں شرارت ہو جب کہ اوپر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کے لوگوں کے لئے حضرت منع فرماتے تھے۔ ورنہ عموماً اہل دیوبند علماء کے معتقد اور قد رشناس رہے ہیں۔ اور دارالعلوم کے خدام رہے اور انہوں نے بہت سے نازک مرحلوں میں دارالعلوم اور اس کے ذمہ داروں کا ساتھ دیا ہے اور ہر ممکن تعاون پیش کرتے رہے ہیں، از ناقل)

حضرت شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں اور مولانا فخر الدین صاحب کا واقعہ

بزرگوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس پر حضرت دہلوی:، مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت مولانا فخر الدینؒ کا درج ذیل واقعہ سنایا، آپ نے فرما

یا کہ:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان تینوں بزرگوں کی ایک صاحب نے دعوت کر دی، تینوں بزرگ بڑے اونچے درجے کے لوگ ہیں، تینوں اس زمانے کے اقطاب ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو دنیا جانتی ہے، انہوں نے اور ان کے خاندان نے قرآن وحدیث کی وہ خدمات انجام دی ہیں جنہیں کبھی

فراموش نہیں کیا جاسکتا، اور حضرت مرزا صاحب بھی بڑے عالم، شاہی خاندان سے ان کا تعلق ہے، حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت کا تعلق ہے اور مزاج میں بڑی نزاکت تھی اور مولانا فخر الدین صاحب دہلی میں چشتیہ سلسلہ کے اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ خیر! یہ حضرات دعوت کے لئے اس کے مکان پر پہنچ گئے، اب اس نے یہ کیا کہ ان لوگوں کو بٹھا کر گھر سے غائب ہو گیا۔ دوپہر کی دعوت تھی اب یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں، اب ظہر کے بعد کافی دیر میں آتا ہے اور اس نے تینوں بزرگوں کو بجائے کھانا کھلانے کے ایک ایک پیسہ دیا کہ آپ لوگ اپنے طور پر کھانا کھالیں! اس پر حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم صبح سے مزدوری کرتے تو ایک پیسہ نہیں کماتے تم نے ہمیں بیٹھے بٹھائے ایک پیسہ دے دیا اس لئے بھائی تمہارا بہت بہت شکریہ!

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے کچھ نہیں فرمایا اور وہ خاموش رہے اور حضرت مرزا صاحب اس پر بہت ناراض ہوئے کہ تو نے ان بزرگوں کا وقت خراب کیا اور ان کو لا کر یہاں بٹھا دیا یہ لوگ درس و تدریس کا کام کرتے اور کچھ دینی کام کرتے۔ خبردار! آئندہ ہرگز ایسی حرکت نہ کرنا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں ایک ملحد کی عجیب گستاخی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا دانشمندانہ تعاقب

فرمایا کہ:

حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں شیعہ، دہریہ، ملحدین اور جاہل پیروں اور جوگیوں کا بڑا زور تھا، یہ لوگ دین کا بہت مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آخر میں ناپید ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت جامع مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ ساتھ میں آپ کے خادم بھی تھے، نصیر الدین ان کا نام ہے، آپ نے دور سے شور کی آواز سنی اور خادم سے کہا دیکھ کر آؤ کہ کیا شور ہے؟

خادم گئے اور دیکھا کہ ایک شخص ننگا دھڑنگا مجمع میں کھڑا ہوا ہے اور اس نے اپنے عضو مخصوص میں دھاگا باندھ رکھا ہے اور اس کو حرکت دے کر کہتا ہے کہ دیکھو یہ اللہ کا الف ہے، گستاخی کر رہا ہے، ہر قسم کے لوگ جمع ہیں، خادم صاحب نے حضرت کو بتانے سے احتراز کیا کہ حضرت کچھ نہیں ویسے ہی شور ہے، کوئی بات نہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں بتاؤ! چنانچہ خادم نے بتایا کہ حضرت وہ ایسی ایسی گستاخی کر رہا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ جاؤ! اور اس کی پیٹھ پر لات مار کر یہ کہنا کہ الف تو خالی ہوتا ہے اس کے نیچے نقطے نہیں ہوتے، تیرے الف کے نیچے یہ دو نقطے کیسے ہیں؟ چنانچہ خادم نے اسی طرح کیا اور ایک زوردار لات مار کر اس سے اسی طرح کہا بس پھر کیا تھا لوگوں میں ٹھٹھا لگ گیا اور خوب اس کا مذاق اڑایا اور پھر وہ بھاگ گیا۔

کسی انسان کو جو رزق ملتا ہے اس میں تنہا اسی کا حصہ نہیں ہوتا ہے
فرمایا کہ:

انسان کو جو رزق ملتا ہے وہ صرف اس کے مقدر کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں بہت سے لوگوں کے حصے ہوتے ہیں، چھوٹوں کے، بڑوں کے، پڑوسیوں کے، رشتہ داروں کے۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں تنہا اکیلا کماتا ہوں بچوں وغیرہ کی کفالت کرتا ہوں اس میں صرف میرا ہی احسان ہے؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اصل کفالت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، وہی انسانوں کی اور تمام انسانوں کی کفالت کرتے ہیں، ان کو پالتے ہیں، اور روزی دیتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

کہ چھوٹوں کی وجہ سے بڑوں کو رزق دیتے ہیں بیوی کی وجہ سے شوہر کو روزی دیتے ہیں اس لئے انسان کو اس طرح نہیں سوچنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ صبح کو ہمارے یہاں بہت سے پوتے پوتیاں سب جمع ہو کر آتے ہیں داداجی پیسے لائے! اور ہر ایک ان میں سے پانچ روپیہ لیتا ہے اور ایک دو روپیہ دو، تو کہتے ہیں کہ داداجی ایک دو روپیہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ بہر حال سب بچے پانچ پانچ روپیہ لیتے ہیں اور ہم بھی خوشی کے ساتھ ان کو دیتے ہیں اللہ کا انعام ہے کہ اس نے ان کی شکل میں اپنی نعمتوں سے نوازا، یہ سب رونق انہیں سے ہے اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کے اعتبار سے دیتے ہیں اور جیسی جیسی ان کی ضرورتیں بڑھتی رہتی ہیں اللہ اسی کے بقدر عطا فرماتے رہتے ہیں۔ ہمیں بالکل یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ تنہا ہم ہی ان کے کفیل ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کفیل ہیں اور جب اس طرح انسان سوچے گا تو اس کو خرچ کرنے میں بھی کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی اور بلکہ خوشی سے خرچ کریگا اور اس خرچ کرنے پر بھی اس کو اجر و ثواب ملے گا، یہ مزید اللہ کا انعام ہے۔

کھانے اور کھلانے میں علماء کا معمول اور ان کے چہرے پر رونق کا سبب فرمایا کہ:

عوام میں مشہور ہے کہ مولوی لوگ کھاتے بہت ہیں، اسی وجہ سے خوب موٹے موٹے ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اپنے اکابر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ خود تو بہت کم خوراک ہیں مگر دوسرے حضرات کی میزبانی خوب کرتے ہیں، دوسروں کو خوب کھلاتے ہیں۔ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ ان کا دسترخوان مہمانوں کے لئے ہمیشہ وسیع رہتا تھا۔ خود بھی حضرت مہمانوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ چڑے کا گول دسترخوان ہوتا تھا مہمان اس کے چاروں جانب بیٹھ جاتے اور حضرت بھی بیٹھتے۔ روٹیاں حضرت اپنے پاس کپڑے میں رکھتے اور جس کے پاس روٹی ختم ہوتی اس کے سامنے رکھ دیتے، مہمانوں پر پوری نظر رہتی تھی اور خود بہت کم کھاتے تھے، بس چھوٹے چھوٹے بچوں کے سے لقمے لیتے رہتے تھے۔

اسی طرح سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے یہاں بھی دیکھا، جمعہ کو اکثر میری حاضری ہوتی اور جمعہ کی نماز کے بعد کھانا حضرت کے ساتھ ہی کھانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ مہمانوں کو خوب کھلاتے اور خود بہت کم کھاتے بس تھوڑا تھوڑا مہمانوں کے ساتھ لیتے رہتے تھے؛ حالانکہ حضرت شیخ کا بدن فربہ تھا دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت بہت کھاتے ہوں گے مگر حضرت کی خوراک بہت کم تھی، بارہا ہم نے دیکھا ہے۔ دراصل اہل علم چونکہ عموماً تروتازہ ہوتے ہیں، جسامت بھی عموماً اچھی ہوتی ہے تو وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ زیادہ کھانے پینے کی وجہ سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تروتازگی اور یہ رونق اور یہی ہوتی ہے اور یہ ان کے علم و عمل کی برکت ہوتی ہے، کھانے پینے کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم و عمل کی برکات سے نوازے۔

۱۲ ربيع الثانی ۱۴۲۷ھ کی ایک مجلس کی روئداد حضرت قاری صاحب مدظلہ کی ڈائری سے

گلاؤٹھی سے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب استاذ مدرسہ منہج العلوم گلاؤٹھی جامع مسجد گلاؤٹھی ملاقات کے لئے تشریف لائے، آپ کا وطن قصبہ آنچولی ضلع میرٹھ ہے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہیں، ۲۶ سال سے گلاؤٹھی میں استاذ ہیں، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ جیسی بڑی کتب آپ کے زیر درس ہیں، انتہائی سنجیدہ اور باوقار عالم دین ہیں ان کا حضرات اکابرین سے خادمانہ تعلق رہا ہے، میرے پیرومرشد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اور مجاز ہیں جید الاستعداد استاذ ہیں مصلحانہ مزاج رکھتے ہیں، آپ کی تقاریر بھی اسی انداز کی ہوتی ہیں، احقر سے دوستانہ مراسم ہیں اسی نسبت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے، پھر ہم دونوں حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر خان صاحب مدظلہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، حضرت نے بڑی بشاشت سے ملاقات کی اور گلاؤٹھی کے حالات معلوم کئے، مدرسہ منہج العلوم اور اس کے اساتذہ اور کارکنان کے بارے میں تفصیلی باتیں معلوم کیں۔

مولانا عبدالرحمن صاحب سے فرمایا کہ آپ کو اتنا عرصہ ہو گیا مگر کبھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، خیر! میرا بھی گلاؤٹھی جانا نہیں ہوتا عرصہ ہو گیا، گئے

ہوئے، نیز فرمایا کہ گلاؤٹھی کا مدرسہ بہت قدیم مدرسہ ہے، حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ نے اس کو قائم فرمایا تھا، حضرت اس کے بانی ہیں، گلاؤٹھی کے رئیس منشی مہربان علی صاحب نے گلاؤٹھی کی جامع مسجد بنوائی حضرت نانوتوی سے ان کا تعلق تھا، حضرت نے فرمایا کہ مسجد کی آبادی مدرسہ سے ہوتی ہے اس لئے اس میں ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور علم دین کی اشاعت بھی ہوتی رہے حضرت نے مدرسہ کی بنیاد بھی رکھ دی اور اپنے داماد مولانا عبداللہ انصاری کو بحیثیت مدرس اور اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحب کو (جو بعد کو مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوئے) طالب علم کی حیثیت سے گلاؤٹھی بھیج دیا اور اس طرح مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کا آغاز ہوا۔

نیز فرمایا کہ گلاؤٹھی میں بڑے بڑے ذی استعداد اور قابل اساتذہ ہوئے تھے، معقولی اور منقولی، حدیث کے ماہر، اور کتب خانہ بڑا قیمتی تھا یہ کتب خانہ ہی دراصل مدرسہ کی جان ہوتی ہے، وہاں کے کتب خانے میں بڑی بڑی قیمتی کتابیں تھیں، علماء ان سے استفادہ کرتے تھے، وہاں ایسے ایسے لوگوں نے پڑھا جو بعد میں چوٹی کے علماء ہوئے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری علیہ الرحمہ، حضرت شیخ مولانا فخر الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا کریم بخش صاحب علیہ الرحمہ، بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب علیہ الرحمہ وغیرہ اور میری تعلیم بھی وہیں کی ہے۔ میں نے اسی مدرسہ میں قرآن پاک حفظ و ناظرہ قاری بہادر خان صاحب سے پڑھا جو پانی پت سے فارغ تھے اور وہاں کے مشہور قاری استاذ القراء مولانا قاری عبدالسلام پانی پتی کے شاگرد تھے، انہیں سے سب سے سببہ عشرہ پڑھی تھی پھر فارسی مولانا مشتاق احمد خان صاحب کیسوپوری سے اور ایک استاذ صاحب ”شاجہا نیور، کٹھور“ کے تھے اور پھر عربی کتب اول سے آخر تک بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھی، اس طرح سے یہ فیض گلاؤٹھی کا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مدرسہ کو بڑی شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی، مدرسہ کے امتحان کے لئے دارالعلوم دیوبند کے علیا کے اساتذہ جاتے تھے، مدرسہ کے مہتمم اس وقت حضرت مولانا محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو بڑے معقولی اور مختلف فنون کے ماہر تھے اور اساتذہ کے بڑے قدر دان تھے، اس کے بعد مولانا کے صاحبزادے مولانا حمید الدین صاحب کا دور اہتمام آیا اور پھر حافظ نسیم الدین کا دور بھی اچھا گزرا ہے، ادھر دہلی سے قاری محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کی بڑی اعانت کی اور ہمیشہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) اسی درمیان چائے آگئی اور فراغت کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔

علمائے کرام کو اپنے مسائل کے لئے سرٹکوں پر نہیں آنا چاہئے

فرمایا کہ:

آج کل علماء کے اخباروں میں خوب بیان آرہے ہیں اور بیان کے ساتھ تصویر بھی شائع ہو رہی ہے، فلاں کا بیان آیا پھر فلاں کا آیا پھر دوسرے کا آیا، تو اب تیسرا کیوں خاموش بیٹھے لہذا اس نے بھی بیان دیدیا، عجیب بات ہے! ان کو تو چین و سکون سے اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے تھا اسی کام میں ان کے لئے عافیت تھی، سیاسی لیڈروں کی طرح علماء کو اس میں نہیں پھنسنے چاہئے، اب اس پارٹی کی مخالفت کی اور خوب زور و شور سے مخالفت ہو رہی ہے اور پھر دوسری پارٹی سے ہاتھ ملا لیا، یہ کام ان کے لئے زیب نہیں دیتے، یہ تو وہ جماعت ہے جس کے لئے چرند و پرند یہاں تک کہ چیونٹیاں، سمندروں کی مچھلیاں دعائیں کرتی ہیں، فرشتے ان کے لئے پر بچھاتے ہیں، اس لئے اپنے وقار کو باقی رکھتے ہوئے سکون و اطمینان سے دین کے کام میں لگے رہنا چاہئے، یہ سیاسی لیڈر تو یہی چاہتے ہیں کہ مدارس برباد ہو جائیں اور دین کا کام ٹھپ ہو جائے اور اس کی صورت یہی کرتے ہیں کہ علماء ان کے ساتھ مل کر کام کریں اور جب علماء ان کے ساتھ مل کر کام کریں گے تو مدارس پر اور دین کے کام پر ان کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی، اس طرف سے توجہ ہٹ جائے گی جس سے نظم میں خلل ہو جائے گا، ان حضرات کو تو یہ چاہئے کہ مضبوطی کے ساتھ اللہ پر توکل اور بھروسہ کر کے اپنے اپنے دینی امور میں مشغول رہیں اور اہل سیاست کی طرف بالکل توجہ نہ کریں پھر دیکھنا کیا ہوگا؟

یہ ہوگا کہ دنیا اور دنیا والے ان کے قدموں پر گر گئے مگر آج یہ ہو رہا ہے یہ لوگ ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ان کے در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں

اور اپنی جماعت کا وقار مجروح کر رہے ہیں ہمارے اکابر کی یہ شان نہیں تھی بلکہ ان کی یہ شان تھی کہ دنیا والے بڑے بڑے ان کے پیچھے اور وہ دنیا سے بے نیاز، اپنے کام میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا اتباع نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش کار گزار مہتمم کا تذکرہ
معلوم فرمایا کہ:

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ تشریف لے آئے؟ طلبہ نے بتایا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ بھی لے آئے اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش زید مجدہ کار گزار مہتمم صاحب بھی تشریف لے آئے۔

فرمایا کہ ہاں بھائی دونوں بزرگوں کی بڑی قربانیاں ہیں دونوں حسبہً للہ کام کر رہے ہیں، مولانا خاموش صاحب خود ایک ادارے کے ذمہ دار ہیں، اس کی ذمہ داریاں بھی کم نہیں ہیں ان کو بھی نبھاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی دارالعلوم کے لئے بھی وقت دیتے ہیں اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے آتے ہیں اور پھر یہاں قیام کے دوران بھی کوئی راحت و آرام کا خاص اہتمام نہیں، بلکہ بے معاوضہ خدمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

بڑے شریف آدمی ہیں اور پھر فرمایا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی بھی بڑی قربانیاں ہیں دارالعلوم سے کوئی مالی فائدہ نہیں، اپنے اخراجات اپنے ذمہ کرتے ہیں، کھانے کا نظم بھی اپنا خود اور وہ بھی طالب علمانہ، اس میں کوئی خاص اہتمام نہیں جبکہ وہ گھر کے رئیس ہیں مگر گھر کا سارا راحت و آرام چھوڑ کر یہاں بے آرامی کی زندگی گزارتے ہیں جبکہ اس وقت ۹۵ یا ۹۶ سال کی عمر ہے اس وقت آدمی صرف اپنے آرام کے لئے سوچتا ہے مگر وہ ادارہ کے کام میں اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہیں اور فرمایا کہ بہت غنیمت ہے، نہ جانے ان کے بعد ادارہ کو ایسا مہتمم ملے گا کہ نہیں ان کی قدر کرنی چاہئے! حضرت نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ:

مہتمم صاحب مدظلہ کے بارے میں فرمایا تھا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کو لوگ ان کے مرنے کے بعد روئے، ان کی قدروں کے بعد ہوئی مگر دیکھنا کہ مولانا مرغوب صاحب کو لوگ ان کی زندگی ہی میں روئیں گے، اب ان کے جیسا مخلص مہتمم دارالعلوم کو ملنا مشکل ہے اگرچہ میرے ساتھ قاری طیب کا جو معاملہ تھا وہ معاملہ میرے ساتھ مولانا مرغوب صاحب کا نہیں رہا مگر پھر بھی میں یہ کہتا ہوں کہ ان جیسا مہتمم دارالعلوم کو نہیں ملے گا۔

وہ ایک طرف تو ایک امیر اور رئیس آدمی ہیں اور دوسری طرف انتہائی سنجیدہ اور مخلص بڑے ہی متواضع اور منکسر المزاج آدمی ہیں اور ساتھ ساتھ انتہائی ہوشیار اور بے دامغز اور دور اندیش بھی ہیں اور مدبر بھی، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے سائے کو دیر تک قائم رکھے۔

خاندانی شرافت و مروت کے حامل سرسید احمد خان کا ایک واقعہ

فرمایا کہ:

کچھ لوگ خاندانی شریف ہوتے ہیں جب ان سے کوئی ملتا ہے تو یہ لوگ اپنے اعلیٰ اخلاق کی چھاپ ان پر چھوڑتے ہیں، اس پر حضرت نے تین بزرگوں کے واقعات سنائے۔

فرمایا کہ: سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بڑے اعلیٰ اخلاق کے آدمی تھے، ایک مرتبہ علی گڑھ اسٹیشن سے آپ کسی ٹرین میں سوار ہوئے، اتفاق سے اسی ڈبے میں کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے، پیچھے سے سوار چلے آ رہے تھے جب سید صاحب چڑھے تو ان صاحب نے معلوم کیا کہ یہ کونسا اسٹیشن ہے؟

سید صاحب نے کہا کہ یہ علی گڑھ ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وہی علی گڑھ جو سرسید کا علی گڑھ ہے، آپ نے کہا کہ ہاں وہی علی گڑھ ہے۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ سید صاحب بہت خراب آدمی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں اس پر سید صاحب نے کہا کہ جی وہ تو اس سے بھی بدتر آدمی ہیں اس کا کیا پوچھنا؟ وہ تو بہت بد انسان ہیں، خیر اور بہت سی باتیں ہوئیں جب کھانے کا وقت آیا تو ان رئیس صاحب نے سید صاحب سے کہا کہ آئیے کھانا کھا لیجئے! سید صاحب نے کہا کہ میں کھانا نہیں کھا سکتا، میں اس لائق نہیں ہوں جو آپ کے ساتھ کھانا کھا سکوں، سید صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ کو میرا نام معلوم ہو جائے تو آپ میرے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کریں گے، رئیس صاحب نے کہا کہ خدا نخواستہ ایسی کیا بات ہے؟ ایسا نہیں پھر جب کھانے کے لئے زیادہ اصرار کیا تو سید صاحب نے اپنا نام بتا دیا کہ میں ہی سرسید ہوں، اس پر وہ رئیس صاحب بڑے نادم اور شرمندہ ہوئے اور بہت معذرت کی اور بہت احترام سے پیش آئے کہ حضور آپ تو بڑے شریف انسان ہیں ہمیں معلوم نہیں تھا

سرسید احمد خان کی مروت کا ایک دوسرا واقعہ

سید صاحب کا ہی ایک واقعہ اور حضرت نے سنایا کہ ایک صاحب نے ملازمت کی ضرورت کے لئے کسی افسر سے کہا کہ میں بہت پریشان ہوں مجھے ملازمت کی ضرورت ہے اور میں سید صاحب کا داماد ہوں، سید صاحب کے ان افسر صاحب سے تعلقات ہوں گے، خیر! اس تعلق سے ان صاحب کو ملازمت مل گئی مگر وہ صاحب انتہائی شرمندگی کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں پہنچے کہ کم از کم سید صاحب سے پوری بات کہہ دوں کہیں وہ افسر صاحب سید صاحب سے معلوم نہ کر لیں، یہ صاحب اس خیال سے سید صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ایسا ایسا معاملہ ہو گیا، میں نے انتہائی پریشانی میں آپ کی دامادی کا واسطہ دیا اور فلاں افسر صاحب نے آپ کی رعایت کر کے مجھے ملازمت پر لگا لیا۔

میں بہت شرمندہ ہوں اور آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں، اس پر سید صاحب نے ان کے ساتھ بڑا عجیب معاملہ کیا اور کہا کہ بھائی داماد ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیتا آپ داماد ہو جاتے دوسرے یہ کہ میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بنالوں۔ پہلی صورت تو ممکن نہیں کیوں کہ میری کوئی بیٹی نہیں البتہ دوسری صورت ممکن ہے اس لئے میں آپ کی اہلیہ کو اپنی بیٹی بنا لیتا ہوں، اس لئے آپ میرے داماد ہیں اور پھر چلتے وقت بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو رخصت کیا اور کچھ کپڑے اور کچھ تحفے بھی اس کو دئے اور کہا کہ یہ میری بیٹی کو دیدینا۔ پھر فرمایا کہ اگرچہ ان کے نظریات کے بارے میں علماء کو اختلاف رہا، اعتقاد کے بارے میں ان سے غلطی ہوئی ہے اور اس پر علماء نے گرفت بھی کی ہے تاہم ان کے اخلاق بڑے اعلیٰ تھے اور مسلم قوم کے لئے انہوں نے بڑے بڑے اچھے کام بھی کئے چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام بھی کوئی مسلمانوں کے لئے کم نہیں ہے۔

حضرت سید عابد حسین صاحب کی شرافت و مروت

حضرت سید عابد حسین صاحب دیوبندی بڑے پائے کے بزرگ ہیں، سادات خاندان سے آپ کا تعلق ہے اپنے زمانے میں انتہائی مشہور بزرگ تھے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر اہل دیوبند پر اگر کوئی مصیبت آئی تو حضرت حاجی صاحب کی برکت سے اللہ تعالیٰ دور فرما دیں گے اتنے نیک تھے، ان کے عملیات بھی بڑے مشہور اور موثر تھے جس کو دیدیا فائدہ ہو گیا۔

حضرت دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں اور مہتمم بھی ہیں آپ کے دورِ اہتمام میں ایک طالب علم کسی وجہ سے ناراض ہو گیا اور ناراض ہو کر دارالعلوم سے چلا گیا وہ طالب علم شہر دیوبند ہی کی کسی مسجد میں رہتا تھا، حضرت اس کو تلاش کرتے کرتے اس کے پاس پہنچ گئے اور اس سے کہا کہ بھائی آپ مہمان رسول ہیں اور دارالعلوم چلیں! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اگر آپ ناراض ہو گئے تو میرا کیا بنے گا؟ اس لئے آپ مجھے معاف کریں! چنانچہ آپ اس طا لب علم کو معافی مانگ کر واپس پڑھنے کے لئے لے آئے، یہ تھی حاجی صاحب کی شرافت۔ اللہ اکبر۔ اب کہاں ایسے لوگ؟

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کا واقعہ اور ان کے چند کمالات کا ذکر فرمایا کہ:

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ بڑے حلیم الطبع آدمی تھے، اساتذہ اور ملازمین کے بارے میں کبھی سخت رویہ اختیار نہیں فرماتے تھے، اسی طرح طلبہ کے حق میں بھی وہ انتہائی مشفق اور مہربان تھے اور میرے ساتھ بھی ان کا معاملہ انتہائی شفقت کا رہا، وہ لمبے لمبے اسفار کرتے اور مجھے یہاں ذمہ دار بنانا تے۔ ان کی عدم موجودگی میں سارے کام میں کرتا اور پھر واپسی کے بعد کبھی محاسبہ نہیں کرتے بلکہ اگر کچھ لوگ شکایت کرتے کہ حضرت آپ کی عدم موجودگی میں انہوں نے ایسا کیا، یہ کیا، وہ کیا۔ تو حضرت فرماتے کہ: میں نے ان کو ایسا کرنے کا اختیار دیدیا ہے اس لئے انہوں نے میری اجازت ہی سے ایسا کیا ہے بس پھر کیا تھا کہ کہنے والوں کا منہ بند ہو جاتا تھا اور بات وہیں ختم ہو جاتی تھی۔ وہ سب کا برابر خیال رکھتے تھے اور ان کی بات کا بھی سب لوگ لحاظ کرتے تھے اور فرمایا کہ انداز بیان تو ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ کوئی مخالف سے مخالف بھی ان کی بات پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا، مجلس میں تقریر ہو رہی ہے اور ہمیشہ مثبت تقریر ہوتی تھی اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ کسی فرقہ باطلہ کا توڑ بڑے خوبصورت اور میٹھے انداز میں ہوتا تھا بالفرض اگر وہ مخالف موجود بھی ہوتا تو بھی اس کو ناگوار نہیں ہوتا تھا۔

نیز فرمایا کہ: قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے اور بہت یاد بھی تھا۔ تجوید کے ساتھ پڑھتے اور لہجہ بڑا پرکشش ہوتا تھا۔ اور ظاہری حسن سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ بڑے حسین و خوبصورت معلوم ہوتے تھے، باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ پھول جھڑ رہے ہیں۔ بمبئی میں ستائیس اٹھائیس سال قرآن پاک سنایا اور تفسیر بھی فرماتے تھے۔ ان تقاریر سے بمبئی میں بڑی اصلاح ہوئی۔ بڑے بڑے لوگ اسمیں شریک ہوتے تھے اور ان تقاریر نے بمبئی میں انقلاب پیدا کر دیا یہ۔ تقاریر ایسے ماحول میں شروع ہوئیں جب اس علاقے میں علمائے دیوبند کے بیانات عموماً نہیں ہوتے تھے۔ ہر طرف بدعات کا زور تھا۔ بمبئی برائیوں کا گڑھ تھا۔ ایسے حالات میں قاری صاحب کی تقاریر بڑی مؤثر ہوئیں اور وہاں کے حالات بدلے، اسی وجہ سے حضرت قاری صاحب کو لوگ ”فاتح بمبئی“ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

بلوغ کے بعد اولاد کی شادی میں دیر کرنا اچھا نہیں

مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی استاذ دارالعلوم عصر کے بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے حضرت والا نے حسب معمول کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب امتحان کے بعد وطن تشریف لے گئے تھے۔ اب واپسی میں حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ حضرت نے معلوم کیا کہ: کب تشریف لائے تھے؟ فرمایا کہ تقریباً ایک ہفتہ قبل واپس آ گیا تھا اور کہا کہ بچے کی شادی تھی، اس کے لئے گیا تھا حضرت نے معلوم کیا کہ بخیر وعافیت فارغ ہو آئے؟ مولانا نے کہا کہ الحمد للہ! حضرت نے معلوم کیا کہ اور بھی کوئی بچہ باقی ہے شادی سے۔ مولانا نے کہا کہ ۸ سے فارغ ہو چکا ہوں ایک لڑکا خیر الہدی باقی ہے اس کے لئے بھی دعا فرمادیں! حضرت نے معلوم کیا، عمر کیا ہے؟ مولانا نے کہا کہ بالغ ہو چکا ہے مگر ابھی کچھ عرصہ بعد شادی کروں گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ اس کی بھی جلدی شادی کر دیں یہی بہتر ہے اور فرمایا کہ حضرت مدنی بھی یہی فرماتے کہ شادی بالغ ہونے کے بعد جلدی کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانے میں اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اس میں بڑی عافیت ہے۔

سرزمین مکہ معظمہ کی برکت، کریلوں میں تلخی نہیں تھی

فرمایا کہ:

جب میں حج کے لئے گیا تو ہاں مکہ مکرمہ میں ”حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مکی“ سے ملاقات ہوئی، مولانا سہارنپور میں ”کھیرہ افغان“ کے

رہنے والے تھے اور ایک زمانے تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ تبلیغی جماعت کے اہم لوگوں میں سے تھے، مکہ میں تبلیغ کا مرکز تھا اور مولانا بڑی سرگرمی کے ساتھ اس میں مشغول رہتے تھے۔ بڑا کام کیا مگر اخیر میں سعودی حکومت نے ان پر پابندی لگا دی تھی اور پھر وہ یہیں اپنے گاؤں ہی میں آگئے تھے یہیں ان کا انتقال ہوا۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ خیر! مکہ مکرمہ میں جب مولانا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ہماری دعوت کردی اور کھانے میں مکہ مکرمہ کے کریلے پکوائے کریلے انہوں نے خود مکان میں لگا رکھے تھے۔ اس میں سے تازہ کریلے تیار کرائے، مگر عجیب بات یہ تھی کہ کریلے کڑوے نہیں تھے۔ ان میں بالکل تلخی نہیں تھی؛ حالانکہ دوسری جگہ کے کریلے وہاں ہوتے تھے وہ کڑوے ہی ہوتے تھے، مگر ان کریلوں کا ذائقہ ہی عجیب تھا اور فرمایا کہ دراصل یہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کی برکت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی سرزمین میں بڑی برکات رکھی ہیں۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا زہد اور انکی بے مثال غریب پروری

فرمایا کہ:

جب عید و بقرعید آتی تو حضرت ایسے موقع پر ہمیشہ اپنے متعلقین کو یاد رکھتے ان کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے، اپنے متعلقین اور جاننے والوں میں جو بیوائیں اور بے سہارا، غریب لوگ ہوتے تھے ان کو مئی آرڈر کے ذریعہ رقم بھجواتے تھے اور جو موجود ہوتے ان کو بھی انعام سے نوازتے یہاں تک اس دن ڈاکیہ آتا تو اس کو بھی انعام دیتے تھے۔

فرمایا کہ:

ایک تاجر صاحب آپ کو پچیس ہزار روپیہ ہدیہ دینا چاہتے تھے آپ نے نہیں لئے انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ مدرسہ میں جمع کر دو! مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں دارالعلوم سے تنخواہ لیتا ہوں۔ اور اگر غریب، مفلس آدمی ہدیہ دیتا تو معمولی ہدیہ بھی قبول فرمالیتے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک صاحب نے آپ کو ایک روپیہ لاکر دیا کہ حضرت فلاں گاؤں سے فلاں بیوہ نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو آپ نے بہت خوشی کے ساتھ اس کو قبول کر لیا، مدرسہ والے اسفار میں خرچ سے زیادہ رقم آپ کو دیتے تو آپ اس کو ہمیشہ واپس کر دیتے اور جتنا خرچ ہوتا تھا اتنا ہی لیتے تھے۔

ایک صاحب کشف بزرگ سے حضرت نانوتویؒ کا تعلق اور ان کے کشف کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ

کا مقام رفعت

فرمایا کہ:

”پنجاب،“ میں ایک بزرگ راؤ عبدالرحمن صاحب تھے۔ بڑے صاحب کشف و کرامات۔ جب کوئی ان سے دعا کے لئے بچے کی پیدائش کے بارے میں عرض کرتا تو فرمادیتے کہ تیرے یہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی جو بھی ہونا ہوتا ظاہر فرمادیتے۔ ان کے خادم نے کہا کہ حضرت آپ یہ کیسے بتا دیتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اللہ کی جانب سے اس کی صورت میرے سامنے کر دی جاتی ہے تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں حضرت نانوتویؒ ان کے یہاں بڑی عقیدت سے جاتے تھے، جب مولانا نانوتویؒ ان کے یہاں جاتے تو یہ کہتے تھے کہ آؤ حاجی قاسم آؤ! مولانا نے فرمایا کہ میں نے توجج کیا نہیں ہے مگر پھر بھی شاہ صاحب حضرت کو حاجی صاحب کہتے تھے اور جس وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حج کو گئے تو ادھر پنجاب سے ہو کے گئے اور حضرت راؤ عبدالرحمن صاحب کے یہاں ملاقات کے لئے پہونچے تو حضرت نے وہی کہا کہ آئیے حاجی قاسم آئیے! مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کے لئے ہی جا رہا ہوں۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ میں تو اسی وجہ سے حاجی کہتا ہوں، حضرت نانوتویؒ نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ بھائی تمہارے لئے کیا دعا کروں میں نے تو تم کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، تمہارا تو یہ مقام ہے، تمہیں میری دعا کی ضرورت نہیں ہے تم تو خود بہت بڑے

اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی خود حفاظت کرتے ہیں، حاجی امداد اللہ مہاجر کی کی منجانب اللہ حفاظت کا حیرت ناک واقعہ

فرمایا کہ:

جب حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر کی ہجرت کر کے جارہے تھے تو بنگلہ سہ ہو کر گئے اور راستے میں حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی کے یہاں قیام کیا، حاجی صاحب نے وہیں کمرے میں وضو کیا اور اشراق کی نماز کی تیاری کی، ادھر منبر نے خبر دی کہ حاجی صاحب عبد الرحیم صاحب کے یہاں روپوش ہیں وہاں سے ان کو گرفتار کر لیا جائے چنانچہ حکومت کا ایک افسر آپ کی تلاش میں آیا اور شاہ صاحب کے یہاں آکر اس نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا اور کسی سے معلوم کچھ نہیں کیا۔ جب کہیں نہ مل سکے تو اسی کمرے کی طرف آیا اور کمرے کا دروازہ ایک دم پھٹ کھول دیا اب دیکھا تو وہاں پانی پڑا ہوا ہے اور مصلیٰ بچھا ہوا ہے اور کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی اور ویسے ہی بات بنانے کے لئے شاہ صاحب سے معلوم کیا کہ یہ پانی کیسا ہے اور یہ مصلیٰ کیوں بچھا رکھا ہے؟

شاہ صاحب نے فرمایا کہ وضو کا پانی ہے اور مصلیٰ پر ہم نماز پڑھتے ہیں اس نے کہا کہ نماز تو آپ مسجد میں پڑھتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ فرائض مسجد میں پڑھتے ہیں اور نوافل یہیں گھر میں پڑھتے ہیں، خیر! وہ تو دفعہ ہو گیا تو اب شاہ صاحب نے کمرے میں آکر دیکھا تو حاجی صاحب نماز پڑھ کر دعا میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کی حفاظت فرمائی اور وہ افسر حضرت کو نہ دیکھ سکا، اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتے ہیں۔

مکر اور حیلہ کا زمانہ

فرمایا کہ:

بھائی یہ مکر اور حیلہ کا زمانہ ہے، اس پر حضرت تھانویؒ کے حوالے سے ایک قصہ سنایا کہ حضرت کے سامنے لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک بڑھیا آئی تھی وہ مانگ کر لوگوں سے بہت سماں اکٹھا کر کے لے گئی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ حیلہ بازی اور مکر کا زمانہ ہے، اور پھر ایک صاحب کا قصہ سنایا کہ ایک صاحب تھے اچھے اور خوشحال خاندان کے تھے اور پڑھے لکھے بھی تھے، اب اتفاق سے ان کے حالات خراب ہو گئے اور فاقوں کی بھی نوبت آگئی، اب انہوں نے ایک تدبیر کی کہ ایک مدرسے میں گئے اور کہا کہ میں حفظ کرنا چاہتا ہوں، میرا داخلہ کر لیں! مدرسہ والوں نے داخلہ کر لیا یہ پڑھنے لگ گئے، حالانکہ یہ پہلے سے حافظ تھے مگر اب یاد کر رہے ہیں اور رات دن یاد کرتے ہیں مگر یاد نہیں ہوتا، دو چار آیتیں بھی یاد نہیں ہوتی ہیں۔ رات دن یاد بھی کرتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں دوسروں سے بھی دعائیں کراتے ہیں مگر یاد ہی نہیں ہوتا ہے، اب دوسرے لوگوں میں چرچے ہوتے ہیں کہ دیکھو بے چارے بڑھاپے میں حفظ کا شوق لے کر مدرسہ میں آئے ہیں اور کتنی محنت کرتے ہیں رات دن لگے رہتے ہیں محنت کرتے ہیں دعائیں کرتے ہیں مگر یاد نہیں ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے سب لوگ فکر مند ہیں ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا اب اچانک کیا ہوا؟ ایک دن صبح جواٹھ تو بہت خوش ہیں اور انتہائی مگن ہیں لوگوں نے معلوم کیا کہ بھائی کیا بات ہے؟ آج تو خلاف معمول بڑے خوش نظر آتے ہیں، یہ صاحب کہتے ہیں کہ ہاں! آج بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے آج کا دن بڑا ہی مبارک دن آیا ہے۔ لوگوں نے معلوم کیا کہ کیا خوشی ہوئی؟ تو کہتے ہیں کہ رات خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں نے آپ سے اپنی شکایت کی کہ مجھے قرآن پاک یاد نہیں ہوتا ہے، میرا حافظہ بہت کمزور ہے، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا بس۔ اسکی

برکت ہے کہ آج الحمد للہ سارا قرآن پاک یاد ہو گیا اور تمام کتابیں حل ہو گئی ہیں چاہے ابھی قرآن پاک سن لو! سب یاد ہے، فقہ کی کوئی عبارت لاؤ! میں سمجھا دوں گا، اب میرا دل بہت روشن ہو گیا ہے اور ہر چیز آسان ہو گئی ہے بس پھر کیا تھا لوگوں نے بڑے انعام و اکرام سے نوازا اور خوب مالدار ہو گئے اس حیلہ اور مکر سے خوب دولت جمع کر لی۔

تو بھائی اس طرح آج حیلہ اور مکاری کا زمانہ ہے جو لوگ حیلہ باز ہوتے ہیں دھوکہ باز ہوتے ہیں، وہ اس طرح کے مکر کے ذریعہ خوب کھاتے کما تے ہیں اللہ محفوظ فرمائے (آمین)

فقروفاقہ کی حالت میں تقویٰ پر ثابت قدمی کی نادر مثال، شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ کا عبرت آمیز واقعہ
فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں لوگوں نے دین کی خاطر بڑے فقر و فاقے کی زندگی گزاری ہیں اب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کئی کئی دن ہو جاتے اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں آتی تھی۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب نور اللہ مرقدہ بڑے اونچے لوگوں میں سے ہیں، قرآن و حدیث کے سلسلے سے بڑے بڑے علمائے کبار کو ان سے شاگردی کا شرف حاصل ہے، ان کے مریدین میں بڑے بڑے امراء اور دولتمند لوگ شامل تھے مگر ان کی خانگی زندگی بڑی عسرت سے گذری تھی مگر ہمیشہ انہوں نے لوگوں سے اپنے احوال کو پوشیدہ رکھا۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ان کی ایک خادمہ ان کے گھر کے کسی بچے کو باہر لے کر نکلی، بچہ رو رہا تھا اور بہت کمزور بھی معلوم ہوتا تھا، حضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحب آزرہ جو اس وقت کے استاذ العلماء تھے اور دہلی کے سرکاری کالج میں پڑھاتے تھے انہوں نے بچے کو اس حالت میں دیکھ کر خادمہ سے معلوم کیا کہ بچہ بہت کمزور ہے آخر کیا بات ہے؟ اس پر خادمہ نے بتا دیا کہ کھانے کو نہیں ملا ہے کئی دن سے فاقہ ہے، اس لئے کمزور ہے اور گھر کے سب لوگ فاقے میں مبتلا ہیں، مفتی صاحب نے (۳۰۰) روپیہ خادمہ کے ہاتھ حضرت کے یہاں بھجوا دئے کہ ان کو استعمال کر لیں اور ضرورت پوری فرمائیں تو حضرت شاہ صاحب نے واپس فرما دئے اور لینے سے انکار کر دیا جب یہ رقم مفتی صاحب تک پہنچی تو خود حضرت مفتی صاحب یہ رقم لے کر حضرت کے پاس گئے، اور عرض کیا کہ میں رشوت نہیں لیتا یہ پیسے میری تنخواہ کے ہیں، شاہ صاحب نے فرمایا کہ رشوت کا تو میرے دل میں خیال بھی نہیں آیا مگر چونکہ آپ سرکاری ملازم ہیں انگریزی کالج میں پڑھاتے ہیں اس لئے میں تو آپ کی تنخواہ کو ناجائز سمجھتا ہوں، اس لئے میں ان کو نہیں لوں گا یہ کہہ کر انکار کر دیا اور باوجود سخت حاجت کے وہ رقم نہیں لی۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا فاقہ کی حالت میں وعظ

فرمایا کہ:

دہلی میں ایک صاحب تھے جو علماء کے بڑے قدردان تھے اور علماء سے اپنے گھر میں بلا کر وعظ بھی کراتے تھے، حضرت شاہ صاحب بھی ان کے یہاں وعظ فرماتے تھے ان کو منشی جی کہتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحبؒ سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے قبول بھی کر لیا اور وعظ کہنے تشریف لے گئے، وعظ شروع ہو گیا مگر منشی جی نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب جس شان سے وعظ فرماتے تھے آج وعظ میں وہ شان نہیں ہے، حضرت کی آواز بلند نہیں ہے اور آہستہ آہستہ وعظ کہہ رہے ہیں، انہوں نے حضرت کے ایک ساتھی سے جو خادم بھی تھے، اصرار کیا تو بتایا کہ تین دن سے حضرت نے کچھ کھایا نہیں ہے، بالکل فاقہ سے ہیں، اس لئے یہ صورت حال ہے۔ منشی جی نے حضرت سے کہا کہ حضرت مجھے کچھ کام ہے اس لئے اب وعظ ختم فرمادیں! اور علیحدہ حضرت کو لے گئے اور الگ کمرے میں کھانے کا نظم کیا۔ حضرت نے کھانے سے منع فرما دیا اور کہا کہ میں ساتھیوں کے بغیر نہیں کھا

سکتا، میرے ساتھی بھی تین دن سے بھوکے ہیں، منشی جی نے ان کے لئے بھی نظم کیا اور پھر کئی دن تک اچھے اچھے کھانوں سے حضرت کی میزبانی کی۔

غلط فہمیوں کا ازالہ

کسی نے معلوم کیا کہ مولسری کا جو نشان ہے جنازہ کی چارپائی کا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے، جن میں بہت علماء بھی ہیں کہ اس جگہ جس کی نماز جنازہ ہو جائے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس سلسلے میں ایک کشف بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ جگہ بالکل عرش کے نیچے درمیان میں ہے، مولانا یعقوب صاحب کو یہ مکشوف ہوا تھا، حضرت نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے، کسی کو یہ کشف نہیں ہوا۔ کوئی عرش چھوٹا سا ایک تخت ہے؟ جس کے بالکل نیچے یہ جگہ آگئی اور پھر کشف میں اس کو ناپ لیا گیا۔ یہ سب باتیں وہی ہی ہیں اور فرمایا کہ قرآن کریم میں کرسی کا حال یہ بیان ہوا ہے کہ زمین و آسمان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور عرش اس سے بھی بہت بڑا ہے، بہر حال یہ بے کار اور واہیات بات ہے۔

اسی طرح مولانا رفیع الدین صاحب کو وہ کشف جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نے مولسری کے کنویں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دودھ تقسیم فرما رہے ہیں، اس کنویں سے وہ تمام طلبہ جو آئندہ زمانے تک دارالعلوم میں پڑھنے آئیں گے وہ سب آپ سے دودھ لے رہے ہیں اور اپنے اپنے برتنوں میں لئے جا رہے ہیں، اور حضرت رفیع الدین صاحب نے ان سب کو پہچان لیا اور ایک طالب علم نے سالن کا برتن آپ کے سامنے پھینک کر یہ کہا کہ یہ طلبہ کے کھانے لائق سالن ہے؟ اور گستاخانہ جملے کہے تو آپ نے کہا کہ تو دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے، تو لوگوں نے آپ سے معلوم کیا کہ آپ نے کیسے کہہ دیا اور کیسے سمجھا کہ طالب علم نہیں ہے تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ان تمام طلبہ کو دیکھا ہے جو آئندہ دارالعلوم میں پڑھنے آئیں گے اور یہ ان میں نہیں تھا اور حقیقت میں وہ طالب علم نہیں تھا بلکہ دوسرے طالب علم کا کھانا لینے آیا تھا، بہر حال حضرت نے فرمایا کہ یہ سب گھڑی ہوئی باتیں ہیں، جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو گئی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا تصرف

فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا تصرف بڑا قوی تھا، اور روحانیت بڑے اعلیٰ درجے کی تھی، پھر واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کو جن سوار ہو گیا، انہوں نے لوگوں سے دم کرایا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی دم کرایا گیا مگر جن نہیں بھاگا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کہیں دہلی سے باہر تھے جب تشریف لائے تو ان کے پاس لے جایا گیا حضرت نے دم کیا تو جن بھاگ گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے معلوم کیا کہ: کیا کیا تھا؟ فرمایا کہ: دم کیا تھا۔، معلوم کیا کہ کیا پڑھا تھا؟ فرمایا: سورہ فاتحہ پڑھی تھی معلوم کیا کہ کیسے پڑھی تھی؟ فرمایا کہ: ”یا جبَّار“ کی شان میں پڑھی تھی، وہ بھاگ گیا، اس پر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ”یا جبَّار“ کی شان میں پڑھی تھی، اس کا مطلب کسی نے نہیں بتایا کہ کیا ہے؟ البتہ ایسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جبار کو اپنے اوپر طاری کر کے پڑھی ہوگی، واللہ اعلم!

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا تصرف

فرمایا کہ:

فرمایا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا کشف اور تصرف دونوں بڑے قوی تھے، قصہ سنایا کہ مجھے ہنسی بہت آتی تھی، بات بات پر ہنسی آتی تھی اور اس زیادتی کا احساس بھی تھا، میں حضرت کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا اور حضرت گھر کے اندر سے باہر تشریف لائے، میں نے سلام اور مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے ہنسی بہت آتی ہے، حضرت نے سن لیا اور حضرت کا تصرف تھا کہ اسی وقت سے ہنسی موقوف ہو گئی اور میں اپنی عام حالت پر آ گیا، پھر کبھی زیادہ ہنسی

حضرت کے تصرف کا دوسرا واقعہ

فرمایا کہ:

جلالین شریف کے بعد میری تعلیم موقوف ہو گئی تھی اور میں بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے کام میں مشغول ہو گیا تھا، ان کی بسیں چلتی تھیں، دس گیارہ بسیں تھیں، مختلف روٹوں پر چلتی تھیں، بلند شہر، انوپ شہر، میرٹھ، جہاں گیر آباد وغیرہ، تعلیم کے چھوٹے کا احساس بھی تھا مگر میں کیا کر سکتا تھا؟ بڑے بھائی کی بات تھی، خیر! ہوا یہ کہ حضرت اجڑا ہ کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے اور میں گلاؤٹھی سے حضرت سے ملاقات کے لئے گیا، حضرت سے ملاقات ہوئی دو پہر کو جب حضرت قیلولہ کے لئے لیٹ گئے تو میں حضرت کا بدن دبانے لگا، اسی درمیان حضرت نے معلوم فرمایا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ایسا ایسا معاملہ ہے! تعلیم موقوف ہو گئی ہے اور میری خواہش ہے کہ تکمیل ہو جاتی سن کر خاموش ہو گئے۔ ادھر جب میں اجڑا ہ سے گلاؤٹھی پہنچا تو حضرت کا تصرف اور اس کا اثر دیکھئے کہ بھائی صاحب نے فرمایا کہ:

ارے نصیر! دنیا کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں، سب ہو جائیں گے تم سب چھوڑو اور پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو! چنانچہ اگلے دن پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت مدنی کا تصرف اور حضرت مدنی کی توجہ کی برکت سے اللہ نے دوبارہ تعلیم میں لگا دیا۔ حضرت میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، کیا ٹھکانہ ہے؟ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجے بلند فرمائے (آمین) حضرت ہی نے میرا دارالعلوم میں تقرر کرایا اور ہر سال خود ہی ترقی دیتے تھے کبھی میں نے کوئی کتاب بدلنے کی درخواست نہیں کی، ایک دفعہ حضرت نے میرے نام جلالین شریف لکھ دی یہاں جلالین اس کو دی جاتی تھی جس نے کئی سال ترجمہ قرآن پڑھایا ہوا اور میں نے کبھی ترجمہ نہیں پڑھایا تھا، اس پر بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم جلالین کیسے پڑھا لو گے! ترجمہ تو تم نے پڑھایا ہی نہیں؛ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! میں جلالین کیسے پڑھاؤنگا؟ آپ نے مجھے جلالین دیدی ہے، فرمایا کہ: پڑھاؤ! تم جوان آدمی ہو محنت کرو پڑھاؤ میں نے عرض کیا حضرت دعا فرما دیجئے فرمایا کہ ہاں ہاں دعا بھی ہوگی۔

حرم شریف میں موذی جانور کے مارنے کی ممانعت نہیں

فرمایا کہ:

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ حرم شریف میں حاجی کے لئے ہر قسم کا جانور مارنا منع ہے مگر ایسا نہیں۔ ہاں شکار کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت قرآن کریم میں ہے فرمایا ”لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ“ تو شکار کر نیکی اور شکاری جانور کے قتل کی ممانعت ہے اور اگر کوئی موذی جانور سامنے آجائے تو اس کے قتل کی ممانعت نہیں، اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

فرمایا کہ جب ہم نے پہلا حج کیا تو اس وقت لوگ غلہ وغیرہ کھانے کی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اب ایک حاجی صاحب کا غلہ بوری میں رکھا ہوا تھا، چوہے نے بوری

کاٹ دی اور غلہ گر گیا۔ حاجی صاحب نے چوہے کو مار دیا، لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے جانور مار دیا تیرے اوپر تو دم لازم ہو گیا۔ اس لئے تو ایک بکری ذبح کر! بیچارہ پریشان ہو گیا کیسے کرے؟ اتنی بڑی رقم کا نظم اسکے پاس نہیں ہوگا۔ اس کو کسی نے بتا دیا کہ دیوبند کے مولانا وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے مسئلہ معلوم کرو! چنانچہ وہ آئے اور ذکر کیا کہ ایسا ہوا میں نے چوہا مار دیا اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ تیرے اوپر دم لازم ہو گیا، اب میں کیا کروں؟ ہم نے کہا کہ کوئی دم واجب نہیں ہوا اور اس سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔ اب اگر پھر ملے تو آئندہ بھی مار لی جو اس سے دم واجب نہیں ہوتا ہے۔

ہندوستان میں صرف دو ہی ہیں، اگر تیسرا ہوتا تو پورے ہندوستان کی اصلاح ہو جاتی

فرمایا کہ:

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ بڑے اونچے درجے کے لوگوں میں ہیں انکی نظیر نہیں، حافظ عبدالرحمن صاحب امر وہوی جو بڑے محدث تھے انھوں نے حضرت گنج مراد آبادیؒ سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی، اور حافظ عبدالرحمن صاحب سے احقر کو اجازت حاصل ہے۔ بہر حال مولانا گنج مراد آبادیؒ بڑے لوگوں میں ہیں مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے وہ بہت قائل ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی ہیں ایک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ایک میں اگر کوئی تیسرا بھی ہوتا تو پورے ہندوستان کی اصلاح ہو جاتی اور تینوں سارے ہندوستان کے لئے کافی ہوتے، اگر کوئی حدیث پڑھانے کیلئے آپ سے مشورہ لیتا تو آپ اسکو گنگوہ جانے کا مشورہ دیتے اور کہیں کا نہ دیتے حضرت گنج مراد آبادیؒ بڑے صاحب کشف بزرگوں میں ہیں۔

انسانوں نے اپنی حیثیت خود گرائی ہے

حضرت کے خادم قطب الدین بنگالی گھر کا سامان خرید کر لائے۔ ایک ہزار کا نوٹ دیا تھا سامان خریدنے کے بعد صرف چوبیس روپے باقی رہے بقیہ کا سامان آگیا، قطب الدین نے ۲۴ روپے لا کر دیئے اور کہا کہ یہ بچے ہیں حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ بقیہ سب پھینک آئے، خرچ ہو گئے، خادم نے کہا جی ہاں! راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت اب تو ہزار کے نوٹ کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ حضرت نے فرمایا کہ اب کسی بھی چیز کی کوئی حیثیت نہیں رہی یہاں تک کہ انسان جو اشرف المخلوقات تھا سب سے اعلیٰ جسکی حیثیت تھی وہ حیثیت اسکی بھی باقی نہ رہی۔ اب انسان بھی بے حیثیت ہو گیا۔ اب اسکی بھی وہ قدر و قیمت جو پہلے تھی اب باقی نہیں رہی کیونکہ اب انسان بھی انسانوں جیسے کام نہیں کرتا بلکہ اس نے بھی اب درندوں والے کام شروع کر دیئے، حیوانیت کے تمام حدود کو پار کر دیا، کہیں آپس میں قتل و قتال ہے، کہیں چوری ہے، ڈکیتی ہے، ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی ہے، محارم کے ساتھ بدکاری اور زنا کاری ہے۔ یہاں تک باپ بیٹی کے ساتھ منہ کا لا کرنے لگا۔ آئے دن اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ کہیں بیٹا باپ کو قتل کر رہا ہے، کہیں شوہر بیوی کو جلا رہا ہے، کہیں بیوی شوہر کا قتل کر رہی ہے وغیرہ وغیرہ، یہ کوئی انسانوں کے کام ہیں؟ جب انسان نے یہ کام شروع کر دیئے تو اب اسکی وہ حیثیت ہی ختم ہو گئی، بس اللہ محفوظ رکھے (آمین)

پہلے طلبہ قدر شناس اور سادہ ہوتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے طلبہ بڑے نیک اور سیدھے سادھے ہوتے تھے۔ دوپہر کو دال ملتی تھی مدرسہ سے اور جو دال بچ جاتی تھی اسکو چھینکتے نہیں تھے بلکہ اسکو پی لیتے تھے۔ اسکو تبرک سمجھتے تھے اور ساتھیوں کو کھلاتے تھے اور ایک ملا جی تھے مدرسہ کے خادم، وہ یہ کام کرتے تھے کہ جب طلبہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو انکی بچی ہوئی روٹیاں جمع کرتے، کسی کے یہاں سے ایک ٹکڑا لیا، کسی کے یہاں سے آدھی روٹی، کسی کے یہاں سے دال بچی ہوئی ملی، ملا جی سب کو ایک جگہ جمع کرتے اور اپنے کمرہ میں ان طلبہ کو بلاتے جہاں کھانا نہیں ہوتا تھا اور دسترخوان بچھا کر سب کو کھلاتے تھے وہ طلبہ کھا لیتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے اور ملا جی کو بھی دعائیں دیتے، ملا جی ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے، طلبہ نادار ہوتے تھے، وہ شوق سے بچا ہوا کھا لیتے اور پڑھنے میں خوب محنت کرتے تھے، اب طلبہ کہاں کھائیں گے؟ اب تو کہہ دیں گے، یہ تو جھوٹا ہے۔ یہ تو ایسا ہے ویسا ہے۔ اب وہ سادگی اور نیکی کہاں؟ اور اسکی برکت بہت تھی، وہ طلبہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء اور بزرگ بنے

بزرگوں کی روحانیت وفات کے بعد بھی باقی رہتی ہے مگر.....

فرمایا کہ:

اللہ والے نیک بزرگوں کی روحانیت جس طرح ان کی زندگی میں رہتی ہے اور اس کے دور دور تک اثرات ہوتے ہیں اور لوگ ان کے اثرات اور ان کی برکات کا زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی ان کی روحانیت باقی رہتی ہے البتہ اس کا ادراک وفات کے بعد ہر ایک کو نہیں ہوتا بلکہ وہ ادراک بھی اہل اللہ کو ہوتا ہے دوسرے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس پر قصہ سنایا کہ:

گنگوہ میں ایک بزرگ تشریف لائے اور ان بزرگ صاحب کا معمول تھا کہ وہ اہل اللہ کے مزارات پر جب جاتے تو دور کھڑے ہو کر فاتحہ وغیرہ پڑھتے تھے، مزار کے قریب نہیں جاتے تھے اور پھر بتاتے بھی تھے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں اور ان کی روحانیت کس درجے کی ہے وغیرہ، لوگ ان کو حضرت گنگوہی کے مزار پر لے گئے اور بتایا نہیں کہ کس بزرگ کے مزار پر جا رہے ہیں، جب یہ مزار کے قریب پہونچے تو بڑی زور کی انہوں نے چیخ ماری اور پھر بہت دیر تک روتے رہے کافی دیر روئے۔ اس کے بعد مزار کے قریب مسجد میں نماز پڑھی اور لوگوں سے کہا کہ ایسا نہیں کیا کرتے بلکہ پہلے سے بتا دیا کرتے ہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اس طرح سے تو بعض مرتبہ جان نکل جاتی ہے یہ تو بہت بڑے درجے کے بزرگ ہیں، ان کی روحانیت کا کیا ٹھکانہ ہے؟ یہ بڑے کمالات اور مرتبہ والے بزرگ ہیں۔

حضرت تھانوی جلدی کسی کی دعوت نہیں کرتے تھے

فرمایا کہ:

اب تو علماء کو پرانی وضع اختیار کر لینا چاہئے یعنی کھانے پینے میں، پہننے میں تکلفات نہیں کرنا چاہئے بلکہ سیدھی سادھی زندگی گزارنا چاہئے اور کسی کی دعوت بھی سوچ سمجھ کر کریں اس میں بڑا تکلف ہوتا ہے، تنخواہ کم ہے، اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، پھر پریشانی ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی کسی کی دعوت نہیں کرتے تھے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب جو حضرت کے پیرومرشد ہیں انہوں نے نصیحت کی تھی کہ کبھی کسی کی دعوت نہ کرنا! حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی نصیحت کے خلاف کیا اور ایک صاحب جو میرے یہاں بہت آتے جاتے تھے میں نے دعوت کر دی۔ انہوں نے قبول کر لی، اور جب کھانا لگ گیا اور کھانے کے لئے بیٹھے تو اب فرماتے ہیں کہ میں تو مرجع نہیں کھاتا ہوں! ان کے بروقت اس طرح کہنے سے بڑی تکلیف ہوئی اگر مرجع نہیں کھاتے تھے تو پہلے ہی کہہ دیتے جب دعوت قبول کی تھی مگر اس وقت نہیں کہا۔ خیر! حضرت کی ایک عزیزہ آنکھ بنا کر آئی تھیں ان کے لئے بلا مرجع کا سالن بنا تھا۔ ان سے کہلایا کہ اگر کچھ سالن ہو تو دیدیں چنانچہ وہاں سے سالن لا کر ان کو کھلایا فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی نصیحت کے خلاف کیا تھا اس کی وجہ سے یہ پریشانی ہوئی پھر آئندہ کسی کی دعوت نہیں کی۔

مہمان پرہیز کا کھانا ہو تو میزبان کو پیشگی اطلاع دے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا عبد السمیع صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور مشہور استاذ تھے۔ حضرت مولانا بلال اصغر صاحب موجودہ استاذ کے دادا صاحب تھے وہ بھی مرجع بالکل نہیں کھاتے تھے، اور جب گلاؤٹھی امتحان لینے کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کے لئے علیحدہ ہمارے گھر (یعنی مولانا نصیر احمد خان صاحب) کے یہاں کھانا تیار ہوتا تھا اور اس میں مرجع بالکل نہیں ڈالی جاتی تھی، بہر حال مہمان اگر مرجع بالکل نہیں کھاتا ہے تو اس کی اطلاع پیشگی ہو جانی چاہئے تاکہ بروقت میزبان کو تکلیف نہ ہو اور اس سے خود مہمان کو بھی تکلیف نہیں ہوگی اسی وجہ سے اکابر کے یہاں ضابطے بنائے جاتے ہیں آنے والے کے

لئے؛ تاکہ کسی کو بھی تکلیف نہ ہو، اسی میں سب کے لئے راحت ہے۔

تصوف کے مسائل اور اس کی حقیقت کا ادراک شیخ کامل کی صحبت میں ملتا ہے

فرمایا کہ:

تصوف کے مسائل سے متعلق حضرت تھانویؒ کی بہت عمدہ کتاب ہے ”مسائل تصوف قرآن و حدیث کی روشنی میں“ اس پر ایک صاحب نے حواشی تحریر فرمائے ہیں اس میں مذکورہ احادیث کی تخریج بھی کی ہے اور حوالہ جات بھی تحقیق سے رقم کئے ہیں، کتاب نئے حاشیہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی، حضرت نے پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مسائل تصوف اور سلوک کے مدارج تو کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر ہی آتے ہیں، شیخ ہر ایک کے مزاج کے مطابق اس سے مجاہدہ کراتا ہے، ریاضت کراتا ہے، اس کی اچھی طرح گھسائی کرتا ہے جب کہیں جا کر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں اعلیٰ اخلاق کا نام تصوف ہے، یہ محض کتابوں میں پڑھنے سے نہیں آتے، کتاب میں پڑھنے سے تو بس اتنا ہوتا ہے کہ تصوف کا علم آ گیا ہے اور اس علم سے متعلق کچھ باتیں یاد ہو گئیں اور بیان کر دیا تو لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ صاحب بڑے صوفی اور بزرگ ہیں حالانکہ اس کو تصوف نہیں کہتے یہ تو شیخ کامل کی خدمت میں ہی آتا ہے، اسی وجہ سے پہلے لوگ خوب مجاہدے کراتے تھے اور سالکین سے خوب محنتیں کراتے تھے، خدمت کے کام کراتے تھے تاکہ خدمت خلق سیکھ سکیں اور پھر اللہ کے بندوں کی خدمت کریں اور یہی حاصل تصوف ہے۔

ایک خود ساختہ پیر اور حضرت تھانویؒ

فرمایا کہ:

ایک صاحب تھے خود ساختہ پیر، لوگوں کو بیعت کرتے تھے، مجلسیں لگاتے تھے مگر کسی سے تعلق نہیں کیا تھا بس یوں ہی بلا کسی شیخ کے تعلق کے بیعت کر لیا کرتے تھے، اب لوگوں نے ان سے سند مانگی کہ آپ کن بزرگ سے بیعت ہیں سند تو بتائیے! اب ان صاحب نے حضرت تھانویؒ کو لکھا کہ میں لوگوں کو بیعت کیا کرتا ہوں مگر میرا کوئی شیخ نہیں ہے اور لوگ مجھ سے سند مانگتے ہیں لہذا آپ مجھے سند عنایت فرمادیں تاکہ لوگوں کو میں وہ سند دکھا دوں اس پر حضرت نے ان صاحب کو تحریر فرمایا کہ پہلے اپنے دماغ کا علاج کرو! چونکہ جو اس طرح لوگوں کو بیعت کرتا پھرتا ہو اور کسی سے تعلق اصلاحی نہ ہو وہ آدمی تو پاگل اور دیوانہ ہے اس کو اپنے روحانی علاج سے پہلے اپنے دماغ کا علاج کرنا چاہئے۔

کتاب کے سوالات تو اب ختم ہو گئے، حضرت تھانویؒ کی فراست کا ایک عجیب واقعہ

فرمایا کہ:

ایک صاحب حضرت تھانویؒ سے تصوف کے سلسلے میں مکاتبت کرتے تھے اور کسی کتاب میں دیکھ کر اس سے سوالات حضرت کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے۔ حضرت کو اس کتاب کے بارے میں علم تھا، حضرت کے مطالعہ میں رہ چکی تھی جب اس کتاب کے تمام مسائل لکھ چکے (اور بزعم خود یہ سمجھتے رہے کہ حضرت کو اس کا علم نہیں ہے) تو حضرت نے ان کو لکھا کہ اب تو آپ کی کتاب کے سوالات پورے ہو گئے۔ اب آپ کہاں سے سوالات لکھیں گے؟ اس کے بعد ان صاحب نے سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا۔

حضرت مدنیؒ کا درسِ حدیث اور آپ کی جامع کمالات شخصیت

فرمایا کہ:

حضرت مدنیؒ کی شخصیت بڑی بھاری بھر کم شخصیت تھی واقعہً آپ زاہد تھے، زہد آپ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ حضرت علامہ کشمیری کے بعد

دارالعلوم دیوبند میں مسند حدیث کی خالی جگہ کو پر کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ حضرت اس وقت میں مدینہ منورہ میں درس حدیث دیتے تھے حضرت کو یہاں بلا لیا گیا اور حضرت نے بھی دارالعلوم کی حیثیت کو سمجھا اور یہاں تشریف لائے اس سے قبل بھی دارالعلوم میں آپ پڑھا چکے تھے مگر اب مستقل یہاں قیام کی نیت سے تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس سے پہلے پڑھاتے تھے اور پھر حضرت مدنی کے معاصرین انتہائی چوٹی کے باصلاحیت اساتذہ تھے، حضرت علامہ ابراہیم صاحبؒ، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی موجودگی میں اس مسند کا حق ادا کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر حضرت کے درس حدیث کی تقریر ایسی جامع اور تمام پہلوؤں کو لئے ہوئے ہوتی تھی کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، گویا حضرت مدنی نے علامہ کشمیری کی خالی جگہ کو نہ صرف یہ کہ پر کیا بلکہ بحسن و خوبی پُر کیا۔ اس کے علاوہ حضرت کی عوامی تقاریر بھی بڑی مؤثر ثابت ہوتی تھی۔ ہر جمعرات کو آپ کا سفر ہوتا تھا، مدارس کے جلسے ہوں یا عوامی جلسے اسی ترتیب سے آپ کی ان میں شرکت ہوتی تھی ان پروگراموں کی وجہ سے پورے ملک میں آپ کا ایک بہت ہی گہرا اثر تھا۔ ادھر آپ کے سیاسی جلسے اور ان کی تقاریر بھی پورے ملک میں مشہور تھیں ان سب چیزوں نے ملک و عوام اور خواص کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا علاوہ ازیں آپ کی روحانیت اور للہیت نیز آپ کے جذبہ خدمت خلق نے آپ کے اوصاف جمیلہ میں چار چاند لگا دئے تھے جو آپ کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا آپ پر فریفتہ ہو جاتا تھا، جس نے آپ کو قریب سے دیکھ لیا اس کی نگاہ میں کوئی دوسرا جتنا نہیں تھا، آج ایسی شخصیتیں کہاں ہیں؟ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

انگریز حکومت کرنا جانتا تھا

فرمایا کہ:

جب باقاعدہ ہندوستان پر قبضہ ہو گیا تو اس نے بڑے اصول اور ضابطوں سے حکومت کی وہ حکومت کرنا جانتا تھا۔ فرمایا کہ: انگریز کے زمانے میں پرائمری وغیرہ اسکولوں میں ہندو بچے اپنی پڑھائی علیحدہ کرتے تھے اور مسلمان بچے علیحدہ حمد پڑھتے تھے۔ اس نے کبھی نہیں کہا کہ ہندو مسلم ایک ہی طرح عبادت کریں بلکہ جو جس کا طریقہ ہو وہ اس کے مطابق عبادت کرتا رہے۔ کوئی آپس میں انتشار نہ ہو آج یہ گندی ذہنیت کے لوگ برسر اقتدار ہیں، کہتے ہیں کہ مسلمان بچے بھی مورتیوں کی پوجا کریں گے، ہماری طرح پڑھنا کریں، ورنہ اسکول چھوڑ دیں! جیسا کہ آج ہی کے اخبار میں مہاراشٹر کی حکومت نے اعلان کیا ہے اور اس پر مسلمان احتجاج بھی کر رہے ہیں۔ یہ سب تعصب کی باتیں ہیں، اس سے سماج اور معاشرہ خراب ہوتا ہے اس قسم کی باتوں سے کیا فائدہ ہے؟ بلکہ اس سے ملک میں انتشار اور اختلاف ہوتا ہے پھر جھگڑے ہوتے ہیں دونوں طرف جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، انگریز کے دور میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ ملک میں امن و امان تھا جھگڑے فساد بالکل نہیں ہوتے تھے اور آج آئے دن یہاں جھگڑے فساد ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ حکومت کرنے کا سلیقہ نہیں جانتے۔ آج بھی انگلینڈ چھوٹا سا ملک ہے مگر ان کے یہاں نظم و ضبط ہے مسلمان بھی آزاد ہیں دیگر اقوام بھی آزاد ہیں اور وہاں کی حکومت اپنی عوام کی خوشحالی کے لئے چاق و چوبند ہے، مسلمان بڑی بڑی تجارت کرتے ہیں اور اس سے دنیا کے مسلمانوں کو نفع پہونچاتے ہیں۔ لوگ وہاں سے لاکر مدارس چلاتے ہیں مساجد بنواتے ہیں اگر اہل ہند کی حکومت وہاں ہوتی تو ایک ایک مسلمان کو کان پکڑ کر نکال دیتے اور طرح طرح سے پریشان کرتے مگر وہاں مسلمان مامون ہیں اور بڑے بڑے دینی کام انجام دے رہے ہیں۔

بارہ بستی علاقہ پر حضرت مدنیؒ کا فیضان اور آپ کی کھلی کرامت ہندوؤں نے کہا یہ تو فرشتے بن کر آئے ہیں

فرمایا کہ:

شدید گرمی کا زمانہ مئی جون کا مہینہ تھا لوگ بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے بارش کے لئے لوگ دعائیں مانگ رہے تھے اور بارش نہیں ہو رہی تھی ایسے وقت میں بارہ بستی سے اسد اللہ خان صاحب آئے جو حضرت مدنیؒ کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے اور حضرت مدنیؒ بھی ان سے بے انتہا تعلق رکھتے تھے اور کچھ لوگ بھی ان کے ہمراہ تھے، حضرت کے یہاں آئے، ٹھہرے، بات چیت ہوئی اور حضرت سے بگراسی اور چند یا نہ وغیرہ چلنے کی فرمائش

کی اور حضرت بھی تیار ہو گئے یہاں سے سیانہ تک تو گاڑی وغیرہ سے پہونچ گئے اور ”سیانہ“ سے بیل گاڑی میں چلے، ہمراہ حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب برادر بزرگ حضرت شیخ مولانا نصیر احمد خان اور اسد اللہ خاں ہیں جیسے ہی سیانہ سے بیل گاڑی چلی جب کہ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اچانک بادل آئے اور پھر زبردست بارش ہوئی اور اتنی بارش ہوئی کہ سب لوگ بھیگ گئے، حضرت کے کپڑے بھی تر ہو گئے اور تمام راستوں میں پانی بھر گئے، سڑکیں چونکہ اس علاقے میں نہیں تھیں، اس علاقے میں بسیں بھی نہیں چلتی تھیں، بیل گاڑی سے یا پھر پیدل ہی لوگ چلتے تھے، اس لئے بارش سے تمام راستوں میں پانی بھر گیا، جب لوگ منزل پر پہونچے تو وہاں کے ہندو بھی دیکھنے کے لئے آگئے اور کہا کہ یہ لوگ تو فرشتہ بن کر آئے ہیں، ان کی برکت سے یہاں کے لوگوں کو بارش نصیب ہو گئی ورنہ یہاں تو خشک سالی پڑ رہی تھی اور بلاشبہ یہ حضرت ہی کی کرامت اور آپ کی آمد کی برکت تھی، اللہ کی رحمت بارش بن کر نازل ہوئی۔ سفر میں حضرت مدنی اپنا پورا سامان ضرورت کا اپنے ہمراہ رکھتے تھے، کپڑے بستر لوٹا پانی کی صراحی وغیرہ۔

حضرت کے پاس سب کچھ تھا مگر مولانا بشیر احمد خان صاحب بس جو کپڑے پہن گئے تھے اسکے علاوہ ان کے پاس نہیں تھے، حضرت مدنی نے ان کو کپڑے دئے اور خود بھی کپڑے تبدیل فرمائے اور پھر ایک دو روز وہاں قیام کر کے واپس لوٹے۔

مدرسے کی برکات

فرمایا کہ:

مدرسہ کی بڑی برکات ہوتی ہیں بستی پر بھی اور اہل بستی میں آتے ہیں اور اپنے ہمراہ اللہ کی رحمت لاتے ہیں، اس سے تمام علاقے والے فیضیاب ہوتے ہیں، خصوصاً علمائے کرام اور بزرگوں کی آمد باسعادت ہوتی ہے یہ علمائے کرام حضرات انبیائے کرام کے وارث اور سچے جانشین ہوتے ہیں، ان کے بڑے فضائل اور برکات ہیں، جو احادیث میں مذکور ہیں۔ ان کی آمد سے لوگوں کو دینی اور روحانی فیوض و برکات میسر ہوتے ہیں ان کی دعاؤں کی برکت سے لوگوں کے دینی اور دنیاوی کام بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی قدر کرنی چاہئے (بارہ بستی کا ذکر چل رہا تھا) فرمایا کہ چند یانہ میں جامع مسجد میں ایک مدرسہ تھا دورہ حدیث تک کی تعلیم وہاں ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء نے وہاں تعلیم حاصل کی ہے جو میرے بڑے بھائی اور استاذ مولانا بشیر احمد خان صاحب ہیں۔ انہوں نے چند یانہ میں اسی مدرسہ میں حفظ کلام اللہ کیا اور ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی یہیں سے کیا ہے بعد میں گلاؤٹھی گئے اور پھر وہاں تعلیم مکمل کی اس مدرسہ ہی کی برکت تھی کہ بڑے بڑے اکابر یہاں تشریف لائے، حضرت شیخ مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت شیخ الہند کا جانا تو عجیب طرز سے ہوا۔ حضرت کا پروگرام تھا، سیانہ سے ٹانگہ میں جانا تھا چند یانہ سے ٹانگہ آگیا اور حضرت کو سیانہ پہونچنے میں تاخیر ہو گئی ٹانگہ والے واپس ہو گئے۔ حضرت ان کے جانے کے بعد سیانہ پہونچے رات کا وقت ہو گیا۔ حضرت تنہا، راستہ بتانے والا بھی کوئی نہیں اور تقریباً سولہ کلومیٹر کا راستہ۔ کوئی رہبر نہیں، راستہ میں اندھیرا ہے، پیدل چلنا ہے، حضرت چل دئے، رات کے کسی وقت میں چند یانہ پہونچے۔ جب صبح کو نماز کے لئے آئے تو حضرت کو موجود پا کر حیران رہ گئے عجیب بات تھی ان حضرات کی۔ اب کون ایسی مشقتیں برداشت کر سکتا ہے جو یہ حضرات کر گئے اور نہ جانے کتنے ایسے سفر کئے ہوں گے اپنی راحت و آرام کو چھوڑ کر ایسے پر مشقت سفر کرنا جب کہ ان حضرات کی کوئی دنیاوی غرض ہی نہیں، بس غرض دین کی غرض۔ اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کی غرض۔ اور ہر چیز میں رضائے الہی مقصود تھی، اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ انہیں حضرات کی برکت سے آج پوری دنیا میں دارالعلوم دیوبند کا نام روشن ہے اور ان کے اخلاص کی برکت سے روشن رہے گا۔

ان شاء اللہ

ٹھنڈا پانی بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

فرمایا کہ:

ٹھنڈا پانی بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے انسانوں پر، اللہ تعالیٰ نے بے شمار اپنی نعمتیں برسائی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ان کا شکر ادا ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها“ مگر ان سب نعمتوں میں ٹھنڈا پانی بے مثال نعمت ہے، خصوصاً ہمارے اس علاقے میں، یہ نعمت بہت ہی ارزاں ہے، اگر برف نہ بھی دستیاب ہو تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، زمین سے قدرتی ٹھنڈا اور شیریں پانی نکلتا ہے اور اتنا ٹھنڈا کہ برف کی حاجت نہیں دوسرے علاقوں میں یہ نعمت اتنی سستی نہیں ہے۔

فرمایا کہ: جب میں سب سے پہلے یہاں دیوبند بغرض تعلیم آیا تو سب سے پہلے حضرت مدنی کے مکان پر پہنچا، شدید گرمی کا موسم تھا، سامان رکھا اور وہیں حضرت کے مکان کے نل سے پانی پیا جو اتنا ٹھنڈا تھا کہ میں یہی سمجھا کہ اس میں برف کا پانی ہے حالانکہ وہ سادہ پانی اور قدرتی اور اصلی پانی تھا، پھر میں نے غسل کے لئے بالٹی بھری اور غسل خانہ میں گیا تو اس پانی کو سر پر ڈالنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، اتنا ٹھنڈا تھا، عجیب اللہ کا انعام ہے!

فرمایا کہ: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ٹھنڈا پانی پیا کرو اس کی وجہ سے ہر بال سے اللہ کا شکریہ ادا ہوگا، عموماً اللہ والے خوب ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور خوب اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ والوں کی تو ہر ہر ادا سے اللہ کی شکرگزاری کا احساس ہوتا ہے۔

اسرپ علی مولیٰ تو ہی ہے؟

فرمایا کہ:

ایک دیہاتی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے ملاقات کے لئے آیا، حضرت بیٹھے ہوئے باہر ہی سے نظر آ رہے تھے، اس نے وہیں دور سے ہی معلوم کیا کہ اسرپ علی کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں ہوں، اشرف علی! اس نے کہا کہ تو تو اسرپ علی نہیں ہے! وہ تو گورا ہے اور تو کالا ہے۔ حضرت کے قریب کوئی صاحب اور بیٹھے ہوئے تھے وہ صاحب خوب گورے چٹے تھے، حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ صاحب ہیں تو اس نے کہا یہ تو ڈھیر گورا ہے، اسرپ علی اتنا گورا نہیں ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! وہاں مزدور کام کر رہے ہیں ان سے معلوم کر لے! وہ بتادیں گے چنانچہ اس نے مزدوروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ وہی تو مولانا اشرف علی صاحب تھے، اب یہ حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اب تو کالا ہو گیا پہلے تو گورا تھا، حضرت نے معلوم کیا کہ کب دیکھا تھا؟ اس نے کہا کافی دن ہو گئے، حضرت نے فرمایا کہ وہ جوانی کی بات تھی، جوانی کے رنگ روغن اور ہوتے ہیں اور بڑھاپے کے احوال دوسرے ہوتے ہیں، بھائی! اب بڑھاپا ہے، وہ شخص ملاقات کر کے چلا گیا۔

فرمایا کہ: حضرت کو بے ڈھنگی باتوں پر بڑی تکلیف ہوتی تھی مگر حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اس کی سیدھی سادھی باتوں پر اتنا لطف آ رہا تھا کہ بس وہ بھی کہتا رہے کہ تو تو اسرپ علی نہیں ہے اور میں سنتا رہوں، دیہاتی اور گاؤں کے لوگ شہری تہذیب و تمدن سے نا آشنا ہوتے ہیں اور ان کی سیدھی سادھی باتوں میں اخلاص ہوتا ہے، ریاء اور بناوٹ نہیں ہوتی یہ لوگ اہل اللہ اور دینداروں کے سچے عاشق ہوتے ہیں۔

بعض بے ڈھنگی باتیں بڑی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں

فرمایا کہ:

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی بے ڈھنگی باتیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں، اس پر حضرت نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کے بیٹے کی شادی ہوئی، دلہن گھر میں آ گئی مگر دلہن بہت خاموش رہتی اور کوئی بات نہیں کرتی، کبھی کبھی بولتی ہی نہیں، بڑھیا نے کہا کہ دلہن تو ہمیشہ چپ رہتی ہے، بولتی کیوں نہیں؟ بولا کہ بولنے سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ دلہن بولی کہ میری ماں نے بولنے سے منع کر دیا ہے اس لئے میں بولتی نہیں ہوں، ساس نے پھر کہا کہ بولا کر! چنانچہ دلہن ایک دن بولتی ہے کہ اماں! اگر تیرا بیٹا مر گیا تو مجھے یوں ہی بٹھائے رکھے گی یا شادی کر دے گی، بڑھیا نے کہا کہ تیرا نہ بولنا ہی بہتر ہے، تیری

اماں نے ٹھیک کہا تھا اس لئے تو بولامت کر! تو اسی طرح بہت سی باتیں بڑی تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔

پہلے زمانے کے طلبہ بڑے ذی استعداد اور باادب ہوتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے کے طلبہ بڑے ذی استعداد ہوتے تھے کتابوں کے مضامین از بر کر لیتے تھے، انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ پڑھتے تھے، قندھار، ہرات، کابل، جلال آباد۔ اسی طرح سے سرحد کے طلبہ ذہین بھی ہوتے تھے اور محنتی بھی، اسی کے ساتھ اساتذہ کا بڑا ادب و احترام بھی کرتے تھے اگر راستہ میں کوئی استاذ مل گیا چاہے چھوٹا ہو یا بڑا غرض کسی بھی درجے کا ہو طلبہ کی مجال ہی نہیں تھی کہ گزر جائیں بلکہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب استاذ گزر جاتے اس کے بعد جاتے تھے اور اب تو حال یہ ہے کہ استاذ جا رہے ہیں اسکے سامنے سے گزر جائیں گے اور کوئی پرواہ نہیں کریں گے، یہاں بھیڑ ہے، وہاں بھیڑ جمع ہے، کوئی سلیقہ نہیں۔

فرمایا کہ: میں ایک دفعہ تعلیمات کے دفتر پر اعلان پڑھا تھا، گھنٹے کے درمیان میں وقت خالی ہو گیا تھا، حضرت شیخ الادب صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ مولوی صاحب تم اسی لئے یہاں آئے ہو؟ بس اتنا کہا تھا پھر زندگی بھر وہاں کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہو سکی، اب ہر جگہ بھیڑ ہے، راستوں پر بھی بھیڑ جمع کر لیتے ہیں، ٹکنا دشوار ہو جاتا ہے اور نہیں دیکھتے کہ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کبھاڑ جمع ہو گیا۔ پہلے زمانے میں طلبہ ایسے نہیں ہوتے تھے، بڑی مضبوط استعداد ہوتی تھیں اور امتیازی نمبرات ۵۱/۵۲/۵۳ حاصل کرتے تھے، جبکہ ۳۵/۳۶ پر پاس ہوتے تھے، اس سے کم پرفیل ہوتے تھے اور اس سے پہلے تو پاس ہونے کے لئے چالیس نمبرات لانا ضروری ہوتا تھا۔ ۳۹ پر فیل ہوتے تھے اور امتحان بھی بڑا سخت ہوتا تھا، پرچے میں تین سوالات ہوتے تھے اور تینوں کا حل کرنا ضروری ہوتا تھا اور اب تو پانچ میں سے تین کرنے ہوتے ہیں اور ایک بات یہ بھی ہوتی تھی کہ پرچے میں عبارت بہت کم ہوتی تھی حفظ کا امتحان زیادہ ہوتا تھا، اب تو حفظ کا امتحان ہوتا بھی نہیں ہے اب تو اکثر و بیشتر عبارت دیکھ کر اسی سے سوال ہوتا ہے اور اس سے آسانی ہو جاتی ہے، پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا پھر بھی طلبہ اچھے نمبرات لاتے تھے۔ اب یہ معیار بہت گر گیا ہے، دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، طلبہ کو محنت کرنی چاہئے استعدادوں کو اعلیٰ بنانا چاہئے۔

خشک اخلاقی کا ایک نمونہ

فرمایا کہ:

بعض لوگ بڑے خشک اخلاق ہوتے ہیں اور اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ فراہمی غلہ کے سلسلے میں بلند شہر کے علاقے میں بارہ بستی کا سفر تھا۔ ہمراہ حضرت مولانا گل صاحب تھے، جو شعبہ تنظیم و ترقی کے ذمہ دار، ناظم تھے اور ان کا ایک چہرہ اسی اور ایک ڈرائیور، کل چار آدمی تھے۔ سب سے پہلے ”بگراسی“ پہونچے اور وہاں کے ایک رئیس جو مجھے بھی

جانتے تھے اور میرے یہاں مکان پر آتے تھے اور ادھر حضرت مدنی کے یہاں بھی آتے تھے، خوب اچھی طرح جان پہچان تھی، عصر سے قبل ان کے یہاں پہونچے سامان رکھا، گاڑی کھڑی کی اور ان کی بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ حقہ چل رہا تھا باتیں ہوتی رہیں، عصر کا وقت ہو گیا، مسجد قریب ہی تھی ہم لوگ نماز پڑھنے چلے گئے نماز کے بعد پھر آکر بیٹھ گئے، مختلف باتیں ہوتی رہیں اور اب مغرب کا وقت آ گیا، مغرب کی نماز پڑھنے چلے گئے، اور پڑھکر آ گئے اس کے بعد بھی کوئی کھانے پینے کی بات نہیں ہوئی، جب کافی دیر ہو گئی تو میں نے مولانا محمود گل صاحب سے کہا کہ ہم کو ”جلال پور“ بھی جانا ہے، انہوں نے کہا کہ جانا ہے، میں نے کہا کیوں نہ ابھی چلا جائے انہوں نے کہا کہ بہت اچھا! چنانچہ میں نے ڈرائیور سے کہا سامان رکھو اور چلو، ہم چل دئے مگر خان صاحب نے کھانے کی بات تک نہیں کی حالانکہ کھانے کا وقت تھا اور ایسے وقت آدمی کہہ دیتا ہے کہ بھائی کھانا کھا کر جانا مگر انہوں نے نام تک نہیں لیا یہاں سے ہم جلال پور

چلے گئے اور وہاں میرے ہم زلف تھے ان کے یہاں پہنچ گئے اور کھانا کھا کر آرام کیا اور صبح کو کام شروع کیا۔

بزرگوں کو اللہ تعالیٰ روحانی قوت سے نوازتے ہیں

فرمایا کہ:

پہلے بزرگوں کے حالات اور مجاہدات میں اکثر یہ بات ملتی ہے کہ ان کو فاقے ہوتے تھے اور کئی کئی دن کے مسلسل فاقے ہوتے تھے، بچے بھی بھوکے اور خود بھی بھوکے، بیوی بھی بھوکی، بڑی تکلیف ہوتی ہوگی، آج تو فاقوں کا تصور بھی نہیں ہوتا، ان فاقوں کی لذتوں سے بھی ہم لوگ نا آشنا ہیں اور اس کے باوجود اگر ان کو کوئی ہدیہ دیتا اور اس کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تو اس کو نہیں لیتے تھے، واپس کر دیا کرتے تھے، حالانکہ سخت ضرورت ہوتی تھی، فاقوں سے اور زیادہ کیا ضرورت ہوگی؟

فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے روحانی قوتوں سے نوازا تھا اسی وجہ سے ان کے لئے صبر و قناعت آسان ہو گیا تھا۔ وہ لوگ فاقہ کرتے تھے مگر پڑوسیوں کو بھی اس کا پتہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کا انہماک بھی کرتے تھے، چھپاتے تھے اور اگر ان کے اس راز کو ظاہر کر دیتا تھا تو اس سے ناراض ہو جاتے تھے، اللہ اللہ یہ کیسا صبر تھا؟ کیسی قناعت تھی؟ بڑے اونچے درجے کے یہ لوگ تھے، اور ان کی رفیقہ حیات بھی اسی طرح صبر و قناعت والی تھیں۔ آج یہ دونوں وصف ہمارے اندر سے نکل گئے اسی وجہ سے وہ روحانیت جو ان اکابر میں تھی وہ ہمارے اندر نہیں ہے۔ کاش کہ ایسے اوصاف ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں؛ تاکہ ان اکابر جیسے فیوض و برکات ہم کو بھی میسر آسکیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں بڑے نازک طبع تھے

فرمایا کہ:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں بہت بڑے عالم اور صاحب نسبت عالیہ بزرگ ہیں ان کی روحانیت بڑی قوی ہے، علم بھی بہت پختہ ہے، شاہی خاندان سے آپ کا تعلق ہے، حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے رشتہ میں بھائی لگتے ہیں مگر طبیعت میں انتہائی سلیقہ مندی اور نزاکت تھی، خلاف مزاج معمولی بات بھی ان کی طبع نازک پر انتہائی گراں ہوتی تھی، ان کی نزاکت طبع کے چند واقعات حضرت نے سنائے۔

چارپائی میں کان کی وجہ سے نیند نہیں آئی

فرمایا کہ:

ایک نواب صاحب نے ان کی دعوت کی، حضرت نے قبول فرمائی اور نواب صاحب کے یہاں پہنچ گئے، نواب صاحب نے قسم قسم کے کھانے تیار کرائے اور خوب اچھی طرح سے حضرت کی میزبانی کی۔ جب رات کا وقت آیا تو حضرت کو آرام کرنے کے لئے بستر لگا دیا گیا اور آپ لیٹ گئے مگر تمام رات سو نہیں سکے بالکل نیند نہیں آئی، صبح کو نواب صاحب نے حال معلوم کیا تو فرمایا کہ:

پوری رات نیند نہیں آسکی، وجہ معلوم کی تو بتایا کہ جس چارپائی پر بستر لگایا گیا تھا اس میں کان تھی اس وجہ سے میں رات بھر نہیں سو سکا چنانچہ دیکھا گیا تو بہت معمولی سی کان (ہلکا ٹیڑھا پن) تھی، یہ تھی آپ کی نزاکت طبع۔

مرزا جان جاناں اور شہزادہ

فرمایا کہ:

ایک شہزادے آپ کی خدمت میں آئے، ملاقات ہوئی، شہزادہ کو پیاس محسوس ہوئی اور پانی طلب کیا حضرت نے فرمایا کہ گھڑا رکھا ہوا ہے اس میں

سے پانی پی لو!

شہزادہ نے گھڑے سے پانی پیا مگر گھڑے پر پیالہ بے خیالی میں ذرا ٹیڑھا رکھ دیا بس حضرت سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جب پیالہ تک سیدھا نہیں رکھ سکتے تو حکومت کیا کرو گے؟

لحاف میں دھاگے بے ترتیب ڈال دئے جانے کی بناء پر نیند نہیں آئی

فرمایا کہ:

ایک بڑھیا آپ کے لئے لحاف تیار کر کے لائی بہت خوبصورت لحاف، بڑی محنت سے اس میں ڈورے ڈالے گئے تھے، رات کے وقت لحاف آیا آپ نے استعمال فرمایا مگر کوئی چیز آپ کو مسلسل پریشان کرتی رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ساری رات نیند نہیں آئی، صبح کو خدام سے فرمایا کہ دیکھو اس میں جوئیں معلوم ہوتی ہیں خدام نے کہا نیا لحاف ہے اس میں جوئیں کہاں؟ خیر! اب جو دیکھا گیا تو اس میں کہیں کہیں ڈورے بے ترتیب ہو گئے تھے جس کے وجہ سے آپ کو گویا جوؤں کا احساس ہوا اور پوری رات جاگ کر گذری۔

میں ریچھ کو بیعت نہیں کرتا، ریچھ اور انسان میں مناسبت نہیں

فرمایا کہ:

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مولانا غلام تکی صاحب بہاری (جو مشہور اور بڑے عالم دین تھے، معقولی اور منقولی عالم تھے، قطبی پران کا حاشیہ بھی ہے) (مگر داڑھی ان کی بہت بڑھی ہوئی تھی) حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے ارادے سے آئے۔ حضرت نے ان کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور آنکھ بند کر کے کہا کہ جلدی کہو کیا کہنا ہے؟ مولانا نے کہا کہ حضرت بیعت کے لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ مرید اور پیر میں مناسبت ضروری ہے اور انسان اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے میں تم کو بیعت نہیں کرتا، اس پر مولانا غلام تکی صاحب ناراض ہوئے اور کہا کہ بس آپ ہی ایک پیر اور شیخ ہیں اور کوئی نہیں اور کسی شیخ سے بیعت ہو جائیں گے، یہ کہہ کر چلے گئے اور اس کے بعد بہت سے شیوخ کے یہاں گئے مگر کوئی شیخ پسند نہیں آیا اور کسی سے مناسبت نہ ہو سکی آخر میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داڑھی وغیرہ درست کرا کے حاضر ہوئے اب حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب بیعت کریں گے چنانچہ بیعت کر لیا اور بڑے شوق اور محبت سے مولانا کی تربیت فرمائی اور ایک زمانہ تک حضرت کی خدمت میں رہے اور مرید اور شیخ میں کامل مناسبت ہو گئی اور پھر حضرت مرزا صاحب نے مولانا کو اجازت و خلافت سے نوازا، بہر حال اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب تک پیر اور مرید میں مناسبت نہ ہو مرید کو فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر مرید کو شیخ سے مناسبت نہیں ہے تو مناسبت پیدا کرے ورنہ تو کورا ہی رہے گا اور شیخ کی مصاحبت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکے گا، اسی وجہ سے بیعت ہونے سے پہلے خوب غور و فکر ہو کہ کس سے مرید ہونا چاہئے، کہاں مناسبت ہو سکے گی اور کہاں مناسبت نہیں ہو سکے گی تاکہ شیخ کی مصاحبت سے کامل استفادہ کر سکے۔

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ

فرمایا کہ:

حضرت مرزا صاحب جمعہ کی نماز دہلی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے اور ہمیشہ جنوبی دروازہ سے آتے اور مشرقی دروازہ سے باہر جاتے تھے، جمعہ کی نماز کے بعد مرزا صاحب یہ عجیب کام کرتے کہ ایک بزرگ مسجد کے برآمدہ میں بیٹھے رہتے تھے۔ یہ بزرگ مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور ان کے پاس ایک لوٹا رکھا رہتا تھا اس لوٹے پر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی رہتی تھی مرزا صاحب ان کا لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے، اینٹ پھینک دیتے اور چٹائی کا مصلیٰ ان کے نیچے سے کھینچ کر

اس کو بھی پھینک دیتے اور پھر مشرقی دروازہ سے چلے جاتے اور زبان سے کچھ نہیں کہتے اور نہ وہ بزرگ کچھ بولتے، ہر جمعہ کو مرزا صاحب یہ عمل کرتے، لوگ بڑا تعجب کرتے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ مگر کسی کو معلوم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، ایک دن خدام نے ہمت کر کے یہ بات معلوم کی کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ جب ہم نو عمر تھے تو بہت سے لوگ ہمارے چاہنے والے تھے جن میں یہ صاحب بھی تھے مگر کچھ وقت کے بعد سب نے آنا جانا چھوڑ دیا مگر یہ صاحب برابر آتے جاتے رہتے، انہوں نے تعلقات ختم نہیں کئے تو ایک مرتبہ مراقبہ کیا اور اس میں ان کی روحانیت کا مقام جاننا چاہا تو دیکھا کہ ان کی روحانیت بہت بڑھی ہوئی ہے، اور میں ان کی روحانیت کے سامنے دب کر رہ گیا، اب جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں دل سے ان کا انتہائی احترام کرنے لگا اسی درمیان وہ ایک دن میرے یہاں ملاقات کے لئے تشریف لائے اور میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا بہت احترام کیا اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا انہوں نے انکار کیا مگر میں ان کو اپنی جگہ بٹھانے کے لئے اصرار کرتا رہا تو انہوں نے یہ کیا کہ میری روحانیت سلب کر لی اور میں بالکل خالی رہ گیا اور بہت پریشان ہوا اور ان سے درخواست کی کہ یہ واپس کر دیں تو انہوں نے ایک شرط لگائی کہ وہی پہلا یعنی بچپن والا معاملہ کرو گے اور ہمیشہ ایسا کرو گے اس کا وعدہ کرو تو واپس کرتا ہوں ورنہ نہیں چنانچہ میں نے مجبوراً وعدہ کر لیا اور اب یہ سب کچھ اسی وعدہ کے ایفاء کے لئے کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی اعلیٰ درجے کے ذہین اور انتہائی نازک طبع تھے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی علیہ الرحمہ انتہائی ذہین انسان تھے۔ استعداد نہایت اعلیٰ درجہ کی پائی تھی، جامع المعقول والمقول تھے، تمام کتابیں حفظ یا دھیں، اگر کوئی بات ان سے معلوم کی جاتی تو فرماتے کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر ہے وہاں اسکو دیکھ لینا، اگر وہاں دیکھنے کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتی تو پھر فرماتے کہ کتاب لاؤ! اور کتاب منگا کر اس مقام کو سمجھاتے، ہم نے ان کو مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں اتنا ضرور کرتے صبح کو ناشتہ کر کے لیٹ جاتے، کمرہ بند کر لیتے پھر کچھ دیر کے بعد جب سبق کا وقت آتا، تیاری کر کے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر درس کے لئے تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ میں لیٹ کر سبق ترتیب دیتا ہوں اور جب سبق پڑھانے کے لئے چلتے اگر راستہ میں چھینک آگئی تو بس وہیں سے لوٹ جاتے اور فرماتے کہ آج سبق نہیں ہوگا، اعلیٰ ذہانت کے ساتھ انتہائی نزاکت بھی ان کے مزاج میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھی وہ اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں سے تھے، بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے بہت اچھے تعلقات تھے، علامہ کو چھاپچھ بہت پسند تھی۔ بھائی صاحب کے یہاں کوٹھی پر بھینس رہتی تھیں چنانچہ بھائی صاحب ان کے لئے صبح کو روزانہ تازہ چھاپچھ اور تازہ گھی بھیجا کرتے تھے۔ دونوں کے باہم مزاج بہت حد تک یکساں تھے، بھائی صاحب بھی معقولی عالم تھے، بلکہ احادیث پر بھی اچھی نظر تھی، یہاں جب دارالعلوم آئے تو سب سے پہلے ابو داؤد شریف کا سبق ان سے متعلق ہوا تھا، طلبہ عجیب عجیب سوالات کرتے، مگر بھائی صاحب انتہائی عمدہ اور مسکت جواب دیتے۔

بزرگوں کی زندہ دلی حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری اور حضرت مدنی کی بے تکلفی

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اسحاق صاحب کٹھوری (میرٹھ) محلہ مہرنگر میں مطب کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، حضرت مدنی سے بڑا گہرا تعلق تھا اور بہت بے تکلفی تھی، جب دیوبند تشریف لاتے تو حضرت مدنی ان سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے تھے وہ انکار کرتے اور حضرت اصرار فرماتے بالآخر زور بردستی ان سے پیسے لے کر مٹھائی کھائی جاتی اور وہ اس کے لئے تیار ہو کر بھی آتے تھے چنانچہ دورِ پوہ حکیم صاحب اسی مقصد سے رکھ لاتے تھے، حکیم صاحب نہایت نیک صورت اور نیک سیرت آدمی تھے، حکیم بڑے حاذق تھے اور مریض سے اس طرح پیش آتے کہ مریض کا آدھا مرض مطب میں آکر اور حکیم صاحب سے ملکر ختم ہو جاتا تھا، ان کے علاج سے خلق خدا کو بڑا نفع ہوتا تھا، حکیم صاحب کی

عادت تھی کہ جب نسخہ لکھتے تو جو دوائیاں نسخے میں لکھتے ان کو ایک خاص انداز سے گنگناتے رہتے تھے اور نسخہ لکھتے تھے، نہایت پابند صوم و صلوة تھے۔ اپنے مریضوں کے لئے تہجد میں دعا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے علاج میں بڑی تاثیر رکھی تھی، مریضوں کو خوب شفا ہوتی تھی، دوائیں خود حکیم صاحب کے مطب میں تیار ہوتی تھیں، اور پورے اجزاء ڈالے جاتے تھے، شکل و صورت ایسی تھی کہ دیکھنے سے اللہ یاد آجائے اب اس طرح کے حکماء کہاں ہیں؟ مخلوق خدا کی خدمت حسبہ اللہ کرتے تھے۔

یہ امداد غیبی تھی، حضرت تھانوی کا ایک واقعہ

فرمایا کہ:

حضرت تھانویؒ نے خانقاہ میں اوپر ایک کمرہ بنوایا تھا، اسی میں آپ تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے، ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ حضرت اسی کمرہ میں مثنوی مولانا روم کے ترجمہ کا کام فرما رہے تھے، اس درمیان کمرہ بند رہتا تھا، اب اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھلوا دیا، حضرت نے دیکھا کہ وہ کبوتر باز ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے حضرت نے فرمایا کہ میرا بھی ایک کام ہے پہلے تو میرا کام کر دے پھر میں بھی تیرا کام کر دوں گا اس نے وعدہ کر لیا، اس وقت صورت یہ تھی کہ مثنوی کے جس حصہ کو میں لکھ رہا تھا اس میں کبوتروں سے متعلق کچھ اصطلاحات تھیں جن کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس سے وہ اصطلاحات معلوم کیں اس نے تمام ضروری چیزیں بتا دیں میں نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی اور اس کا بھی کام کر دیا اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ”یہ امداد غیبی تھی“ جو بروقت اللہ کی طرف سے آئی اور اس شخص کو اللہ نے ایسے وقت میں بھیج دیا اور اس طرح میری مشکل آسان فرمادی۔

واقعہ سننے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اللہ والوں کی اسی طرح سے مدد ہوتی ہے اور اسی طرح سے ان کے کام بنتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور اپنی رحمت خاصہ سے ان کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کا بھنگی کے ساتھ برتاؤ

فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کو ضرورت ہوئی کہ خنزیر کب بالغ ہوتا ہے معلوم کریں آپ ایک دفعہ اپنی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے سامنے سے ایک بھنگی آیا اس سے آپ نے معلوم کیا اور اس نے بتا دیا اس کے بعد حضرت اس کا اس درجے اکرام کرتے تھے کہ جب بھی وہ سامنے آتا تو وہ اس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے یعنی اگر کسی نے ایک بات بھی بتادی تو وہ استاذ کے درجے میں ہو گیا۔ حضرت کا نظریہ یہ تھا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ پہلے اکابر میں اس قدر کسر نفسی تھی کہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ میرے نفس کے اندر یہ بات آئی ہے کہ میں آپ کو فلاں عالم سے بڑا سمجھنے لگوں گا تو ان عالم صاحب سے کوئی کتاب پڑھتے اور ان کو اپنا استاذ بنا لیتے تاکہ ہمیشہ ان کا احترام کریں گویا اس شیطانی خدشہ کا یہ علاج کرتے تھے کہ اس قدر کسر نفسی اور تواضع تھی ان حضرات کے مزاج میں، دراصل اسی چیز نے ان حضرات کو اونچا اٹھادیا تھا۔

حضرت نانوتویؒ کا روحانیت میں مقام

فرمایا کہ:

ایک صاحب جو عالم بھی تھے اور روحانی بزرگ بھی تھے، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور یہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں تھے بس ایک عالم سے ملاقات کے لئے آگئے، خیر! مجلس میں بیٹھے اور بات چیت ہوئی، اور حضرت کے علوم

سے متاثر ہوئے اور پھر فرمانے لگے کہ حضرت آپ کے پاس علوم ظاہری تو ماشاء اللہ بہت ہے اور علمی مقام آپ کا بہت اونچا ہے مگر آپ روحانیت کی طرف بھی توجہ فرمائیے! تاکہ باطنی علوم بھی آپ کو حاصل ہو جائیں حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں تو ایسا ہی محروم قسمت ہوں مجھے تو کچھ آتا جاتا نہیں ہے کچھ آپ ہی توجہ فرمائیں اور عنایت فرمادیں اب ان صاحب نے مراقبہ کیا اور حضرت کا مقام جاننا چاہا اور دیکھا کہ حضرت کی روحانیت تو اس سے بہت بڑھی ہوئی ہے، اور یہ صاحب وہاں تک پہنچ بھی نہ سکے ان صاحب کو ہوش آیا اور حضرت سے معافی مانگی کہ حضرت مجھے معاف فرمادیں مجھے معلوم نہیں تھا میں آپ سے واقف نہیں تھا اور معذرت کر کے چلے گئے، وجہ یہ تھی حضرت اپنے احوال باطنہ کا بہت زیادہ اخفاء کرتے تھے۔

بادل بھی مامور ہوتے ہیں

طلبہ کہہ رہے تھے کہ بڑی دعائیں ہو رہی ہیں اور بارش نہیں ہو رہی ہے، سخت گرمی ہو رہی ہے، ساری مخلوق پریشان ہے کھیتوں وغیرہ کو بھی پانی کی سخت ضرورت ہے، موسیٰ بھی پریشان ہیں، حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ بادل بھی تو مامور ہیں جہاں کا حکم ہوگا، وہیں برسے گا جس وقت کا حکم ہوگا اس وقت برسے گا، ابھی اللہ کا حکم نہیں ہے وہ جب اور جس وقت بہتر سمجھیں گے حکم دیں گے اور بارش ہوگی۔

پھر فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے کھیت میں آواز سنی بادل کو حکم ہوتا ہے کہ اے بادل! تو فلاں کے کھیت میں جا کر برس! اب یہ شخص جو آواز کوسن رہا تھا وہ بادل کے ساتھ ساتھ چل دیا اب وہ بادل ایک جگہ ایک کھیت میں جا کر خوب برسا اور پوری زمین سیراب ہو گئی اب یہ شخص کھیت کے مالک کے پاس گیا اور معلوم کیا کہ بھائی تمہارا کیا خاص عمل ہے جس کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اتنا تو اس کی پیداوار میں سے اپنے بچوں اور گھر کے خرچ کے لئے رکھتا ہوں اور اتنا صدقہ کرتا ہوں اللہ کے لئے دیتا ہوں اور اتنا میں اگلی فصل کی کاشت کے لئے رکھتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کے لئے اور جس وقت کے لئے اللہ کا حکم ہوتا ہے بادل اسی جگہ اور اسی وقت بارش برسائے گا تو بھائی ابھی یہاں کے لئے حکم نہیں ہوا ہے، جہاں کا حکم ہوا ہے وہاں برس چکا ہے اور برس رہا ہے کہیں اتنا برس رہا ہے کہ سیلاب آرہے ہیں اور کہیں بالکل خشکی ہے یہ سب اللہ کی مصلحتیں ہیں اور اپنی مصلحتوں کو بس وہی جانتا ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے ہمیں تو ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، وہ بارش برسائے جب بھی اور محروم رکھے جب بھی، یہی اس کی بندگی کا تقاضا ہے۔

بنی اسرائیل کی سفاکیاں اور ان کا ظلم عظیم

فرمایا کہ:

آج کل اخبارات میں فلسطینیوں پر یہودیوں کے مظالم کا خوب خوب چرچا ہو رہا ہے۔ یہودی قوم نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے ان کے خلاف ہر تشدد کو روا کر دیا ہے، ان پر ہر طرف سے حملے کئے جا رہے ہیں اور ان کے ننھے منے معصوم بچوں کو گولیوں سے بھونا جا رہا ہے۔ عورتیں اور بوڑھے بھی ان کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں ان کے نوجوانوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور گرفتاریاں بھی ہو رہی ہیں۔ حملے کر کے ان کے نقل و حرکت کے راستوں کو بر باد کر دیا گیا ہے، راستے کے پل اور سڑکوں کو تباہ کر دیا ہے، بجلی کے ٹرانسفارمر اور پانی کی سپلائی کے تمام نظام کو درہم برہم کر دیا گیا ہے اور ان کی بستیاں لائٹ بند ہونے کی وجہ سے اندھیروں کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں، پانی کی سپلائی نہ ہونے کی وجہ سے تمام علاقے شدید اضطراب اور پریشانی میں ہیں بہت سے لوگ اپنے گھروں سے غائب اور لاپتہ ہیں نہ جانے وہ لوگ یہودی حملوں کے شکار ہو گئے یا اسرائیلی فوجوں نے ان کو گرفتار کر لیا ہے، ان کا پتہ نہیں ہے، خدا جانے وہ کہاں ہوں گے؟ ہزاروں فلسطینی مسلمان اسرائیل کی جیلوں میں بند ہیں جن میں جوانوں کے ساتھ ساتھ بوڑھے، بچے نیز عورتیں بھی ہیں اور وہ سخت پریشانی کے عالم میں موت و حیات کی جنگ لڑ رہے ہیں یہی سب باتیں آج حضرت کی مجلس میں ہو رہی تھیں اور اخبارات میں چھپنے والی اس سلسلے کی خبروں کا ذکر تھا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ واقعہ یہودی بڑے سفاک اور ظالم ہوتے ہیں انہوں نے ہمیشہ دوسروں پر مظالم کئے ہیں اور خود کو مظلوم ہی کہتے

رہے ہیں یہاں تک کہ ان کے ظلم سے انبیائے کرام کی معصوم جماعت بھی محفوظ نہیں رہی، بہت سے انبیائے کرام کو انہوں نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا یہاں تک بہتوں کا سر قلم کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انہوں نے سازشیں کیں یہاں تک کہ آپ کے قتل کے منصوبے تیار کئے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے ایک مشہور قبیلے بنو نظیر کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی دعوت کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ساتھ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی ہیں، یہودیوں نے مشورہ کر کے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا کہ آپ یہاں تشریف رکھیں ہم ابھی آتے ہیں اور ایک شخص کو تیار کیا کہ ایک بڑا سا پتھر اوپر سے آپ پر گرا دے تاکہ آپ کا کام (نعوذ باللہ) ہو جائے، آپ بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر آپ سے علیحدہ تھے جیسے ہی آپ وہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا کہ آپ فوراً یہاں سے اٹھ جائیں، اللہ کے حکم سے آپ اٹھ گئے اور حضرات شیخین کو آپ نے اس واقعہ سے مطلع کیا اور اس کے بعد بحکم الہی آپ نے حکم دیا کہ سارے بنو نظیر یہاں سے چلے جائیں اور ہر ایک اپنے اونٹ پر جتنا سامان لے جاسکتا ہے لے جائے، بقیہ چھوڑ کر چلے جائیں اس طرح یہاں سے بنو نظیر کے تمام یہودی نکال دئے گئے بہر حال یہودی ہمیشہ سے سفاک اور ظالم اور انسانیت کے دشمن رہے ہیں خصوصاً اسلام اور مسلمانوں سے ان کا معاملہ ہمیشہ معاندانہ رہا ہے یہ لوگ غاصب ہیں۔ انہوں نے فلسطین کی مقدس سر زمین کو جو مسلمانوں کی زمین تھی ناجائز قبضہ کیا اور آگے بڑھتے بڑھتے مستقل اپنی حکومت قائم کر لی اور مسلمانوں کے لئے ایسی ایسی مشکلات کھڑی کر دی ہیں کہ ان کا مستقبل قریب میں کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی توہین کرتے ہیں، ان میں آگ لگا دیتے ہیں اور ان کو برباد کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کی تذلیل کرتے ہیں، ان کے مظالم سے تاریخ بھری پڑی ہے اور امریکہ پوری طرح اس کی سرپرستی کر رہا ہے اس کو ہر قسم کی امداد دے کر اس کو مسلمانوں کے خلاف ہر طرح سے مضبوط کر رہا ہے اور ساری دنیا تماشائی بنی ہوئی ہے ساری دنیا پر ہتھیاروں کے لئے پابندی ہے مگر اس کے یہاں ہر قسم کے مہلک اور خطرناک ہتھیار موجود ہیں اور اسلحہ ساز فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جن پر کوئی پابندی نہیں اس کے پاس اتنی بڑی مقدار میں ہتھیار ہیں کہ جب چاہے کسی مسلم ملک پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر سکتا ہے اس سے پورے خطے میں خطرات محسوس کئے جا رہے ہیں اور ساری مسلم حکومتیں خاموش ہیں، کوئی کچھ نہیں کر سکتا، بس اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید اور علمائے رام پور کے درمیان مناظرہ

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اسماعیل شہید کا ایک مرتبہ پروگرام ہوا کہ رام پور تشریف لے جائیں، تاریخ طے ہو گئی اور حضرت مولانا چل دئے ادھر جب علمائے رامپور کو پتہ چلا تو وہ لوگ مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے اور حالات کو انہوں نے اس سلسلے میں خوب گرمادیا، ہر طرف شور مولانا اسماعیل آرہے ہیں اور یہاں مناظرہ ہوگا۔

مولانا جب رام پور کے قریب چند منزل کے فاصلے پر تھے تو ایک صاحب رام پور سے تشریف لائے اور مولانا سے راستے میں ملاقات کی اور رام پور کے حالات سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ حالات خراب ہیں وہ لوگ (علمائے رامپور جو بدعتی تھے) مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اس لئے آپ رام پور تشریف نہ لے جائیں حالات بگڑ سکتے ہیں میں یہی عرض کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ تشریف لائے مگر ہم رام پور چلیں گے اور وہ لوگ جو سوال کریں گے اگر جواب معلوم ہوگا تو جواب دیں گے ورنہ ہم کہہ دیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔

اگر منقولات سے معلوم کریں گے جب بھی جواب دیں گے اور معقولی کوئی سوال کریں گے تو اللہ نے ہمیں بھی عقل دی تو ہم بھی معقولات کی بحث چھیڑ دیں گے بہر حال حضرت مولانا رام پور تشریف لے گئے اور اہل رام پور کی جانب سے ایک عالم صاحب مقرر ہوئے جنہوں نے حضرت مولانا سے سوالات کئے، حضرت نے ان کے جوابات دئے۔ سوالات منقولی بھی تھے اور معقولی بھی تھے، حضرت سب کے جوابات دیتے رہے اور یہ سوالات اور جوابات کا

سلسلہ تین دن تک چلتا رہا۔ حضرت نے ان کے ہر ہر اشکال کا جواب دیا جب ان کے سوالات ختم ہو گئے تو حضرت نے پھر معلوم کیا کہ آپ کے سوالات ختم ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ہاں ختم ہو گئے، حضرت نے کہا اگر کچھ اور معلوم کرنا ہو تو وہ بھی معلوم کر لو! جواب دیں گے انہوں نے کہا کہ اب ہمارا کوئی سوال باقی نہیں ہے سارے سوالات ختم ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت نے سوال کیا کہ بھائی ہمارے بھی چار اشکال ہیں، دو معقولی اور دو منقولی آپ ان کے جوابات دیں! رامپوری مولانا نے کہا کہ ٹھیک ہے!

آپ اپنے سوالات کریں! حضرت نے اپنے چاروں سوالات بیان فرمادئے، اس پر مولانا نے کہا کہ ان کے جوابات ہم کل کو دیں گے حضرت نے کہا کہ بہت اچھا کوئی بات نہیں کل کو دیدیں!، خیر! کل ہو گئی مگر جن کو جواب دینا تھا وہ تشریف نہیں لائے تو لوگ ان کے پاس گئے اور دیکھا کہ کمرہ بند ہے اور اندر سے بند کیا ہوا ہے، دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں تو دروازہ نہیں کھلتا بہت کوشش کے بعد دروازہ نہیں کھلا تو کمرے کا دروازہ توڑا گیا اب جو دیکھا تو مولانا زندہ نہیں ہیں وہ مر چکے ہیں اور ایک پتھر ان کے سر ہانے رکھا ہوا ہے اس پتھر سے انہوں نے اپنا سر پھوڑ لیا اس طرح خودکشی کر لی ہے اس طرح مولانا بے چارے اپنے انجام کو پہنچے۔

بزرگوں کا احترام تو بزرگ ہی کرتے ہیں، استاذ کے ادب و احترام کی نادر مثال فرمایا کہ:

بھائی بزرگوں کا احترام کرنا سب کے بس کی بات نہیں بلکہ بزرگ کا احترام بھی بزرگ ہی کرتے ہیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اس پر حضرت نے ایک واقعہ سنایا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے تھے کہ میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پندرہ سال تک گیا اور کبھی بغیر وضو کے نہیں گیا، ہمیشہ وضو کر کے جاتا تھا فرمایا کہ: یہ ہے ان حضرات کے احترام کا حال، اب ہم لوگ کہاں ایسا احترام کر سکتے ہیں؟

حضرت نانوتویؒ سراپا علم تھے

فرمایا کہ:

حضرت نانوتویؒ سراپا علم تھے ان کا گوشت، ہڈی چمڑا، خون اور تمام چیزیں صرف علم ہی تھیں، علم سے بھرے ہوئے تھے اور کوئی خاص قسم کا علم نہیں بلکہ تمام ہی علوم میں وہ باکمال تھے، حدیث ہو، فقہ ہو، علم کلام ہو، تصوف ہو، علم تفسیر ہو، اور مناظرہ تو ان کا خاص میدان تھا۔ جس فن میں چاہو مناظرہ کر لو! حضرت ہمیشہ غالب رہتے تھے اور ایسے ایسے علوم بیان فرماتے جو کہیں نہیں ملتے، بس حضرت ہی کے یہاں ملتے تھے، حضرت کی اگرچہ عمر زیادہ نہیں ہوئی صرف ۴۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا تاہم بڑے بڑے کام انہوں نے اسی چھوٹی سی عمر میں فرمادئے اور خوب ان کی شہرت ہوئی۔

ہر قسم کی پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے

فرمایا کہ:

آج کل لوگ پریشان ہیں کوئی کاروبار سے پریشان ہے، کوئی روٹی روزی سے پریشان ہے، کوئی بیماری سے پریشان ہے، کوئی اولاد سے پریشان ہے، کوئی ملکی حالات سے پریشان ہے، کوئی دیگر احوال سے پریشان ہے۔

فرمایا کہ: ہر پریشانی کا علاج تعلق مع اللہ ہے، اللہ سے تعلق پیدا کر لو اور زبان سے بھی اللہ کا ذکر چلتے پھرتے کرتے رہو، جب کوئی چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے دل پر بھی پڑتا ہے اور اس احوال میں تبدیلی بھی آتی ہے، اکابر، بزرگوں کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہئے اس سے بھی ذکر

اللہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، آخرت یاد آتی ہے، اس طرح ہمیں تعلق مع اللہ ہو جائے گا جو ہر پریشانی کا علاج ہے۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب علیہ الرحمہ اجمیر میں

فرمایا کہ:

حضرت اسحاق صاحب دہلوی جب اجمیر تشریف لے گئے تو وہاں کے مجاوروں نے حسب عادت آپ کو گھیرا اور آپ کے پیچھے لگ گئے، ان لوگوں کو مانگنے کی عادت ہوتی ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ پہلے ہم لوگوں کو زیارت کرنے دو! پھر ہماری قیام گاہ پر آنا، وہاں جو کہنا ہو وہ کہنا، اب ہمیں پریشان نہ کرو! چنانچہ وہ لوگ ہٹ گئے اور حضرت زیارت وغیرہ سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر پہونچے تو پھر یہ لوگ حاضر ہوئے تو حضرت نے ان کو لب بھر بھر کر روپیہ دئے اور خوب سب کو مالا مال کر دیا اس پر مجاوروں نے کہا کہ کون کہتا ہے کہ یہ وہابی ہیں؟ یہ تو بڑے اچھے آدمی ہیں، بزرگ ہیں، ایسے ہیں ویسے ہیں، اس طرح تو کسی نے بھی روپیہ نہیں لٹائے، ایک نواب صاحب کی بیگم صاحبہ آئی تھیں اور انہوں نے بھی اس طرح نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے بھی گن گن کر روپیہ دئے تھے انہوں نے تو ہاتھ بھر کر لٹائے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو عزت دے تو اسکی حفاظت کرنا چاہئے

فرمایا کہ:

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ عزت اور توقیر عطا فرمائیں تو اس کی قدر اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اس کی ناقدری نہیں کرنا چاہئے! اس پر حضرت نے امام الحدیث حضرت امام بخاریؒ کا ایک قصہ سنایا، حضرت کے پاس ایک صاحب آئے اور حضرت کے خادم بن گئے، رہتے رہے ایک مرتبہ حضرت کو سفر درپیش ہوا اور دریا کا سفر تھا، کشتی چل رہی تھی، حضرت کے پاس دس ہزار اشرفیوں کی رقم تھی، خادم صاحب کو معلوم تھا، اب خادم صاحب تو لگے ہی ساتھ اسی مقصد کے لئے تھے۔ چنانچہ خادم نے شور مچایا کہ میں لٹ گیا میری تو چوری ہو گئی اور میرے دس ہزار دینار چوری ہو گئے، لوگوں نے سوچا دریا میں سفر ہو رہا ہے کوئی باہر بھی نہیں جاسکتا اس لئے تلاشی لینا چاہئے تاکہ چوری کا پتہ چل جائے۔ جب یہ بات ہوئی تو امام بخاریؒ نے وہ دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی خاموشی سے دریا میں ڈال دی۔ اب تلاشی ہوئی، کشتی میں کسی کے پاس اس طرح کی رقم نہیں ملی، تو لوگوں نے کہا کہ دریا میں سفر ہو رہا ہے اور کشتی سے اتر کر کوئی گیا بھی نہیں ہے اور کسی کے پاس کوئی رقم بھی نہیں ملی، اس لئے تو ہی جھوٹ بولتا ہے اور ناحق دوسروں پر الزام لگاتا ہے۔

چنانچہ لوگوں نے اس کی جو توں سے پٹائی کی اور خوب بے عزتی ہوئی، یہ صاحب امام صاحب کو بے عزت کرنا چاہتے تھے اور ان کی رقم ہڑپنا چاہتے تھے، اس لئے خود ہی بے آبرو ہوئے اور جب کشتی سے نیچے اترے تو امام صاحب سے کہتے ہیں کہ حضرت آپ کے پاس جو رقم تھی وہ کیا ہوئی؟ تو حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس کو دریا میں ڈال دیا۔ اس کو تعجب ہوا، اس نے کہا کہ اتنی بڑی رقم دریا میں ڈال دی فرمایا کہ: ہاں اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عزت دی ہے اس کے مقابلے میں دس ہزار اشرفیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم نے مجھے بے عزت کرنا چاہا میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی اس لئے میں نے وہ رقم دریا میں ڈال دی، تو حضرت امام بخاریؒ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دی ہوئی عزت کے سامنے اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مال تو آنی جانی چیز ہے اور اللہ کی دی ہوئی عزت ایک دائمی اور مستقل نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

پہلے طلبہ صرف درسیات پر توجہ دیتے تھے

فرمایا کہ:

پہلے زمانے میں طلبہ اخبار و رسائل و قصہ کہانیوں کی کتابیں نہیں پڑھتے تھے بلکہ پوری دماغی قوت کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتے تھے اور طلبہ

اس پر ایک قصہ سنایا کہ:

ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت الاستاذ مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے اور حضرت اخبار وغیرہ پڑھتے نہیں تھے۔ کسی نے کہا کہ اخبار آج کانہیں ہے بلکہ پرانا ہے۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ بھائی میرے لئے تو نیا ہی ہے، واقعہً حضرت کے لئے نیا ہی تھا چونکہ حضرت اخبار پڑھتے ہی نہیں تھے، بہر حال پہلے اساتذہ اخبار بنی کو غیر ضروری بلکہ بے کار چیز سمجھتے تھے اور آج کل تو یہ حال ہے کہ طلبہ سب سے پہلے اخبار پڑھتے ہیں، رسالہ پڑھتے ہیں، فحش ناولیں پڑھتے ہیں، بہت سے طلبہ تکیہ کے نیچے بھی ناولیں رکھتے ہیں، پڑھتے پڑھتے سو جاتے ہیں اب کہاں سے علم میں برکت آئے گی؟ برکت تو آتی ہے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ پڑھنے سے، پوری ذہنی قوت کتابوں میں صرف کرنے سے، دن رات پڑھیں، اسباق کا ناغہ نہ ہو، مطالعہ نہ چھوٹے، تکرار (مذاکرہ) برابر ہوتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی مانگیں کہ اللہ ہم نے تو وہ کام کر دیا جو ہمارے کرنے کا تھا۔ اب علم کا فیضان تو آپ کی طرف سے ہوگا، آپ ہمیں علم نافع عطا فرمائیں علم کا نور بھی آپ کی جانب سے عطا ہوگا، نور علم بھی عطا فرمائے! تب جا کر بھائی ملتا ہے اور نورانیت حاصل ہوتی ہے۔

آمین کی دو قسمیں ہیں، جبکہ آمین کی تیسری قسم آمین بالشر کا کہیں ثبوت نہیں فرمایا کہ:

ایک مرتبہ کہیں جھگڑا ہو گیا کچھ لوگ آمین آہستہ کہتے تھے اور کچھ لوگ زور سے، انگریز افسر کے یہاں جھگڑا پہنچا اس نے علماء کو بلایا اور اس مسئلے کی تفصیل جانی چاہی، علماء نے کہا کہ جو لوگ آمین بالجہر یعنی بلند آواز سے کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہیں اور جو لوگ آمین بالسر کہتے ہیں یعنی آہستہ آمین کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہے چنانچہ اس وضاحت کے بعد انگریز افسر نے کہا کہ آمین بالجہر اور آمین بالسر تو دونوں صحیح ہیں اور تیسری قسم نہ ”آمین بالجہر“ ہے نہ ”آمین بالسر“ ہے بلکہ یہ ہے ”آمین بالشر“ اور اس پر پابندی لگنا چاہئے اس پر حضرت نے ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے جب امام صاحب نے پڑھا ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ تو ان صاحب نے برابر والے نمازی کے کان میں منہ لگا کر پوری قوت سے زور لگا کر کہا ”آمین“ انہوں نے ان آمین بالجہر کہنے والے صاحب کے ایک زوردار تھپڑ پوری قوت سے ان کے کان پر مارا بس ہو گئی آمین بالجہر، تو یہ ہے تیسری قسم ”آمین بالشر“ اس کا شریعت میں کہیں ذکر نہیں ہے آج کل جو غیر مقلدین آمین بالجہر کرتے ہیں یہ واقعی آمین بالشر ہی ہے، آمین بالجہر نہیں اور حدیث شریف سے آمین بالجہر کا تو ثبوت ہے آمین بالشر کا نہیں اللہ تعالیٰ ان کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مصائب مسلمانوں کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہیں

فرمایا کہ:

بھائی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ ہماری بد اعمالیاں ہیں جیسے ہمارے اعمال ہیں اسی طرح اللہ کے یہاں سے فیصلے ہوتے ہیں ہمارے اعمال اگر اچھے اور نیک ہوں گے تو اللہ کے فیصلے بھی ہمارے حق میں اچھے ہوں گے ورنہ تو مصیبتیں ہی آئیں گی، قتل و غارت گری، فتنہ و فساد ہوگا اور فرمایا کہ یہ امریکہ کی مصیبت بھی ہماری ہی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے اگر مسلمانوں کے احوال اچھے ہو جائیں گناہوں سے توبہ واستغفار کریں، تو ان شاء اللہ امریکہ کی مصیبت سے بھی نجات مل جائے گی؛ بلکہ ہر مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ آج جبکہ ہر گھر میں اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں، کیسے پریشانیاں دور ہوں گی، بس اللہ ہی رحم و کرم کا معاملہ فرمائے (آمین)

حضرت تھانویؒ ہر فن مولیٰ تھے

فرمایا کہ:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت عجیب و غریب تھی۔ ہر فن اور علم ہر میں کمال حاصل تھا تمام علوم میں دسترس حاصل تھی، بڑی جامع شخصیت ہیں، میرا خیال ہے کہ کم از کم سو برس پہلے تک ایسی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی، حضرت کے انتقال پر دہلی میں جلسہ ہوا تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جلسہ میں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے انتقال پر آپ لوگوں کو (عوام کو) رونے اور آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے آپ لوگوں کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں، ہم آپ کی دینی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں ان کی وفات پر دراصل ہم کو رونا چاہئے کہ بوقت ضرورت ہم لوگ کہاں جائیں گے؟ ہم لوگ آڑے وقت میں ان سے رجوع کر سکتے تھے مگر وہ آج ہمارے درمیان سے اٹھ گئے اس لئے رونا تو ہم لوگوں یعنی علماء کو چاہئے کہ ان کو اپنی علمی ضروریات پوری کرنا مشکل ہے ہم لوگ کن سے رجوع کریں گے چونکہ اب ایسی شخصیات اٹھتی جا رہی ہیں، اس لئے یہ ہمارے لئے بڑا المیہ ہے بہر حال حضرت کی شخصیت ایسی ہی باکمال تھی، علم حدیث ہو، تفسیر ہو، فقہ ہو، تصوف ہو، تجوید و قرأت ہو وغیرہ وغیرہ۔ ہر علم میں آپ کو کامل عبور حاصل تھا اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے (آمین)

تین علوم درس و تدریس کے بغیر باقی نہیں رہتے

فرمایا کہ:

سلسلہ گفتگو کے درمیان ایک مرتبہ فرمایا کہ تین علم ”فن طب، فن ہیئت، اور فن قرأت“ ایسے ہیں کہ پڑھنے کے بعد اگر ان میں اشتغال نہ رہے تو یہ باقی نہیں رہتے بلکہ یہ ختم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے بھی حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرأت پڑھی، سببہ عشرہ پڑھی اور اجراء بھی کیا، اجراء کے دوران حاشیہ پر اصول و فروع بھی لکھے، مکمل اختلاف لکھے، اسی طرح حضرت قاری صاحب سبق کے درمیان عجیب و غریب نکتے بیان فرماتے تھے، وہ بھی سب تحریر کئے تھے، نوٹ کی شکل میں میرے پاس تھے مگر افسوس کہ اب سب ختم ہو گئے، وہ کا پی بھی کہیں گم ہو گئی اور درس و تدریس کا تعلق نہیں رہا اس لئے اب سب ختم ہو گیا اس لئے ان فنون کی مدرست اور مزاولت ضروری ہے ورنہ باقی نہیں رہتے اسی طرح فتویٰ نویسی کا فن ہے اگر فراغت کے بعد فتاویٰ لکھنے کا کام نہیں کیا تو یہ فن بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر کام میں لگ گئے اور مسائل آتے ہیں کتابیں دیکھی جا رہی ہیں، تحقیق ہو رہی ہے اور جواب دئے جا رہے ہیں تو اس فن کو ترقی ہوتی ہے۔

نقلی علماء اور طلبہ بھی نقلی

فرمایا کہ:

جس طرح آج کل تمام اشیاء میں ملاوٹ چل رہی ہے کوئی چیز اصلی نہیں ملتی، تیل ہو، گھی ہو، دودھ ہو۔ غرض کوئی بھی چیز اصلی نہیں ملتی بلکہ نقلی چل رہی ہے، اسی طرح اب علماء اور طلبہ بھی نقلی ہو گئے ہیں یہ بھی اصلی نہیں رہے پہلے زمانے کے علماء بالکل اصلی ہوتے تھے، اپنی ایک خاص وضع رکھتے تھے علم و عمل میں، دین و تقویٰ میں نہایت پختہ اور مضبوط ہوتے تھے، مزاجوں میں نہایت معتدل افراط و تفریط سے دور، ان کا مزاج شریعت کا مزاج ہوتا تھا اور خالص علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے اس طرح طلبہ بھی ان کی تربیت کی وجہ سے اصلی طلبہ ہوتے تھے، حقیقی معنی میں علم کے شیدائی ہوتے تھے اور عمل میں پختہ ہوتے تھے، فرمایا کہ بھائی! آج کل نہ علماء اصلی ہیں اور نہ طلبہ بلکہ سب نقلی اور ڈالڈا ہو گئے ہیں بس اب تو اللہ ہی مالک ہے۔

دسواں باب

تأثراتی مضامین

☆☆☆☆☆

حرف آغاز

حبیب الرحمن اعظمی

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

۱۸/۱۲/۱۳۳۱ھ ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء پنج شنبہ کو برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش کا علمی و دینی حلقہ ایک جلیل القدر، صاحب درس عالم دین کے فیوض و برکات سے محروم ہو گیا۔ یعنی ایشیاء کی مشہور و بے مثال اسلامی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم نائب مہتمم صدر المدرسین اور شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب دار فنا سے ملک بقاء کو سدھار گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اللھم اغفر لہ واکرم نزلہ والحقہ بالسلف الصالحین آمین)

حضرت مولانا قدس سرہ بزرگوں کی روایات کے محافظ اور دارالعلوم دیوبند کے مخصوص و مذاق کے امین تھے۔ قدرت کے دست فیاض نے انہیں حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے آراستہ و مزین کیا تھا۔ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ ”کأن الملك نزل من السماء“ گویا فرشتہ آسمان سے اتر آیا ہے۔ چوڑی چمکی روشن پیشانی، آہ سحر گاہی سے دمکتا ہوا چہرہ، سفید و نظیف لباس جس پر سلیقہ و قرینے کی گل کاری، مسند درس پر بیٹھتے تو لگتا کہ ایک مرتعہ نو ر جلوہ افروز ہے۔ پرکشش بلند آواز، لہجہ کی تمکنت اور بیان و ادا کی وضاحت سے درس کی تقریر ایسی لگتی جیسے عنذلیب تیز لے میں نغمہ سنج ہے۔ وہ میدان علم و فن کے شہسوار اور تدریسی تجربات کے بحر ذخار تھے۔ ان کا شمار درس نظامی کے ماہر ترین اساتذہ میں ہوتا تھا۔ منقولات و معقولات ہر دونوں میں انہیں یکساں دسترس حاصل تھی، بالخصوص علم ہیئت میں۔ تو اس وقت ان کا کوئی ہمسر و ہم پلہ نہیں تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی لگ بھگ ڈیڑھ صدی کی طویل تاریخ میں وہ اپنی اس خصوصیت میں منفرد و یگانہ تھے کہ انہوں نے اپنے تدریسی سفر کی ابتداء ”میزان و منشعب“ سے کی اور اختتام ”أصح الكتب بعد کتاب اللہ“ یعنی صحیح بخاری پر کیا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

خدائے رحیم و کریم نے حضرت مولانا کو اپنی رحمت کا مظہر بنایا تھا اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت کا پیکر مجسم تھے۔ جس کسی کو بھی آپ سے تعلق اور وابستگی نصیب ہوئی چاہے وہ مختصر مدت ہی کی ہو۔ وہ آپ کی اس مخلصانہ ادا کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ ہوسکا۔ ہر شخص سے ایسا مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے کہ سب یہی باور کرتے کہ حضرت کی شفقت و عنایت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ کسی عالم دین اور صاحب درس فاضل کو اس عالم رنگ و بو میں جو عزت و عظمت اور برتری اور بڑائی میسر ہو سکتی ہے وہ بفضل رب عظیم حضرت مولانا کو حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت اور تاریخ ساز دینی درس گاہ کے صدر مدرس

اور شیخ الحدیث تھے۔ ہزاروں عالم ان کے شاگرد اور نیاز مند ہیں۔ اس عظمت و وجاہت کے باوجود ان میں تواضع اور فروتنی اس قدر تھی کہ جن لوگوں کو ان کے قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہیں ملا ہے وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں۔ بس یوں سمجھئے! کہ ہم عصر علماء میں وہ اپنے اس وصف میں سب سے ممتاز تھے۔

خالق کائنات نے ان کے قلب و زبان کو سلیم بنایا تھا، ان کی عام مجلسیں ہی نہیں بلکہ خاص مجالس بھی شکوہ و شکایت اور غیبت سے پاک و صاف رہتی تھیں وہ نہ خود کسی کے بارے میں حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ دوسروں سے اس کا سننا پسند کرتے تھے۔ تحمل و برداشت ان کی عادت اور خوش اخلاقی ان کا شیوہ تھی۔ وہ ایک ایسے قابل ستائش مرد مومن تھے جس کی ذات سب کے لئے سایہ عاطفت و سکینت تھی۔ سخت سے سخت جذباتی حالات میں بھی وقار و تمکنت کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹے نہیں پاتا تھا۔ کہاں تک ان کے حسنات و برکات کو بیان کی جائے وہ تو ایک خزانہ خوبی تھے۔ جس کا احساس ان کے پچھڑنے کے بعد ہو رہا ہے۔ ع

خدا بخشے بہت ہی خوبیاں تھی جانے والے میں

سوانحی خاکہ:

حضرت مولانا نسبی طور پر افغان بازید خیل داؤد زئی سے تعلق رکھتے ہیں، شجرہ نسب ”یادگار سلف“ نامی کتاب میں یوں ہے:

”حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بازید خیل داؤد زئی“

غالباً شہباز خان ان کے پہلے مورث اعلیٰ ہیں جنہوں نے موضع ”بسی“ ضلع بلند شہر کو اپنا مسکن اور وطن بنایا۔

تاریخ ولادت:

اسی موضع ”بسی“ میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے والد گرامی جناب عبدالشکور خان سرکاری فوج میں ملازم تھے۔ ساتھ ہی زمیندار بھی تھے، جب حضرت شیخ الہند نے ترک مولات کی تحریک شروع کی تو اس وقت کے علماء کے فتویٰ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فوج کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور ذریعہ معاش کے لئے کاشت کاری کرنے لگے۔

تعلیم و تربیت:

تعلیم و تحصیل کے مراحل آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان متوفی ۱۹۶۶ء رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث اور نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی ”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر“ میں طے کئے، جہاں حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب مدرس اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے۔

منبع العلوم گلاؤٹھی ملک کے ان قدیم تاریخی مدارس میں سے ایک ہے جو حضرت حجت الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ اور ان کے رفقاء کی تحریک قیام مدارس کے تحت قائم کیا گیا تھا جس میں ایک زمانہ تک حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند وغیرہ اکابر دارالعلوم دیوبند کے ساختہ و پرداختہ علماء و فضلاء تدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے اسی مدرسہ میں حفظ قرآن اور اردو و فارسی کی تعلیم کے ساتھ اپنے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب سے مع دورہ حدیث درس نظامی کی تحصیل و تکمیل کی۔

۱۳۶۱ھ میں بعض اختلافات کی بنا پر جب حضرت مولانا بشیر احمد صاحب عثمانی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہ اساتذہ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تو ان کی جگہوں کو پر کرنے کے لئے مولانا بشیر احمد خان صاحب، مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک رحمہم اللہ کو دارالعلوم میں تدریس پر مقرر کیا گیا تو برادر کبیر مولانا بشیر احمد صاحب کے ساتھ حضرت مولانا بھی دیوبند آ گئے اور دارالعلوم

دیوبند میں داخلہ لیکر دوبارہ دورہ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، اور ۱۳۶۲ھ تک دارالعلوم میں زیر تعلیم رہ کر دورہ حدیث کے ساتھ ”ہدایہ آخرین، مسلم الثبوت، توضیح و تلویح، بیضاوی سورہ بقرہ، سراجی، دیوان متنبی، شرح چھمینی، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، حمد اللہ، میرزا ہدو وغیرہ“ معقولات وغیرہ کی اہم کتابوں کی تحصیل کی۔ ساتھ ہی فن طب کی ”نفیسی، حمیات قانونچہ، شرح اسباب کامل“ کا بھی درس لیا۔ اور فن قرأت و تجوید کی بھی مع اجرائے سبعہ کی تکمیل کی۔ آپ کے دارالعلوم کے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا مدنی، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امر و ہوئی، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب امر و ہوئی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا قاضی شمس الدین گجرانوالہ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھی، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم میں خدمت تدریس :

۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں فنون کی تکمیل کے بعد ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں درجہ ابتدائی عربی میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر عمل میں آیا اور ”میزان الصرف و منشعب، نحو میر وغیرہ“ نحو صرف کی بالکل ابتدائی کتابوں سے آپ نے تدریس کا آغاز کیا۔ سات سال تک ابتدائی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھالینے کے بعد ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ درجہ وسطی (ب) میں ترقی ہوئی نیز شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجہ وسطی (الف) میں ترقی دی گئی۔ بعد ازاں ۶ صفر ۱۳۱۹ھ میں آپ ترقی پ کر درجہ علیا میں پہنچ گئے۔ ساتھ ہی نیابت اہتمام کا منصب بھی تفویض ہوا، اور ۱۳۹۹ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم میں صحیح بخاری کا درس آپ سے متعلق ہوا۔ اس سے پہلے ”طحاوی، موطا، اور صحیح مسلم وغیرہ“ کتب حدیث کا درس دے چکے تھے۔ اس کے نو سال بعد قائم مقام صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور بارہ سال تک بحیثیت قائم مقام صدر مدرس کی خدمات انجام دینے کے بعد ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مستقل صدر مدرس مقرر کر دیا۔ اور ۱۴۲۹ھ تک ان دونوں منصبوں پر فائز رہے پھر ضعف پیری اور امراض کی کثرت کی بنا پر از خود مجلس شوریٰ میں تحریر دیکر مفوضہ ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئے۔

تدریس کی اس پینسٹھ سالہ مدت میں ہر فن کی کتابوں کا درس دیا اور کامیاب درس دیا۔ آپ کا قلب سلیم، علم راسخ اور مزاج شگفتہ تھا۔ اس لئے بغیر کسی خارجی سہاروں کے ترقی، نیک نامی، اور قبولیت کے اس بلند و بالا مقام پر پہنچنے جہاں ان کے معاصر علماء میں کوئی نہیں پہنچ پایا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر ایک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں؟

تذکیہ نفس :

حضرت مولانا اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے متاثر تھے۔ درس اور دیگر مجالس میں ان کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان کے ذکر پر گلوگیر ہو جاتے تھے۔ اور آنکھیں بھر آتیں، تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد انہیں سے بیعت بھی ہو گئے تھے اور ان کے بتائے ہوئے اور ادو وظائف پر پابندی سے عمل پیراں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سے قائم کر لیا تھا اور انہیں کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کر کے خلافت پائی۔ شب خیزی آپ کا دائمی معمول تھا۔ بالعموم تین بجے اٹھ جاتے تھے۔ جب تک ٹانگوں میں طاقت رہی تہجد میں ایک منزل قرأت قرآن کا معمول رہا۔ تہجد ادا کرنے کے بعد نماز فجر تک ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے۔ نماز باجماعت کی پابندی اور جمعہ کے دن اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ کر نوافل و تلاوت میں مشغول رہنا ایک ایسا عمل تھا جس میں شاذ و نادر ہی تخلف ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی و دینی عظمتوں کی طرح وہاں بھی ارفع و اعلیٰ درجات سے نوازے۔ اللھم افض علیہ شایب رحمتک و عفوک و ادخلہ الجنة و استقمنا من علومہ و برکاتہ۔ (آمین)

میرے استاد

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب مرحوم

مولانا عبدالعلی فاروقی

مہتمم دارالعلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ و ایڈیٹر ماہنامہ ”البدْر“ کاکوری لکھنؤ

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بھی ہمارے اس عالم فانی سے کوچ کر کے عالم باقی کی طرف رحلت فرما ہوئے ”کل من علیہا فان۔ ویبقی وجہ ربك ذو الجلال والاكرام“ خبر نہ تو غیر متوقع کبھی جاسکتی ہے اور نہ ناگہانی، عمر بھی سو کے قریب ہو چکی تھی، تدریسی ذمہ داریوں سے اختیاری و رضا کارانہ سبکدوشی حاصل کر کے ہمہ تن لقائے مولیٰ کے متمنی ہو کر وقت موعود کے لئے تیار و منتظر بھی تھے، اپنے نصیبہ کی بلندی سے دینی کام بھی اتنی وافر مقدار میں کر چکے تھے کہ گو نہ فراغ اور انعامات خداوندی کی امید واری ہونا بھی حق بجانب تھا۔ شاگردوں اور عقیدتمندوں اور کفش برداروں کی اتنی بڑی فوج، ظفر موج چھوڑ کر گئے کہ ان کی آہوں، سسکیوں اور دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاجِ ارحم الراحمین کیونکر نہ رکھیں گے بلکہ صدائے دل ہے کہ لاج رکھ کر ان شاء اللہ یہ فیصلہ بھی ہو چکا ہوگا کہ ”یا ایہا النفس المطمئنة۔ ارجعی الی ربك راضیة مرضیة۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ ان سب کے باوجود اپنے قلب مضطرب کی اس کیفیت کا بیان کیونکر ہو سکے۔

اٹھا شور محفل ناز سے ہوئی آبدیدہ مسرتیں

لیا نام کس نے ”نصیر“ کا کہ چراغ اشک جل گئے

مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ایک چراغ..... ٹمٹماتا ہی سہی، ایسا تو تھا جسے اپنا استاذ اور روحانی باپ کہہ کر اپنی خوردی پر ناز کر سکتا تھا؟ لیکن اب تو اس عظیم مرکز علمی کے تعلق سے بھی یہی کہنے پر مجبور ہوں کہ۔

منزلوں کے سہارے گئے

جو بڑے تھے ہمارے گئے

بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم ہے، اور اپنی آن بان کے ساتھ ہے، اکابر و اعظم اور ہم سروس و ہم عصروں کے ساتھ ساتھ خوردوں پر مشتمل علمی کہکشاں بھی ہے، قال اللہ اور قال الرسول کی دل نواز صدائیں بھی گونج رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر ”عصری معیار“ کو ملحوظ رکھ کر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ۔

یہ رنگ و بہار عالم ہے، کیوں فکر ہے تجھ کو اے ساقی

محفل تو تری سوئی نہ ہوئی، کچھ اٹھ بھی گئے کچھ آ بھی گئے

اس سوال کا جواب دینے کے لئے غالب کی تعبیر میں ”عمر رفتہ کو آواز دینا“ ہوگی اور وہ بھی اس جھجک کے ساتھ کہ۔

عہد پیری شباب کی باتیں

ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

دارالعلوم دیوبند سے رسمی طالب علم کا سلسلہ ختم ہوئے چالیس برس کا طویل عرصہ بیت گیا، اس سے بھی تین برس پیچھے پلٹ کر چشم تصور سے دیکھتا ہوں تو ایک اجلا اسراپانظروں کے سامنے آتا ہے، رنگ و روپ، وضع قطع، ڈھال، اور بول چال سے لے کر انداز تدریس و تفہیم اور انداز تکلم و تبسم تک ہر چیز میں کچھ ایسی جاذبیت کہ ایک بار کے بعد دوبارہ دیکھنے اور برتنے کو دل مچلے۔

یہ تھے دارالعلوم کے طبقہ متوسطہ کے استاذ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب جو نہ صرف دارالعلوم کے اس وقت کے ضابطہ و گریڈ کے اعتبار سے

متوسط طبقہ کے استاذ تھے بلکہ اس اعتبار سے بھی متوسط کہ وہاں کے معلمین میں ان کے اساتذہ و تلامذہ دونوں ہی شامل تھے اور وہ سب کی نگاہوں میں با وقعت، غیر نزاعی اور محترم تھے۔

اب اسے فضل خداوندی کہتے یا میرے نصیبہ کی یاوری قرار دیتے کہ کسی صلاحیت اور کسی کوشش کے بغیر ہی مجھے ایک سے ایک قابل اور کالمین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، پھر ان کالمین میں بھی اپنی کمزور استعداد و صلاحیت کو ملحوظ رکھ کر کہوں تو دو استاذ اس اعتبار سے ناقابلِ فراموش محسن رہے کہ ان کی کوئی بات، کوئی درسی تقریر اور کوئی کتابی وضاحت فہم سے بالاتر نہ رہی۔ اللہ بہتر جانے کہ الفاظ کے انتخاب اور طرزِ ادا کا وہ کون سا سلیقہ ان دونوں کو عطا ہوا تھا کہ جس فن کی جو کتاب پڑھاتے، لگتا تھا کہ بس یہ اسی کے ماہر ہیں۔

ان دونوں میں پہلا نام تو ہمارے لکھنؤ کے استاذ مولانا قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی کا ہے کہ جن سے متوسطات تک تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھیں اور ہر کتاب میں ان کا یہی رنگ نظر آیا، ممکن ہے کہ کم از کم عمری، بے پرواہی اور تعلیم سے بے رغبتی ہی کی وجہ سے کبھی اس کا موقع نہ آیا ہو کہ کم از کم دورانِ درس ان کی زبان سے سنی ہوئی کسی بات کے لئے یہ کہنے کی نوبت آئی ہو کہ یہ سمجھ نہیں سکا، اسے دوبارہ سمجھا دیجئے! پھر یہ تو دارالمبلغین میں درسِ نظامی کے قیام کے اس ابتدائی دور کی بات ہے جہاں کے اولین اور بڑی جماعت کے طلبہ ہم ہی لوگ تھے..... یہ الگ بات ہے کہ آگے چل کر ایشیاء کی سب سے عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے قابلِ صداقت و مایہ ناز اساتذہ تک بھی رسائی ہوئی، اور اب مسلسل چالیس برس تدریس انجام دیتے بھی گذر گئے، لیکن اپنے ابتدائی استاذ قاری صدیق صاحب کے ”درسیات پر حاوی“ ہونے اور تفہیم کی بے بہا استعداد کے حامل ہونے کا نقش روزِ اول سے آج تک کسی دھندلاہٹ کے بغیر قائم ہے۔

اسی سلسلہ کا دوسرا نام ہمارے ان ہی استاذ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کا ہے، جس سے دارالعلوم دیوبند کی تین سالہ رسمی طالب علمی کے دور میں تین ہی کتابوں کا درس لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلے سال فلسفہ کی معروف اور اب متروک کتاب ”مبیدی“ کا دوسرے سال مشکوٰۃ شریف جلد اول کا، اور تیسرے سال موطا امام مالک کا۔

حضرت مولانا کی اس وقت عام شہرت تو علمِ ہیئت کے ماہر و یکتا کی تھی جس میں وہ اپنے مربی و استاذ اور برادرِ اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب کے جانشین گردانے جاتے تھے اور اس فن کے منتہی طلبہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ درس دیتے اور عملی مشق کے لئے پیتل کے گلوب و دیگر آلات کا تعاون لیتے ہوئے بھی کبھی کبھی دور ہی سے دیکھا کرتا تھا؛ مگر کل سے آج تک اس فن کی ابجد سے بھی بے بہرہ ہونے کی وجہ سے یہ بتانے سے قاصر تھا اور قاصر ہوں کہ اپنے بہت سے بڑوں اور استاذوں کی موجودگی کے باوجود اس وقت بھی علمِ ہیئت کے ماہر و یکتا حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہی کیوں قرار دئے جاتے تھے؟ تاہم جن تین کتابوں کا حضرت مولانا سے درس لینے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی اور بقدرِ ظرف استفادہ کا موقع ملا۔ ان میں سے ایک کتاب فلسفہ قدیمہ جیسے خشک غیر مرغوب اور معقولی فن کی تھی جب کہ دوسری دونوں کتابیں حدیث شریف جیسے عالی مقصدی اور مرغوب و مطلوب فن کی تھیں..... اور ان دونوں فن کے درمیان جو رشتہ ہے اور ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اب اسے مولانا نصیر احمد خان صاحب کا کمال کہتے، خداداد صلاحیت کہتے یا خصوصی انعام ربانی قرار دیتے کہ وہ ”مبیدی“ پڑھانے بیٹھتے تو لگتا معقولی اور صرف معقولی ہیں اور پھر استاذ حدیث بن کر مسندِ درس پر بیٹھتے تو ان کا انداز ہی جدا ہوتا، پیاسی نگاہیں، ساکت جسم، رولتی زبان گویا زبان بے زبانی سے سراپا کہہ رہا ہوتا ہے کہ۔

دامنِ نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہم طلبہ سراپا گوش بن کر اسے انہماک سے سنتے، سمجھتے اور عیشِ عش کرتے ہوئے سبق پڑھ کر درسگاہ سے نکلتے تو آپس میں یہ جملہ بار بار دہرایا جاتا کہ ”ان کے یہاں بدلِ الغلط کا استعمال تو ہے ہی نہیں“..... یعنی۔

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب ہمارے شیخ بخاری فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب، شیخ ترمذی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور شیخ مسلم جامع العلوم حضرت مولانا شریف الحسن صاحب ہوا کرتے تھے..... اور حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کا شمار ان حضرات کے خردوں میں ہوا کرتا تھا۔

پھر ”کبر کم موت الکبراء“ کے مطابق وہ وقت بھی آیا کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب استاذ حدیث اور نیابت اہتمام کے مرحلوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بھی ہو گئے..... ان کے رسوخ فی العلم، تقویٰ، مہارت تدریس اور حسن نظامی کی بنیادوں پر انہیں مجلس شوریٰ نے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مقرر تو کر دیا لیکن انہیں یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب، امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب کے علمی وارث بن کر ان کے مسند نشین ہونے کے لئے واقعی موزوں اور باصلاحیت ہیں؟..... اور معاملہ صرف ”کبر کم موت الکبراء“ کا نہیں بلکہ بڑوں کے خلاء کو پر کر کے خود بڑا بن جانے کا ہے۔

واقعہ بہر حال یہی ہے کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے ربع صدی سے زائد عرصہ تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے بخاری شریف کا تسلی بخش اور فرحت افزا درس دیکر یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہیئت و فلسفہ اور ریاضی جیسے علوم کے ماہر ہو کر ان کی تدریس کے فرائض کو انجام دے لیتے تھے لیکن حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے ان کا حسن انجام ظاہر فرمانے کے لئے انہیں انجام کار شغل فی الحدیث کی نعمت بے بہا سے حصہ وافر عطا فرما کر اپنے مایہ ناز اسلاف کے علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا سامان فراہم کیا تھا ”وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء“

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہماری اس فانی دنیا سے گئے..... اور اپنے ساتھ بہت سی خصوصیات اور دارالعلوم دیوبند کی صالح روایات لے کر گئے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا کے دارالعلوم دیوبند سے ۶۵ سالہ رشتے کے دوران ہر قسم کے سرد و گرم حالات آئے، کئی طوفان آ کر گزر گئے، دارالعلوم کے در و بام سے لے کر اس کے اساتذہ و طلبہ و دیگر وابستگان تک سب ہی پر کسی نہ کسی انداز میں ان طوفانوں کی زد پڑی۔ عہدہ و منصب سے لے کر عزت و وقار اور شہرت و شناخت تک میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ کئی پسندیدہ شخصیتیں ناپسندیدہ قرار پائیں اور کئی ناپسند لوگ مواقع سے فیضیاب ہو کر معزز و مقبول بن گئے..... لیکن حضرت مولانا اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے تغیر و تبدل کے ہر عمل سے محفوظ و مامون رہے۔ ان کی شخصیت کے احترام کو ان کی اعتدال پسندی و میانہ روی نے کبھی دھندھلا نہ ہونے دیا اور ان کے ظاہر و باطن کی یکسانیت نے ان کے اعتبار و اعتماد کو کسی بھی دور میں مجروح نہ ہونے دیا۔

وہ محبوب و معتبر بن کر اس سرائے میں رہے اور اسی حال میں رخصت بھی ہوئے..... حق تعالیٰ اس سلسلہ خیر کو جاری و ساری رکھتے ہوئے عالم آخرت میں بھی انہیں محبوبوں میں شامل رکھ کر ان کے ساتھ اکرام کا معاملہ فرمائے (آمین)

اب ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ

دل میں یادِ غم بے کراں رہ گئی

جانے والا گیا داستاں رہ گئی

☆☆☆☆☆

حضرت الاستاذ کی یاد

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب

سابق شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم، دیوبند

محمد سلمان منصور پوری

۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ جمعرات کے روز فجر کی نماز سے پہلے ہی سے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں کہ دارالعلوم دیوبند کے پرشکوہ لاؤڈ اسپیکروں سے نمونہ سلف صالحین، جامع المعقول والمقول، بزرگوں کی مقدس روایتوں کے امین، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی المناک خبر نشر ہو رہی ہے۔ یہ خبر سن کر بے اختیار زبان سے ”اللہ وانا الیہ راجعون“ نکلا اور نظروں میں حضرت الاستاذ کا سراپا سا گیا۔ وقار و تمکنت کا چلتا پھرتا نمونہ، خوش خلقی، خوش کلامی کے ساتھ خوش لباسی کا پیکر جمیل، باایں ہمہ سادگی اور تواضع، علم و حلم اور خودداری کی صفات سے آراستہ و پیراستہ ایک ایسی دل آویز شخصیت جو ۹۶ سالہ زندگی کے کسی موڑ پر کبھی ناگواری کا موضوع نہیں بنی۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ اور ہزار ہنگاموں کے درمیان اعلیٰ انتظامی و تدریسی مناصب سے متعلق رہنے والے کسی شخص کا اخیر تک ”غیر متنازعہ“ بنے رہنا یقیناً ایسا امتیاز ہے جو خال خال کسی خوش نصیب کو میسر آتا ہے۔

حضرت الاستاذ کی ہر ہر ادا مثالی تھی، دارالحدیث میں منصب درس پر جب تشریف فرما ہوتے اور محدثانہ شان و شوکت سے جب درس شروع ہوتا تو زبان مبارک سے موتی جھڑتے ہوئے معلوم ہوتے، اور ”بلبل چپک رہا ہے ریاض رسول میں“ کا سماں محسوس ہوتا تھا، بخاری شریف جلد اول میں تراجم ابواب پر مرتب اور جامع بحثیں ہوتیں، مسائل و دلائل پر گفتگو کا موقع ہوتا تو تمام ائمہ کا احترام کرتے ہوئے ان کے دلائل اور اپنے اکابر کی طرف سے دئے گئے جوابات بہت مرتب انداز میں پیش فرماتے۔ اور اخیر سال میں رواں عبارت اور ضروری ترجمہ پر اکتفا فرماتے، تو اس وقت درس کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا تھا، کبھی درس کے دوران عشق رسولؐ ضبط کی تاب نہ رکھ پاتا تو آواز بھر جاتی اور آنکھیں بھر آتیں لیکن پھر فوراً ضبط فرما لیتے، اور سبق آگے بڑھ جاتا۔ ۳۲ سال آپ نے اسی شان کے ساتھ بخاری شریف کا درس دیا، جب کہ دارالعلوم میں تدریسی زندگی ۶۵ سال پر محیط رہی جو بجائے خود ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ سے سیرابی حاصل کی جو دنیا کے چپے چپے میں دینی خدمات میں مشغول رہ کر آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

حضرت الاستاذ کو اپنے شیخ اور استاذِ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے عشق تھا، دورانِ درس کثرت سے آپ کی آراء اور اقوال نقل فرماتے، اور مختلف مناسبت سے حضرت کے حالات سناتے رہتے تھے، اور جب بھی کبھی دعا کا موقع ہوتا تو نام لے کر حضرت شیخ الاسلام اور ان کے خاندان کے لئے ضرور دعا کراتے تھے۔

مدرسہ شاہی سے بھی آپ کو خاص تعلق تھا، جب تک یہاں ختم بخاری شریف کے لئے باہر کے اکابر کو بلانے کا معمول رہا اکثر حضرت الاستاذ ہی ختم کرانے کے لئے تشریف لاتے رہے، اور مدرسہ کے کتاب المعائنہ میں مدرسہ کے لئے گراں قدر رائے ثبت فرماتے رہے۔

احقر کو ۱۴۰۷ھ میں حضرت الاستاذ کے درس حدیث میں شرکت کی سعادت ملی اور بفضلہ تعالیٰ بخاری شریف جلد اول کے اکثر حصہ کی تلاوت حدیث اس ناکارہ کے حصہ میں آئی، جس کی بنا پر حضرت کی خاص توجہ اور شفقت اخیر تک حاصل رہی۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت الاستاذ کے مکان کے قریب لال مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کا اتفاق ہوا تو حضرت الاستاذ نے نہایت قدر فرمائی اور ختم والے دن نئے رومال سے دستار بندی فرمائی، ویسے بھی جب دولت کدہ پر حاضری ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ روئیں روئیں سے خوشی پھوٹ رہی ہے، اور احقر ہی کیا آپ کو اپنی سبھی روحانی

اولاد سے ایسا ہی مشفقانہ تعلق تھا۔

تقریباً ڈیڑھ سال قبل آپ نے مسلسل کمزوری اور عوارض کی بنا پر دارالعلوم کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی حاصل کر لی تھی، لیکن صاحبِ فراش ہونے کے باوجود معمولات کی پابندی قابلِ رشک تھی، ہوش و حواس اخیر تک بجا رہے، اور حسنِ خاتمہ کی دولت سے مشرف ہوئے۔

ہم لوگ جب ظہر سے قبل دیوبند پہنچے تو جنازہ احاطہٗ مولسری میں لایا جا چکا تھا، تلامذہ اپنے عزیز تراستاد کی آخری زیارت کے لئے پروانوں کی طرح اُڑ آئے تھے۔ بمشکل زیارت اور پیشانی مبارک کو بوسہ دینے کا موقع ملا تو چہرہ نورِ ایمانی سے چمک رہا تھا۔ اور ایک عجیب طمانینت چہرے سے عیاں تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی بلاشبہ آپ کی ذاتِ حدیثِ پاک خَيْرُكُمْ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ (تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں) کا مصداق تھے۔ نمازِ ظہر کے بعد ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام کے مجمع نے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اقتداء میں جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور عصر کی نماز سے قبل قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور اعلیٰ علین میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔



رفتید ولے نہ ازل ما

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب^{رحمۃ اللہ علیہ}

کی وفات پر ایک تاثر

ندیم الواجدی، دیوبند

۲۴ فروری ۲۰۱۰ء کی صبح دارالعلوم دیوبند کی مسجد سے اعلان ہوا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب انتقال فرما گئے، دل و دماغ کے خرمین پر یہ خبر صاعقہ بن کر گری، حالانکہ حضرت عمر کی اس منزل میں تھے جہاں پہنچ کر کسی بھی وقت اس سانحے سے سابقہ پیش آسکتا تھا مگر خبر سن کر کچھ دیر کو ایسا محسوس ہوا کہ شاید اعلان غلط ہوا ہے یا شاید ہمارے کانوں نے غلط سنا ہے، لیکن جب گھر سے باہر نکل کر تیز رفتاری کے ساتھ طلبہ کو ادھر ادھر آتے جاتے دیکھا اور ان سے پوچھا تو پتہ چلا کہ خبر صحیح ہے، واقعی اب حضرت اس دنیا میں نہیں رہے، سوائے یقین کے کوئی چارہ نہ رہا زبان سے بے ساختہ نکلا ”انسا للہ وانا الیہ راجعون“ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے خاصی طویل عمر پائی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء سال پیدائش ہے، اس لحاظ سے آپ نے چھیا نوے قمری سال اس جہان آب و گل میں گزارے، بہت کم لوگ اس عمر کو پہنچتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خصوصی کرم تھا کہ اس طویل عمری کے باوجود آخر تک آپ کے ہوش و حواس سلامت رہے اور جسمانی معذوری جیسی کوئی صورت بھی پیدا نہیں ہوئی، عموماً اتنے عمر رسیدہ لوگ بالکل معذور ہو کر ہاتھوں میں آجاتے ہیں، بہت سے لوگ ہوش و حواس تک کھو بیٹھتے ہیں، بلاشبہ آپ نے انتہائی قابل رشک زندگی گزاری اور نہایت قابل رشک موت پائی، انتقال سے کچھ دیر پہلے اپنے ایک صاحبزادے سے سورہ یسین شریف کی تلاوت سنی اور قبلہ رو ہو کر لیٹ گئے، اسی حالت میں رات دو بج کر دس منٹ پر روحِ قفسِ عنصری سے پر واز کر گئی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جاملی، انتقال کی خبر عام ہوتے ہی تمام راستوں کا رخ اسی محلے کی طرف ہو گیا جہاں حضرت کا قیام تھا، اساتذہ، طلبہ اور اہل شہر کا ہجوم در دولت پر امنڈ پڑا، لمبی لمبی قطاریں لگا کر زیارت کی گئی، نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لئے نہ صرف قرب و جوار کے علاقوں سے بلکہ دور دراز کے قصبوں اور شہروں سے بھی لوگوں کے دیوبند پہنچنے کا سلسلہ شروع ہو گیا جو تدفین کے وقت تک بلکہ بعد تک جاری رہا، کاندھادینے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ احاطہ مولسری سے قبرستان قاسمی تک پہنچنا مشکل ہو گیا، ہر شخص کاندھادینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا، ہزاروں لوگوں نے اس گنج گراں مایہ کو بہ چشمِ غم سپرد خاک کیا، ہندوستان کے طول و عرض میں حادثہ وفات کی خبر پلک جھپکتے پہنچ گئی، اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہزاروں مدارس میں قرآن کریم کی تلاوت اور دعائے مغفرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس سے بڑھ کر قابل رشک موت کیا ہوگی، یقیناً یہ اس شغف و اشتغال کی برکت تھی جو حضرت شیخ کو عمر بھر علومِ نبویہ علی صاحبہا الصلاة والسلام کے ساتھ رہا اگر کوئی شخص اتنی طویل مدت تک قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز بلند کرتا رہے تو دنیا و آخرت میں اس کی نیک بخشی پر کون بد بخت شبہ کر سکتا ہے

حضرت شیخ الحدیث کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں کہ آپ کی پیدائش مغربی یوپی کے مشہور شہر بلند شہر کے گاؤں بسئی کے ایک رئیس گھرانے میں ہوئی، والد ماجد انگریزی حکومت میں اعلیٰ سرکاری ملازم تھے، مگر علم دوست اور دین دار انسان تھے، علماء کی قدر کرتے تھے، مشہور محدث حضرت مولانا خلیل احمد انبٹھوی کے مرید تھے، اسی کا اثر تھا کہ گھر میں دین کا ماحول تھا، والدہ ماجدہ بھی نیک اور خداترس خاتون تھیں، بیعت و ارادت کے بعد جب یہ سنا کہ حضرت شیخ الہند ”ترکِ موالات“ کی تحریک چلا رہے ہیں تو بلا تردد سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور کاشت کاری میں مشغول ہو گئے، حضرت شیخ ابھی چار پانچ سال ہی کے تھے کہ والد محترم نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس طرح آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب نے آپ کی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی، آپ ان دنوں مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے، اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس رکھ کر انہیں پڑھایا لکھایا اور جوہر قابل بنا کر دارالعلوم کے سپرد کیا، شیخ نصیر احمد خان صاحب نے مدرسہ منبع العلوم ہی میں قرآن کریم حفظ کیا اور وہیں رہ کر اپنے برادرِ معظم کے پاس میزان سے

بخاری تک تمام متداول درسی کتب پڑھیں۔

۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو آپ کے بھائی بھی ساتھ ساتھ تھے، آپ اگرچہ گلاؤٹھی میں بخاری پڑھ چکے تھے لیکن علوم حدیث میں مزید دقت نظر پیدا کرنے کے لئے آپ نے دارالعلوم میں داخلہ لے لیا اور دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس سال شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نبی الہ آباد جیل میں نظر بند تھے، آپ کی عدم موجودگی میں ترمذی شریف اور بخاری شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب نے پڑھائی، ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں جب حضرت مدنی جیل سے رہا ہو کر تشریف لائے تو حضرت شیخ نے تیسری بار حصول برکت کی غرض سے پھر ان کتابوں کے اسباق میں حاضری کا شرف حاصل کیا، ابوداؤد اور مسلم شریف بھی پڑھیں، اسی کے ساتھ مختلف علوم و فنون کی متعدد کتابوں کے درس میں بھی شرکت کی، اگلے دو سال بھی آپ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم ہی میں گزارے، اس دوران تجوید و قرأت کی بہت سی کتابیں پڑھیں طب اور معقولات کے درس میں بھی شرکت کی، ان دو سالوں میں آپ ”ہدایہ آخرین، سراجی، بیضاوی، دیوان متنبی، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت، ملا جلال، قاضی مبارک، صدر، میرزا ہد، حمد اللہ“ وغیرہ کتابوں کے اسباق میں شریک رہے، جس قدر بھی پڑھا خوب محنت سے پڑھا، مختلف فنون میں کمال حاصل کیا اور اعلیٰ نمبرات کے ساتھ شاندار کامیابی کے مستحق قرار پائے، دارالعلوم دیوبند میں آپ نے جن اساتذہ فن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی امر و ہوی، حضرت مولانا عبدالحق ملتانی، حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، حضرت حافظ مولانا عبد الرحمن امر و ہوی، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پر تاب گڑھی اور حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی وغیرہ

فراغت کے بعد ملتان کے ایک بڑے مدرسے میں صدر القراء کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا لیکن بھابھی صاحبہ اتنی دور بھجنے پر راضی نہیں ہوئی، اس لیے ملتان نہ جاسکے، خدا کو یہ منظور تھا کہ یہیں رہ کر دارالعلوم کی خدمت کریں ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، دو سال عارضی طور پر خدمات انجام دیں، دو سال کے بعد استقلال ہو گیا، حضرت شیخ نے دارالعلوم میں میزان سے بخاری تک تقریباً تمام کتابوں کا درس دیا، فن ہیئت سے خاص دل چسپی تھی، اور اس میں انتہائی مہارت رکھتے تھے اس فن میں ایک رسالہ بھی لکھا اور ایک کتاب پر حواشی بھی تحریر فرمائے، بعض کتابوں کا درس خصوصیت کے ساتھ شہرت کا حامل رہا ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں حدیث شریف کی کتابوں کا درس بھی متعلق ہوا۔

ابتداء میں موطا مالک پڑھائی، پھر طحاوی شریف پڑھانے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلم شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کی، ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا شریف حسن دیوبندی کے انتقال کے بعد بخاری شریف آپ کے سپرد کر دی گئی، اس طرح آپ مدرس بننے کے ٹھیک تیس سال کے بعد شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز ہوئے، اور ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۹ء تک پورے بتیس سال تک بخاری شریف پڑھاتے رہے، مختلف جسمانی عوارض اور ضعف و نقاہت کی بنا پر دینا حضرت شیخ نے یہ مناسب سمجھا کہ بخاری شریف کی تدریس کی وقیع اور بھاری بھر کم ذمہ داری سے معذرت کر لی جائے اور وہ منصب صدارت بھی چھوڑ دیا جائے جو حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں آپ کے سپرد کیا گیا تھا دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے آپ کی طویل تدریسی اور انتظامی خدمات کے اعتراف و احترام میں آپ کا مشاہرہ برقرار رکھا اور مفوضہ ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا، دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریسی صورت پینیسٹھ سال ہے غالباً یہ ایک ریکارڈ ہے اتنی طویل مدت تک کسی بھی استاذ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام نہیں دیں، بتیس برس تک بخاری شریف کا درس بھی ایک ریکارڈ ہی ہے، اس دوران کم و بیش پچیس ہزار طلبہ نے آپ سے بخاری شریف پڑھی اور سند حدیث حاصل کی، اس وقت دارالعلوم دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے اساتذہ آپ ہی کے شاگرد ہیں ہندوستان بھر میں اس وقت دارالعلوم دیوبند کے جوفضلاء کرام علوم اسلامیہ کی آب یاری میں مشغول ہیں ان میں بڑی تعداد حضرت شیخ کے تلامذہ کی ہے۔

حضرت شیخ کا درس طلبہ میں ہمیشہ مقبول رہا ہے، نہایت شائستہ و شستہ لب و لہجہ تھا، مرتب اور جامع کلام فرماتے، آواز نہایت بلند تھی، لیکن کرخت نہیں تھی، اسباق کی پابندی میں ضرب المثل تھے، وقت پر درس گاہ تشریف لے آتے اور جب تک سبق جاری رہتا پورے ادب و احترام کے ساتھ اپنی نشست پر تشریف فرما رہتے، بخاری شریف کا سبق بعض اوقات کئی کئی گھنٹے جاری رہتا، اس دوران نہ پہلو بدلتے، نہ نشست کی ہیئت تبدیل کرتے، نہ ٹیک لگاتے، جس طرح آکر بیٹھے شروع سے آخر تک اسی طرح بیٹھے رہتے، اللہ تعالیٰ نے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی عطا کیا تھا، آپ کا ظاہر جتنا اجلا تھا اتنا ہی اجلا آپ کا باطن بھی تھا، نہایت متواضع، منکسر المزاج خوش اخلاق، خوش اطوار، حلیم، بردبار، شاید ہی زندگی بھر اپنی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو، حالانکہ آپ کئی سال تک دارالاقامہ کے ناظم بھی رہے، پھر نائب مہتمم بھی بنائے گئے، صدر المدرسین کے عہدہ جلیلہ پر بھی فائز رہے، یہ تینوں عہدے انتظامی ہیں اور ان کا تعلق براہ راست طلبہ و اساتذہ کے انتظام و انصرام سے ہے، ایک منتظم کو بسا اوقات سخت فیصلے لینے پڑتے ہیں جو متعلقہ افراد کے لئے ناگواری کا سبب بھی بن جاتے ہیں، لیکن ہمارے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ آپ نے ان عہدوں پر رہتے ہوئے کسی کو ادنیٰ درجے کی بھی تکلیف پہنچائی ہو۔

فطری طور پر آپ خدا ترس انسان تھے، معمولات کے انتہائی پابند تھے، قرآن کریم کی تلاوت، نوافل اور اوراد و وظائف سے خاص شغف تھا، ہر جمعہ کو نماز جمعہ سے بہت پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، اور نہایت اہتمام کے ساتھ صلوٰۃ التسلیم ادا فرماتے، جب تک مسجد میں حاضری کی ہمت رہی یہی معمول رہا، ابتدا میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کیا، ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنی کی وفات کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے رجوع ہوئے اور خلافت سے سرفراز کئے گئے، حضرت شیخ کے یہاں انخفاء بہت تھا، نہ کسی پر آپ نے کبھی یہ ظاہر کیا کہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے مجاز بیعت ہوں اور نہ کبھی کسی کو بیعت کیا کہ یہ راز ظاہر ہو جاتا، وہ تو اتفاقاً کسی شاگرد کے استفسار پر یہ راز منکشف ہو گیا، لیکن جب راز کھل گیا تو مخاطب کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کیا جائے، بہت سی خصوصیات کے لحاظ سے حضرت شیخ قدیم طرز کے بزرگان دین کے عکس جمیل تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے گھرانے سے خاص تعلق تھا، بخاری شریف کے ختم پر دعا کراتے تو اس گھرانے کے لئے اور خاص طور پر حضرت کی اہلیہ محترمہ کے لئے بہ طور خاص دعا کراتے حضرت مدنیؒ کا ذکر فرماتے تو آواز بھرا جاتی، اور آنکھیں بھر آتیں۔

احقر راقم السطور کی خوش قسمتی ہے کہ اسے حضرت شیخ صاحبؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میرے والد محترم حضرت مولانا واجد حسین صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل بھی حضرت شیخ کے خصوصی تلامذہ میں تھے، میرے لئے یہ بھی کچھ کم سعادت کی بات نہیں ہے کہ میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم نے بھی حضرت شیخ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا ہے اور آپ سے بخاری پڑھی ہے، اس طرح ہمارے خاندان کی تین نسلیں حضرت سے براہ راست مستفید ہوئی ہیں ہم اس شرف و سعادت پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

آپ میری طالب علمی کے دور میں دارالاقامہ کے ناظم تھے، اس وقت حضرت مولانا شریف حسن دیوبندی جو احقر کے ماموں بھی تھے، ناظم اعلیٰ تھے، ان دو حضرات کے ساتھ حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند بھی ناظم تھے، ان تینوں حضرات سے راقم السطور کو گہری قربت حاصل تھی، اور میں اس حوالے سے بہ کثرت دارالاقامہ کے دفتر میں آتا جاتا تھا، یہ تینوں حضرات بھی مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد میں کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ جا کر مقیم ہو گیا، ان ہی دنوں حضرت شیخ نے اپنے ایک مکتوب گرامی کے ذریعے مجھے دیوبند واپسی کا حکم دیا اور تحریر فرمایا کہ ہم تینوں نے تمہیں حیدرآباد کے فلاں مدرسے میں صدر مدرس بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے، تمہیں درس و تدریس میں لگنا چاہئے وغیرہ وغیرہ، حسب الحکم میں دیوبند ہوتا ہوا حیدرآباد پہنچ گیا، اسی دوران حضرت نائب مہتمم بنائے گئے، حیدرآباد کے قیام کے دوران مجھے حضرت کے خط ہی سے اطلاع ملی کہ مجھے مجلس شوریٰ نے اجلاس صد سالہ کے شعبہ تصنیف و تالیف میں تصنیفی و تالیفی خدمت کے لئے منتخب کیا ہے، حکم تھا فوراً دیوبند پہنچو، احقر اسی وقت دیوبند پہنچا اور

اپنی ڈیوٹی سنبھالی، اس دوران بار بار دارالاہتمام میں حاضری ہوتی تھی اور حضرت کی خدمت میں بیٹھنا بھی نصیب ہوا کرتا تھا، یہ بھی حسنِ اتفاق ہی ہے کہ حضرت کا دولت کدہ جس محلے میں واقع ہے اسی محلے میں احقر کا غریب خانہ تھا، اس طرح اکثر و بیشتر آتے جاتے راستے میں مسجد میں حضرت کی زیارت رہتی تھی، کسی شخص کا کوئی بھی کام ہوتا ہم بلا تکلف گھر کے دروازے پر دستک دیدیا کرتے تھے، ہم نے حضرت کو اس گستاخی پر کبھی کبیدہ خاطر یا ناراض نہیں پایا، اپنی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ باقی نہیں رکھ پایا، لیکن ختم بخاری شریف کے موقع پر احقر لازماً دارالحدیث میں حاضر ہو کر درس اور دعا دونوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا تھا، آپ جیسے سادہ مزاج نیک نفس، باوقار، متواضع، حلیم الطبع، منکسر المزاج علماء کم ہی ہوتے ہیں، آپ کے کئی صاحبزادے حیات ہیں، جو سب کے سب حافظ قرآن ہیں، معنوی اولاد کی تو صحیح تعداد بھی شمار نہیں کی جاسکتی، یہ سب لوگ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں جب تک ان کے سانسوں میں گرمی باقی رہے گی اپنے حسنِ عمل سے اپنے استاذِ گرامی قدر کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنے رہیں گے ان شاء اللہ۔



سرا پا عظمت و وفار شیخ الحدیث

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاری شفیق الرحمن صاحب بلند شہری

استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو گونا گوں خوبیوں اور ایسی ممتاز خصوصیت سے نوازتا ہے جن کی بنیاد پر وہ دوسروں سے فوقیت لے جاتے ہیں اور زندگی کے میدان میں وہ ایسے گہرے تاثر اور امنٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کی مثال بمشکل ہی مل پاتی ہے، سعی و محنت، جدوجہد، عزم و ارادے اور خوش خلقی کی بنا پر انسانوں کی بھیڑ میں اور ہر مجلس و محفل میں عزت و عظمت ان کے قدم چومتی ہے، اگرچہ عظمتیں متنوع ہوتی ہیں مگر سراپا خلق اور اندروں کی پاکیزگی کی وجہ سے حاصل ہونے والی عظمت لافانی، نمایاں، اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی لوگوں کے ذہنوں میں تروتازہ اور باقی رہتی ہے، ایسی ہی بے پناہ عظمتوں اور لاثانی وقار کی حامل شخصیت حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تھی، جو ۱۹/ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے چلے جانے سے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک عظیم باب بند ہو گیا۔

ولادت مبارکہ:

حضرت شیخ ضلع بلند شہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”بسی“ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد محترم کا نام عبدالشکور خاں اور والدہ کا نام ”رحمت بی“ تھا، دارالعلوم دیوبند کے داخلہ فارم اور سرکاری کاغذات کے اعتبار سے آپ کی تاریخ پیدائش ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ ہے تاہم حضرت والا بارہا اس کی وضاحت فرماتے کہ ریکارڈ شدہ تاریخ پیدائش ۲ سال کم ہے میری عمر اس سے دو سال زیادہ ہے، اس اعتبار سے حضرت والا کا صحیح سن ولادت ۱۳۳۵ھ ہوتا ہے، ابھی آپ بچے ہی تھے۔ ۲۵ سال کی عمر تھی کہ والد محترم کا انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت شیخ کی تعلیم و تربیت میں آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ حصہ ہے، والد صاحب کے بعد خصوصیت سے بھائی صاحب نے یہ ذمہ داری نبھائی، حضرت شیخ نے مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور وہیں پر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی، جناب قاری محمد عمر صاحب اور جناب قاری بہادر خاں صاحب آپ کے حفظ کے اساتذہ تھے، آپ قاری بہادر خاں صاحب کا اکثر و بیشتر تذکرہ فرماتے اور متعدد مجالس میں ان کا تذکرہ اور مدح سرائی کرتے رہتے تھے۔ حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد فارسی کی تعلیم شروع فرمائی، پھر اس کے بعد عربی تعلیم کا آغاز کیا، ابھی آپ ابتدائی عربی درجات کے ہی طالب علم تھے کہ والدہ محترمہ کی وفات ہو گئی، اور اس طرح آپ مکمل طور پر بھائی صاحب کی کفالت میں آ گئے، بھائی صاحب نے کفالت کا پورا حق نبھایا اور تعلیم و تعلم کے ساتھ تربیت پر مکمل توجہ دی، حضرت شیخ بتلایا کرتے تھے کہ میں نے فارسی کی چند کتابوں کے سوا فارسی اور عربی کی تمام کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے ہی پڑھی ہیں، ایک مرتبہ راقم نے وضاحت کے ساتھ معلوم کیا کہ حضرت آپ نے کون کون سی کتابیں کن کن اساتذہ سے پڑھیں اور کہاں کہاں پڑھیں؟ تو فرمایا کہ منبع العلوم میں تو میں نے سب کچھ صرف بڑے بھائی صاحب ہی سے پڑھا ہے۔ مدرسہ منبع العلوم میں بھائی صاحب استاذ تھے، وہاں اور بھی اساتذہ تھے۔ مگر مجھ کو بھائی صاحب ہی تمام کتابیں پڑھاتے تھے

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

جب آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر خاں صاحب رحمۃ اللہ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا تو آپ بھی بڑے بھائی کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند آ گئے اور ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، یہ آپ کا دورہ حدیث شریف کا سال تھا، ۱۳۶۲ھ میں آپ نے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، چونکہ ان دنوں جنگ آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہونے کے پاداش میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ نبی جیل میں قید تھے، اس لئے اس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب سے پڑھی تھی۔ مگر حضرت مدنی سے استفادہ کی لگن اور خواہش برقرار تھی اور حضرت مدنی جیل سے واپس تشریف لائے تھے اس لئے اگلے سال ۱۳۶۳ھ میں بخاری، ترمذی شریف کی حضرت مدنی سے سماعت کی، اپنے علم و فن میں مزید جلاء پیدا کرنے کی خاطر اسی سال کچھ دیگر فنون کی کتابیں مثلاً ہدایہ آخرین، قرأت قرآن، جزری، مسلم الثبوت، شرح چمنینی، متنبی، سراجی، بیضاوی سورہ بقرہ، توضیح، تلویح، فوائد مکیہ بھی پڑھیں، اور ابوداؤد شریف اور مسلم شریف بھی دوبارہ پڑھیں، اس کے بعد مزید دو سال علوم میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے، اور شریک امتحان ہوتے رہے ان دو سالوں میں تجوید و قرأت کی طرف بھی متوجہ ہوئے، چنانچہ ۱۳۶۴ھ میں خلاصۃ البیان شاطبیہ، رائیہ، اجراء قرأت سبعہ، بیضاوی سورہ بقرہ (دوبارہ) نفیسی، حمیات قانون، شرح اسباب اول، شرح اسباب ثانی، قانونچہ، وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور شریک امتحان ہوئے، پھر اگلے سال ۱۳۶۵ھ میں کچھ مزید کتابیں مثلاً ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میرزا ہد، حمد اللہ، طیبۃ النشر فی قرأت عشر، اور ان کے علاوہ اور بھی دیگر کتابوں کو دوبارہ پڑھ کر امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ کرام:

جس وقت آپ دارالعلوم دیوبند میں اکتساب فیض کر رہے تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا نہایت تابناک دور تھا بڑے بڑے ماہر فن اساتذہ مسانید درس پر جلوہ افروز تھے۔ شیدائیان علم نبوت اور مہمانان رسول ان سے اپنی علمی تشنگی دور کرتے آپ نے جن حضرات اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا ان میں خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الادب مولانا اعجاز علی صاحب، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب امر و ہوئی، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب ملتائی، حضرت مولانا عبدالح صاحب اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجران والا، حضرت مولانا المقری حفظ الرحمن صاحب پرتا پگڑھی صدر شعبہ قرأت دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب دارالشفاء دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحب سے آپ نے طب کی کتابیں پڑھیں تھیں۔

فن تجوید و قرأت سے خصوصی شغف:

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد جب حضرت شیخ تكمیلات کے مراحل میں تھے تو ان چند سالوں میں فن تجوید و قرأت سے آپ کو خصوصی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ آپ نے فن قرأت کی تمام کتب درسیہ، حفص، سبعہ عشرہ وغیرہ اپنے وقت کے امام الفن اور ماہر علوم قرأت حضرت مولانا المقری حفظ الرحمن صاحب پرتا پگڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور ان تینوں سال آپ مختلف لہجوں میں ان کے سامنے مشق کرتے رہے یہاں تک کہ آپ اس فن میں ماہر ہو گئے ایک مرتبہ آپ نے یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب نے راقم سے بتلایا کہ حضرت الاستاذ قاری حفظ الرحمن فرمایا کرتے تھے، نصیر احمد! میں نے تم کو اس فن کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے، حضرت شیخ حضرت قاری صاحب کے نہایت چہیتے اور مخصوص شاگردوں میں تھے اور آپ بھی اپنے استاذ حضرت قاری صاحب سے نہایت محبت کرتے تھے اور عصر کے بعد مجلسوں میں بارہا اپنے استاذ حضرت قاری صاحب کا تذکرہ کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت قاری صاحب نے نہایت تعلق کی وجہ سے فن قرأت پڑھانے کے لئے میرا تقرر ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر قاری کی حیثیت سے کر دیا تھا یہ مدرسہ مولانا صادق صاحب کا قائم کردہ تھا جو حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے، حضرت قاری صاحب کی ایما پر میں نے ملتان جانے کی تیاری کر لی تھی کہ بھابھی صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب نے فرمایا، ہم نصیر احمد کو اتنی دور نہیں بھیجتے، چنانچہ بھائی صاحب اور قاری صاحب سے گفتگو کے بعد آپ

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ تقرر:

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے لئے دارالعلوم دیوبند کی خدمت مقدر کر دی تھی آپ کی ذات سے علوم حدیث کے عظیم فیضان کا فیصلہ فرما دیا تھا اس وجہ سے آپ ملتان نہیں جاسکے، چنانچہ ۱۳۶۵ھ کے اواخر ماہ ذی الحجہ میں اعزازی ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا آپ اسی طرح دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۳۶۶ھ میں دو سال بعد ۲۸/ صفر کو باقاعدہ آپ کا تقرر کر لیا گیا اور آپ کی حسن کارکردگی کی وجہ سے اسی سال ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو آپ کا استقلال بھی کر دیا گیا، حسن اتفاق آپ نے تدریس کا آغاز بالکل ابتدائی کتابوں سے کیا اور میزان سے لے کر آخر تک کی درسِ نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ سے متعلق رہیں، آپ نہایت محنت اور دلچسپی سے پڑھاتے، آپ کی حسن کارکردگی ہمیشہ ممتاز رہی، آپ کے بعض کتابوں کے درس کو کافی مقبولیت ملی اور مقاماتِ حریری، میبذی، مسامرہ شرح جامی، جلالین شریف، الفوز الکبیر، اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ مختلف کتابوں کا درس تو آپ سے کافی طویل عرصہ تک متعلق رہا۔

فنِ ہیئت سے خصوصی دلچسپی:

مختلف فنون کے ساتھ علمِ ہیئت کا درس بھی ہمیشہ آپ سے متعلق رہا، اس فن کی اہم کتاب التصریح ہمیشہ آپ کے زیرِ درس رہی، اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو مخصوص ملکہ اور مہارت عطا فرمائی تھی اس فن کے بلا شرکت غیر آپ بے تاج بادشاہ تھے، عجیب و غریب انداز سے اس کے مسائل کی تشریح فرماتے تھے، افسوس کے یہ فن اب نصاب سے خارج کر دیا گیا، اس پر حضرت بہت افسوس فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں اس فن کے اہم مباحث ہیں، طلبہ یہ فن نہیں جانتے تو اب ان مسائل کو کیسے سمجھیں گے اس لئے یہ فن نصاب میں رہنا چاہئے اس کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔

مسندِ حدیث پر:

آپ نہایت محنت اور پابندی سے اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے جس کی بنا پر ترقیاں آپ کے قدم چومتی رہیں چنانچہ آپ ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے علیاً درجہ تک پہنچ گئے اور ۱۳۹۱ھ میں دورہ حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق ہونے لگی چنانچہ ۱۳۹۱ھ سے ۱۳۹۶ھ تک آپ طحاوی شریف، مسلم شریف جلد ثانی، مؤطا امام مالک کا درس دیتے رہے، اور طالبانِ علوم نبوت کو فیضیاب کرتے رہے، اور ۱۳۹۶ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی وفات پا گئے تو بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہو گیا اس کے بعد سے آپ مسلسل بخاری شریف کا درس دینے لگے ایک سال مکمل بخاری شریف (دونوں جلدوں) کا درس آپ سے متعلق رہا اس کے بعد ہمیشہ آپ جلد اول پڑھاتے رہے، جلد ثانی کا سبق مشترک طور پر حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ العالی سے متعلق رہتا تھا، آپ بڑی شان و شوکت سے بخاری شریف کے درس دیتے تھے، اخیر عمر تک اسی فریضہ کو انجام دیتے رہے اور ہزاروں فرزندانِ توحید کو سیراب کرتے رہے، جب آپ ۱۴۲۹ھ میں شدید بیمار ہو گئے گھٹنوں کی تکلیف، قلب کا عارضہ، آنت اتر نیکی پریشانی، ضعفِ سماع و بصر وغیرہ بیک وقت متعدد بیماریاں لاحق ہو گئیں تو پھر آپ نے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرمادی ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۴۰ سال تک آپ مسندِ حدیث پر رونق افروز ہو کر تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے۔ اس دوران آپ سے ہزاروں کی تعداد نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

عہدے اور ذمہ داریاں:

تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ نے بخوبی طور پر انجام دیں، ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے، اور اس میں حضرت مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی سابق استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند بھی ہمیشہ آپ کے رفیق کار رہتے تھے۔ ۱۶/ صفر ۱۳۹۱ھ کو مجلسِ شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم تجویز فرمایا ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر کام کرتے رہے اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی صدر مدرس

دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد ۲۰۱۲ء میں آپ کو باتفاقِ اراکین شوری صدر المدرسین منتخب کر لیا گیا، ایک طویل عرصہ تک آپ نے اس منصب کو بھی زینت بخشی اور اخیر عمر میں تدریس سے معذرت کیساتھ اس منصبِ جلیل سے بھی معذرت فرمائی۔

اوصاف و کمالات:

اللہ تعالیٰ نے بے شمار اوصاف و کمالات سے آپ کو نوازا تھا آپ فطرتاً انتہائی نیک و صالح انسان تھے، بزرگوں کے اخلاق کا نمونہ اور ان کی علمی یادگار تھے، آپ بہترین مدرس بھی تھے اور بے مثال عالم بھی تھے تمام علوم میں اللہ نے آپ کو مہارت عطا فرمائی تھی۔ آپ کے اوصاف میں ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، تواضع، شفقت اور رحم دلی، خیر خواہی، محبت و اخلاص جیسے جذبات کوٹ کوٹ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بھر دئے تھے، آپ کے یہاں کوئی چھوٹا بھی چھوٹا نہیں تھا سب کا احترام بڑوں کی طرح فرماتے تھے آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی، نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے، جمعہ کو ہمیشہ کافی پہلے مسجد پہنچنے کا معمول تھا اور صلوٰۃ التیمم، ہر جمعہ کو پڑھتے تھے، نماز اس طرح خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہو سکتی، رکوع اور سجود میں کامل طمانینت، قیام کی حالت ایسی کہ جیسے ایک ذلیل اور ناتواں بندہ اپنی عرض و نیاز کرتا ہے، باطنی کمالات کے ساتھ حسن ظاہری، حسن صوت، حسن صورت، حسن سیرت سے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا آواز آپ کی بلند و بالا اگر انتہائی دل کش تھی، گفتگو کا لب و لہجہ نہایت عمدہ اور اس پر حروف کی ادائیگی متزاہد، کلام فرماتے تو ہر آدمی چاہتا کہ آپ بولتے رہیں اور ہم سنا کریں، تاہم درس کی تقریر انتہائی سادہ، غبی سے غبی طالب علم بھی استفادہ کر لیتا، وقار و سنجیدگی اور متانت آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا مدت میں ایسے لوگ آتے ہیں اور جانے کے بعد یادگار بن جاتے ہیں۔

بیعت، اجازت و خلافت:

حضرت شیخ کو اپنے استاذ، مخصوص مربی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ سے خصوصی عقیدت و محبت تھی کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں بعض مرتبہ تو عصر کے بعد مجلس میں شروع سے آخر تک حضرت مدنی کا تذکرہ رہتا حضرت مدنی کے مختلف واقعات سناتے حضرت مدنی سے محبت اس قدر تھی کہ اگر کوئی حضرت مدنی کے اہل خاندان کو کچھ کہہ دیتا یا اس طرح کا مضمون اخبار میں پڑھتے تو آپ کو سخت رنج و ملال ہوتا، بہر حال حضرت شیخ حضرت مدنی کے عاشق صادق تھے، آپ حضرت مدنی سے بیعت ہو گئے اور سلوک کے منازل طے کرتے رہے، آپ معمولات کو بڑی پابندی سے ادا فرماتے تھے، تلاوت، تسبیحات و نوافل کا اہتمام فرماتے، حضرت مدنی کے انتقال کے بعد کسی سے آپ نے رجوع کیا یا نہیں، اس بارے میں ہمیشہ خاموش رہتے، کوئی ذکر نہ فرماتے تھے، اچانک ایک روز معلوم کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے اجازت و خلافت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے، حضرت قاری طیب صاحب نے مجھے خلافت دی ہے اور مجاز بیعت بنایا، میں نے عرض کیا حضرت! کبھی آپ نے اس کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس بارے میں علم ہے؟ تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ بس آج تم کو بتا دیا، مگر تم بھی کسی سے ذکر نہ کرنا اور میں نے آج تک کسی کو بیعت بھی نہیں کیا ہے مزید فرمایا کہ بھائی! میرا یہ مزاج نہیں ہے، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں

حضرت شیخ کی مجلس میں حضرت قاری طیب صاحب کا بھی بہت ذکر ہوتا تھا حضرت قاری صاحب کے علوم اور بزرگی کے آپ بے انتہا قائل تھے حضرت قاری صاحب کی تلاوت قرآن کریم اور لب و لہجہ کی بھی خوب تعریف کرتے، فرماتے تھے کہ آپ بے نظیر لہجے کے مالک و ماہر تھے قاری صاحب کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہی تھی کہ آپ نہایت عمدہ قرآن کریم پڑھتے تھے جوانی کے عالم میں قاری صاحب محفلوں میں تلاوت بھی فرماتے تھے۔ حضرت شیخ نے بتلایا کہ ہم نے قاری صاحب کی تلاوت گلاؤٹھی میں اس وقت سنی جب قاری صاحب کے چہرہ پر داڑھی بھی نہیں تھی۔

ذمہ داریوں سے سبکدوشی:

جب بیماریوں نے شدت اختیار کر لی تو حضرت شیخ نے معذرت کی تحریر پیش کر دی، چنانچہ مجلس تعلیمی ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں آپ کی تحریر پیش ہوئی، مجلس شوریٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کو آپ کی جگہ متعین فرما دیا اور یکم جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ کی مجلس عاملہ نے حضرت موصوف کو سبکدوش کر کے پندرہ ہزار روپے ماہانہ وظیفہ تاحیات جاری فرما دیا جو آخر تک چلتا رہا، محرم ۱۴۳۱ھ کے آخر میں ضعف بڑھ گیا اور ۱۹ صفر بروز جمعرات مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء کی شب میں دوح کج کردس منٹ پر اپنے صاحب زادہ سے سورہ یسین شریف کی تلاوت سنی، اور قبلہ رو ہو کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے، ۹۶ سال کی عمر طویل پائی، اور تقریباً پینسٹھ سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین:

بعد نماز ظہر احاطہ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، ہزاروں علماء، اساتذہ اور ذمہ داران مدارس، طلبہ اور عوام کے جم غفیر نے نماز میں شرکت کی، سخت اثر دھام کی وجہ سے آپ کا جنازہ کافی دیر میں مزار قاسمی پہنچا، ہزاروں کی تعداد میں موجود عقیدت مندوں نے سوگوار اور پرخم آنکھوں سے مزار قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کر دیا، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

پسماندگان:

پسماندگان میں پانچ صاحب زادے اور دو صاحبزادیاں ہیں ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، آپ کے صاحبزادوں میں کوئی عالم نہیں ہے جو آپ کا علمی وارث ہوتا حضرت کو ہمیشہ اس کا قلق رہا جس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ بھائی سب مقدرات ہیں، ہر بچہ کو عالم بنانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہو سکی، سب نے درمیان میں تعلیم چھوڑ دی، تاہم سارے صاحبزادے ماشاء اللہ حافظ قرآن، نیک و صالح اور پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں، حضرت شیخ کے تین پوتے دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہیں، عزیز محمد سعد، اور محمد طارق، درجہ سوم عربی میں اور عزیز محمدز ہیر دینیات میں پڑھ رہے ہیں، حضرت کو ہمیشہ ان بچوں کی بڑی فکر رہتی تھی اللہ تعالیٰ ان بچوں کو عالم و عامل بنائے اور حضرت کی یادگار بنائے۔ آمین۔

پسماندگان میں اہل خانہ کے علاوہ آپ سے فیض پانے والے ہزاروں علماء، فضلاء اور دارالعلوم دیوبند کے سبھی وابستگان ہیں، احقر راقم الحروف شفیق الرحمن بلند شہری بھی حضرت کے پسماندگان میں سے ہے، جس کے ساتھ حضرت شیخ نہایت مشفقانہ برتاؤ رکھتے، دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کے بعد حضرت سے قرب احقر کے لئے نہایت سعادت مند رہا، سفر و حضر اور آپ کی خصوصی مجالس میں آپ سے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے بھرپور موقع عنایت فرمایا، حضرت شیخ کی وفات احقر کے لئے ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا



اسلافِ دیوبند کے علمی ورثہ کے امین مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

ڈاکٹر منور حسن کمال

دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں طلباء کا جم غفیر ساکت و جامد ہے اور علم کا بحر بیکراں رواں دواں ہے۔ الفاظ کی سبک رو آواز سماعت میں رس گھول رہی ہے۔ یہ واقعہ کم و بیش اگرچہ ۳۱ برس پرانا ہے۔ لیکن لگتا ہے جیسے آج ہی کی بات ہو۔ دورانِ سبق کے واقعات متحرک منظر کی طرح آنکھوں کے سامنے آتے جا رہے ہیں۔ اس احساس کی شدت دل کی اداسیوں میں اضافہ کرتی جا رہی ہے کہ دنیا سے نابغہ روزگار شخصیتیں مرحوم ہوتی جا رہی ہیں، یکے بعد دیگرے علمی شخصیتوں کا اٹھ جانا ایک ایسا خلا ہے، جس کو پر کیا جانا کسی کے بس میں نہیں۔ ایسی ہی ایک عظیم المرتبت شخصیت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں کی تھی، جو اپنے لاکھوں معنوی فرزندوں کو یتیم و یسر چھوڑ کر جہانِ فانی سے جہانِ بقا کی جانب کوچ کر گئی۔ جہاں وہ درسِ نظامی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، وہیں علمِ ہیئت پر بھی ان کی گہری نظر تھی ”رسالہ فتحیہ“ پر ان کے پر مغز اور عالمانہ حواشی شاہد ہیں کہ انہیں اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد بھی اس فن میں طاق تھے۔ مدارس و مساجد میں جو طلوع و غروب کے نظام الاوقات نظر آتے ہیں، وہ انہی کے خاندان کی دین بتائے جاتے ہیں۔

مولانا نصیر احمد خاں مرحوم کی ۶۵ سالہ تدریسی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ علمِ حدیث کے اختصاصات سے خاص رابطہ رکھتے تھے۔ میدانِ حدیث میں نمایاں خدمات انجام دینے والی عظیم شخصیتوں میں حضرت شیخ الحدیث کا نام سنہری حرفوں میں درج ہے۔ شیخ الحدیث نے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھائی ہیں۔ علمائے دیوبند کا تدریسِ حدیث کے لئے جو امتیازی طریقہ کار رہا ہے شیخ الحدیث نے اس کو تا عمر برقرار رکھا اور طلبہ کی ایسی ذہنی آبیاری کی کہ ان میں سے اکثر و بیشتر آج بڑے مدارس کے شیخ الحدیث ہیں اور اپنی خدمات سے طلبہ کو فیضیاب کر رہے ہیں اور یہ فیضان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

رسالہ ”المنار“ کے مدیر علامہ رشید رضا مصری نے لکھا ہے۔ ہمارے بھائی ہندوستانی علما کی توجہ اس زمانہ میں علمِ حدیث کی طرف نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا۔ کیوں کہ مصر، عراق، شام اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔ حدیث پڑھانے کا جو طریقہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تھا، وہی طریقہ یہاں رائج تھا۔ حدیث کو تفکر و تدبر اور معانی و مطالب سے پڑھانے کا جو سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا، شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں کو اس کا آخری تاجدار کہا جاسکتا ہے۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر دنیا بھر سے یہاں طالبانِ علوم حدیث کے قافلے آتے اور اپنا دامن مراد بھر کر جاتے۔

شیخ الحدیث بلند شہر کے ایک قصبہ ”بسی“ میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ دینی ماحول کا ایسا معتبر گھرانہ تصور کیا جاتا تھا، جہاں سے صبح و شام علم و معرفت کی ہوائیں فضاؤں کو معطر کیا کرتی تھیں۔

ان کے والد ماجد عبدالشکور خاں کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ جب شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے تحریک ”ترکِ موالات“ کا اعلان کیا تو انہوں نے برطانوی استعمار کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر کاشت کاری شروع کر دی تھی۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں نے اپنے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں سے تعلیم حاصل کی، جو مدرسہ منہج العلوم قصبہ گلاٹھی میں استاذ تھے۔ اس کے بعد جب وہ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند بحیثیت استاذ آئے تو وہ بھی ان کے ساتھ آگئے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی وغیرہ سے علمِ حدیث و ادب میں دسترس حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم سے دورہ حدیث کیا ۱۹۴۶ء، ۱۳۳۶ھ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت

استاذان کا تقرر ہوا۔ مولانا نے ابتدا میں ان و منشعب سے کی اور ۱۳۹۱ھ تک درسِ نظامی کی دیگر کتابیں جیسے شرح جامی، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، جلالین شریف وغیرہ پڑھاتے رہے، بیک وقت درسِ نظامی پر اتنی گہری بصیرت رکھنے والی شخصیت فی الحال کوئی نظر نہیں آتی، پھر ۱۳۱۹ھ سے ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی دیگر کتابیں ”سنن ابوداؤد، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، طحاوی شریف، ترمذی شریف اور مسلم شریف“ وغیرہ کا درس دیا۔ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں بخاری شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کی اور اپنے انتقال سے دو ڈھائی برس قبل تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ اس زمانے میں وہ بخاری شریف کی جلد ثانی پڑھایا کرتے تھے۔

دورانِ تعلیم کا ایک واقعہ میں کیسے بھول سکتا ہوں کہ میں انکے درس میں عموماً بہت پیچھے بیٹھا کرتا تھا، جہاں عام طور پر تعلیم سے کم رغبت رکھنے والے طلبہ بیٹھتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا جب شیخ الحدیث (اللہ ان کے درجات بلند کرے) تشریف لاتے تو کتابوں میں غرق رہنے والے طلبہ اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے۔ ایک دن جیسے ہی میرا ان سے سامنا ہوا میں نے سلام کیا۔ انہوں نے ایک بھر پور نگاہ مجھ پر ڈالی، زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں سہم گیا، اتنا سہم گیا کہ اب شیخ صاحب دورانِ سبق یقیناً مجھے تنبیہ کریں گے کہ میں اسباق میں دلچسپی نہ لے کر کیوں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں، لیکن میری حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی کہ حضرت شیخ نے اس موضوع پر کچھ خطاب نہیں کیا، لیکن یہ ہوا کہ اب اس کے بعد میں بھی اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرتا اور حتی الامکان سبق کو ذہن نشین بھی کرتا۔ اس کے بعد میں نے اسباق کو قلم بند کرنا شروع کر دیا، جو میرا سرمایہ تھا اور اس سے میں نے بہت فیض حاصل کیا۔

وہ ایک ایسے عالم تھے جو ہمیشہ مثبت اور مستحکم گفتگو کرتے تھے۔ ہر سطح کا طالب علم اسباق بآسانی سمجھ لیتا اور اس کے اندر قہیم حدیث کی وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی کہ وہ علمِ حدیث کی باریکیاں سمجھنے پر قادر ہو جاتا۔ یہ شیخ الحدیث کی رحم دلی کی زندہ مثال ہے۔ ورنہ عموماً اساتذہ کھلنڈر طلبہ کو موقع بے موقع ڈانٹنے سے گریز نہیں کرتے، جس سے طلبہ میں اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی ایک نظر نے میری ایسی اصلاح کی کہ دوسرے اساتذہ کے اسباق پر بھی میری توجہ بڑھ گئی۔ ایسے تھے استاذ الاسلام شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان۔

شیخ الحدیث عموماً تنازعات سے دور ہی رہتے۔ وہ ہمیشہ یکسو ہو کر دارالعلوم کی خدمت میں لگے رہے۔ تواضع اور حلم ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ نرم گفتاری ان کا طرہ امتیاز تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث، نائب مہتمم اور صدر مدرس کے عہدوں پر رہتے ہوئے کبھی انہوں نے وہ زعم نہیں دکھایا جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہی انسانی کمزوری کے طور پر عیاں ہو جاتا ہے۔ وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خصوصی شاگردوں میں تھے، وہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ سے بیعت تھے لیکن انہوں نے پیری، مریدی سے بچنے میں ہی عافیت محسوس کی عموماً کہا کرتے تھے بچو! یہ میرا مزاج نہیں ہے۔ میں اپنے مزاج کے خلاف کام نہیں کر سکتا۔

ساتھی اساتذہ بھی ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور ان کی باتیں توجہ سے سنتے تھے۔ ذمہ دارانِ دارالاقامہ کو جو ہدایات دینی ہوتی تھیں اتنی حلیمی سے دیتے تھے کہ وہ دارالاقامہ کے کام بحسن و خوبی انجام دیتے رہتے تھے۔ اپنی متانت اور سنجیدگی کے سبب علم و فضل کا یہ بحر بیکراں تمام طبقات میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا شیخ الحدیث صاحب ہمارے اسلاف کی ان آخری نشانیوں میں سے تھے جنہوں نے اکابر کے سنہرے اقدار کی آخری عمر تک پاسداری و پاسبانی کی۔

اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ شیخ الحدیث نے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد یعنی علم و معرفت کے فیض کو عام کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ بزرگانِ دین اور علمائے حدیث کے سچے پیرو کی طرح درسِ حدیث دیتے رہے اور اپنے خصوصی استاذ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی علمی میراث کو طلبہ میں منتقل کرتے رہے۔

شیخ الحدیث میں بے شمار خوبیاں تھیں اور انہی خوبیوں کی وجہ سے طلبہ اور اساتذہ دونوں ہی میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی وفات سے علمی دنیا میں خلا سا پیدا ہو گیا ہے۔ خدا انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین۔

نمونہ سلف، استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی عمران اللہ قاسمی

دنیوی زندگی ایک گزرگاہ کے مانند ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہاں جو بھی آتا ہے۔ وہ جانے کیلئے ہی آتا ہے ہر وقت ہر جگہ اور ہر موسم میں زندہ لوگوں کا ایک ہی لمحہ میں مردہ ہو جانا، اپنے متعلقین سے منھ موڑ لینا اور پھر کبھی واپس نہ آنا یہ ایک ایسا عام واقعہ بن گیا ہے۔ جس کی طرف عموماً توجہ مرکوز نہیں ہوتی، لیکن بسا اوقات اپنوں کے بیچ سے رخصت ہو کر دنیا سے منھ موڑنے والا ایسا انسان ہوتا ہے جس کی زندگی دوسروں کے لئے مفید ہوتی ہے، ذاتی افادیت اور بلند اخلاق کی بدولت عوام الناس کے دل اس کی عظمت و عقیدت سے معمور ہوتے ہیں۔ تو دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھودینے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے وہ اپنے پیچھے یادوں کا ایک تسلسل چھوڑ جاتا ہے وہی وابستہ یادیں متعلقین کے لئے سامان سکون اور عبرت و موعظت کا عنوان بن جاتی ہیں۔

۱۹ صفر بروز جمعرات مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء کو ایک ایسا ہی عظیم سانحہ پیش آیا جس کو فضلاء دارالعلوم دیوبند اور وابستگان دارالعلوم شاید ہی کبھی بھلا سکیں، اس روز استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند عالم فانی سے کوچ کر گئے، جن کے چلے جانے سے علماء و فضلاء کا بڑا طبقہ سوگوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو کروٹ کروٹ چین و سکون نصیب فرمائے، اور درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جب بندہ ابتدائی درجات کا طالب علم تھا تو اپنے اساتذہ اور دیگر متعلقین کے ذریعہ حضرت والا کے تعارف سے کان مانوس ہو چکے تھے وہ حضرات مختلف مجالس میں حضرت والا کا ذکر خیر کرتے رہے اور متعدد اوصاف گناتے رہتے تھے پھر ۱۹۹۶ء میں جب بندے کا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مقدر ہوا اور دیوبند تک رسائی ہوئی تو قدیم غائبانہ تعارف کی وجہ سے حضرت والا کی زیارت کا شوق جو دل میں پنہاں تھا، وہ حضرت والا کی زیارت کا متمنی بنائے رکھتا اسی زمانے میں ایک روز احاطہ مولسری میں زیارت ہوئی، جب حضرت والا بخاری شریف کا درس دینے کے لئے طلبہ کے عقیدت مندانہ جھرمٹ میں گھرے ہوئے اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ دارالحدیث کی جانب روں دواں تھے، یہ پہلی زیارت ہی عقیدت و محبت میں اضافہ کا سبب بن گئی بعد میں حضرت کی نیک نفسی، شرافت و وضع داری، مہربانی و شفقت کی بنا پر عقیدت و محبت فزوں تر ہوتی چلی گئی۔

بلند شہر سے شمالی جانب تقریباً ۴۵ کلومیٹر کی دوری پر پٹھان برادری پر مشتمل چند آبادیاں ”بارہ بستی“ کے نام سے موسوم ہیں انہیں میں ”بسی“ نام کے ایک گاؤں میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو گوارہ ہستی میں آپ نے آنکھیں کھولیں ابھی بچپن کی وادیوں کو بھی عبور نہ کر سکے تھے کہ والد محترم جناب عبد الشکور خان صاحب داغ مفارقت دے گئے اور اب آپ شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے، اس کے بعد برادر محترم اور والدہ محترمہ کی نگہداشت میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہونے لگے، تعلیم کے ابتدائی مراحل میں ہی والدہ محترمہ کی جدائی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا، بعد میں بڑے بھائی ہی مربی و نگران تھے اور انھیں کی نگرانی میں تعلیم و تربیت کے مراحل مکمل کرنے اور عظیم المرتبت اساتذہ سے علوم و فنون میں مہارت و کمال حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ مقرر ہو گئے، مسندِ درس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ کے عملی جوہر دکھانے اور فیضانِ علمی سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، آپ سے علمی فیض اٹھانے والوں اور شرفِ تلمذ حاصل کرنے والوں کا جو سلسلہ ۱۳۶۵ھ سے شروع ہوا اس کو عند اللہ مقبولیت ملی اور طالبانِ علوم میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اس سلسلہ میں اضافہ ہی ہوتا گیا تعداد دن بدن بڑھتی گئی، چنانچہ اخیر عمر تک کے تمام مستفیدین کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہو گئی تھی، آپ کی علوم اسلامی میں کامل دستگاہ اور علم حدیث سے خصوصی مناسبت، خلوص و للہیت، ورع و تقویٰ، صالحیت و نیک نفسی، چھوٹوں

کے ساتھ شفقت و پیار کا معاملہ یہ سب ایسے امور تھے جن کی وجہ سے ہر متعارف آپ سے عقیدت و محبت کرنے لگتا اور آپ سے انتساب کو اپنے لئے باعث فخر گردانتا تھا آپ کی ذات والا صفات متعدد خوبیوں اور عمدہ صفات کا مجموعہ تھی ہم جیسے خردوں اور نا سمجھوں نے بھی آپ کی ذات اور آپ کی روزمرہ کی زندگی میں چند ایسی باتیں دیکھیں جو آپ کا وجہ امتیاز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی مقبولیت کا بھی سبب تھیں اور آنے والی نسلوں کیلئے نمونہ عبرت و معظمت ہیں۔

اسباق کی پابندی:

کسی بھی کامیاب مدرس کیلئے درس گاہ میں حاضر ہو کر پابندی سے اسباق پڑھنا نہایت ناگزیر اور ضروری ہوتا ہے حضرت والا اس وصف میں نہایت ممتاز تھے خود بھی اسباق کی پابندی کا لحاظ کرتے، احقر نے دورہ حدیث شریف کے سال نہایت نزدیک سے بکثرت اس کا مشاہدہ کیا کہ حضرت والا وقت سے پہلے ہی گھنٹہ کیلئے تیار نظر آتے اور وقت ہوتے ہی اپنی مخصوص بیت ہاتھ میں لیتے اور مخصوص باب و قارئین سے احاطہ مولسری سے گزرتے ہوئے دارالحدیث پہنچ جاتے، بلا عذر بیماری کے دیر حاضری اور غیر حاضری کا حضرت والا کے یہاں سوال ہی نہ تھا، حضرت والا سفر بہت کم کرتے تھے بلکہ اخیر عمر میں اسفار بالکل موقوف تھے، اس لئے عدم حاضری کا امکان ہی نہ تھا اگرچہ نہایت مصروفیت یا شدید عذر کی بناء پر کبھی کبھی درس موقوف ہو جاتا ورنہ حتی الامکان اسباق کی پابندی کرتے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اس کی تلقین کرتے، جس سال احقر دارالعلوم دیوبند میں معاونت تدریس کی خدمت پر مامور تھا، اس وقت تعلیمی سال کے آغاز میں منعقد ہونے والی اساتذہ کی میٹنگ میں احقر کو شرکت کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند کے سبھی چھوٹے بڑے اساتذہ تشریف فرما تھے حضرت والا بھی بحیثیت صدر المدرسین تشریف فرما تھے حسب معمول آپ نے اساتذہ کرام سے مخاطب ہو کر بطور رہنمائی کے چند باتیں بیان فرمائیں جس میں اسباق کی حاضری اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں امانت و دیانت کا پاس و لحاظ رکھنے کی تلقین فرمائی اس وقت حضرت کا انداز نہایت اچھوتا اور پیار بھرا تھا جو ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی آج تک ذہن کے ریکارڈ میں محفوظ ہے، حضرت کی اسباق کی پابندی حضرت کے تمام مستفیدین کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے جس کو اپنانے کی آج کے زمانے میں نہایت سخت ضرورت ہے۔

اساتذہ کرام اور مادر علمی سے محبت و عقیدت:

آپ مادر علمی اور اساتذہ کرام سے نہایت والہانہ تعلق رکھتے تھے ان سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے رہتے، مجلسوں میں ان کے محبت بھرے واقعات سناتے رہتے اپنے اساتذہ میں قاری بہادر خاں صاحب جو حضرت کے حفظ کے استاذ تھے کا تذکرہ نہایت کثرت سے کرتے، ان کی تعریف میں بہت رطب اللسان رہتے، اسی طرح اپنے استاذ تجوید جناب حضرت قاری حفظ الرحمن صاحب کا بھی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے ان سے بہت محبت و عقیدت کا اظہار کرتے، اپنے اساتذہ میں آپ کو سب سے زیادہ عقیدت و محبت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے تھی کیوں کہ وہی آپ کے مربی و مصلح بھی تھے، اس لئے آپ ان کو محسن مانتے اور ہر لمحہ ان کی ممنونیت کا اظہار کرتے ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے، اور عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی کا نہایت ہی عقیدت مندانہ تذکرہ کرتے، ان کی عظمت و کردار اور ان کے مجاہدوں کو بیان کرتے، اسباق میں بھی بسا اوقات حضرت مدنی کا تذکرہ کرتے، حضرت والا سے بخاری شریف کا درس لینے والے طلبہ گواہ ہیں کہ آپ اپنے اساتذہ کے نام القاب و آداب اور ان کے مراتب کی رعایت کے ساتھ اس طرح لیتے جس

سے پورا احترام جھلکتا، اور جب بھی حضرت مدنی کی قربانیوں اور مجاہدوں کا تذکرہ کرتے تو آواز پر رقت کا غلبہ ہو جاتا، آنکھیں نم ہو جاتیں، ہر طالب علم صاف طور پر اس کو محسوس کرتا، آپ اپنے استاذ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خوب تذکرہ کرتے جس سے عقیدت کا اظہار ہوتا تقریباً سبھی اساتذہ اور محسنین کا تذکرہ رہتا، اساتذہ کے تذکرہ کے ساتھ موجودہ حالات کا بھی تذکرہ رہتا، دارالعلوم دیوبند چونکہ آپ کا مادر علمی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا میدان علمی بھی تھا، آپ نے زندگی کے بیشتر ایام دارالعلوم دیوبند سے وابستگی اور اس کی خدمت میں ہی گزارے تھے، اپنے شباب سے شیب تک کا زمانہ مادر علمی کی آغوش میں ہی بسر کیا تھا، اس وجہ سے آپ کو اپنے مادر علمی سے نہایت درجہ محبت تھی، تدریس کے ساتھ دیگر ذمہ

داریوں اور انتظامی امور میں دلچسپی لیتے، نہایت خوش اسلوبی سے ان ذمہ داریوں کو نبھا کر اپنے اسلاف کی روایات کی یاد تازہ کر دیتے، طلبہ کے درمیان دارالعلوم سے متعلق ہمیشہ اس انداز کی گفتگو کرتے جس سے ان کے دلوں میں دارالعلوم کی محبت اور عظمت و وقار قائم ہو جاتا، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند پر متعدد حالات آئے جو دارالعلوم اور پوری امت کیلئے باعثِ اذیت تھے، ایسے حالات میں حضرت نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے مفاد کو ترجیح دی اور ساتھ ہی اپنے اکابر و اساتذہ کی عظمت کا پورا پاس و لحاظ رکھا۔

فنِ ہیئت سے خصوصی دلچسپی:

درسِ نظامی میں شامل تمام علوم و فنون پر آپ کو مکمل مہارت اور کامل دستگاہ حاصل تھی، دورانِ تدریس آپ نے ہر فن کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں پڑھائیں تھیں مگر آپ کو فنِ ہیئت سے خصوصی مناسبت تھی جب تک یہ فن داخلِ درس تھا اس فن کی کتاب آپ کے زیرِ درس رہتی، آپ سے اس فن کا استفادہ کرنے والے چند حضرات اب بھی بقیدِ حیات ہیں اور اس فن سے متعلق حضرت کی دلچسپی اور مہارت کے معترف ہیں بعد میں جب درسِ نظامی میں جزوی تبدیلی کے دوران اس فن کو نصاب سے خارج کر دیا گیا تو آپ کا فنِ ہیئت کا درس بھی موقوف ہو گیا مگر اس فن سے دلچسپی برقرار رہی، آپ اس فن کی خصوصیات اور ضرورت کو بیان کرتے اگر کبھی مجلس میں یا درس میں احوالِ فلکیات کا ذکر آ جاتا، سورج گرہن اور چاند گرہن، دن رات کی تبدیلی کی بات چھڑتی تو حضرت والا فنِ ہیئت کی روشنی میں گفتگو فرماتے اور حاضرین خوب محظوظ ہوتے، ایک مرتبہ احقر اپنے چند مہمانوں کے ہمراہ بعد نماز عصر حضرت والا کی مجلس میں حاضر تھا، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء لیکر حاضر ہوئے جو لندن میں ہلالِ عید سے متعلق تھا (یہ مسئلہ کافی اختلاف کا موضوع رہتا ہے) ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کوئی دوسری تحریر بھی لئے ہوئے تھے، جس میں طلوعِ قمر اور غروبِ قمر سے متعلق کچھ ضابطے لکھے تھے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب نے وہ استفتاء سنایا پھر وہ ضابطہ سنا کر حضرت شیخ سے اطمینانی جواب چاہا، اس وقت حضرت نے جو فی گفتگو فرمائی اس سے حاضرین کو کافی اطمینان ہوا، حضرت اس فن کی ضرورت اور دلچسپی کی وجہ سے دوبارہ اس فن کو داخلِ درس کرنے کے مؤید تھے۔

دارالعلوم سے طویل وابستگی:

دارالعلوم دیوبند سے آپ کی طویل المدت وابستگی آپ کا ایسا امتیاز ہے، موجودہ زمانہ میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور زمانہ ماضی میں بھی شاید ہی اس قدر طویل المدت وابستگی کسی کو نصیب ہوئی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ وہ سعادت و فضیلت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔

”اس سعادت بزورِ بازو نیست“

تقریباً ۶۵ سال تک تو آپ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہو کر فیضانِ علم و ہدایت کے گہر لٹاتے رہے، اگر اس مدت میں تحصیلِ علم کی مدت بھی ملائی جائے تو تقریباً ۷۰ سال ہو جاتے ہیں جو موجودہ زمانہ کے اعتبار سے نہایت طویل مدت ہے آج کے موجودہ زمانہ ساٹھ یا ستر سال کے سفر میں آدمی دنیا سے عموماً رخصت ہو جاتا ہے، خال خال لوگوں کو ہی اس قدر طویل عمر اور طویل خدمت کا موقع ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عمر طویل عنایت فرمائی اس کا بیشتر حصہ علومِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں ہی صرف ہوا، آج دارالعلوم دیوبند میں چھوٹے بڑے سبھی اساتذہ تقریباً آپ کے شاگرد ہیں بلکہ ہندوستان میں موجودہ علماء کرام کا اکثر طبقہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا فیض یافتہ ہے ملک و بیرون ملک آپ کے فیض یافتگان کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں جو علومِ دینیہ کی خدمات میں مصروف ہیں، ان سب کیلئے آپ اکابر اسلاف کے سچے نمونہ اور ان کے روایات کے صادق پاسبان تھے۔

اندازِ گفتگو:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن ہر طرح کی خوبیوں سے نوازا تھا، حسنِ سیرت، حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ صوت سے بھی وافر حصہ آپ کو عطا ہوا تھا، عمر کی درازی، ضعف و نقاہت کے باوجود آواز اس قدر بلند، صاف ستھری اور سنجیدگی لئے ہوئے تھی کہ سننے والا گرویدہ ہو کر رہ جاتا، درسِ حدیث کے دوران اگر کبھی بجلی بھاگ جاتی تب بھی آپ کی آواز تمام طلبہ تک پہنچتی رہتی اور ہر طالبِ علم اس کو باسانی سنتا، آپ اپنی آواز سے ہر جگہ پہنچانے جاتے، طلبہ

یا اساتذہ سے گفتگو نہایت وقار و محبت بھرے انداز میں کرتے آپ کے بولنے، گفتگو کرنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، آپ کے ہر ہر عمل سے عظمت و وقار جھلکتا، اخیر عمر میں پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود مسلسل دو تین گھنٹہ درس دیتے تھے، دورانِ درس آپ کی نشست نہایت باوقار اور عالمانہ ہوتی، حسب موقع نصیحت اس انداز سے فرماتے کہ سننے والا آپ کی عظمت کا قائل ہو جاتا، آج آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی یہ صفات ہم سب کیلئے مشعلِ راہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم لوگوں کو آپ کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



مولانا نصیر احمد خان صاحب

نسیم اختر شاہ قیصر

استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

علم مستقل اپنے ٹھکانے بدلتا اور دولت گردش میں رہتی ہے یہ دونوں چیزیں کسی کی اجارہ داری قبول نہیں کرتیں نہ علم کو سکون نہ دولت کو قرار، دونوں کے پیروں میں چکر آج کسی کے گھر کی رونق تو کل کسی کے گھر میں اجالا، دونوں اپنے مزاج اور فطرت کے اعتبار سے تغیر پذیر یعنی آج کسی پر مہربان تو کل کسی کے گلے کا ہار، ہندوستان کی علمی تاریخ میں بہت سے خاندانوں نے وہ جن کی علمی شہرتوں کا سورج برسا برس سوا نیزے پر ہی رہا اور کچھ خاندان وہ جہاں علم تھوڑے دن کا اور آگے بڑھ گیا ایک نسل کے بعد بہت بار تو یہ دیکھا گیا کہ علم تو کیا تہذیب، گفتگو، طرز زندگی اور نشست و برخاست کسی سے بھی یہ نہیں جھلکتا کہ یہ اتنے بڑے علمی خاندان کے فرد ہیں یا ان کے بڑے اس مقام اور اس درجہ کے تھے علم سے مکمل دوری بلکہ قطع تعلق چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھ لیجئے کہیں بھی یہ احساس نہیں جاگتا کہ یہ کسی علمی خاندان کے فرد ہیں علم رخصت ہوا تو پھر اس گھر اور دہلیز کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، دولت آئی بے پناہ برسی، آنکھیں چکاچوند ہو گئیں، دور دور تک اس کے اثرات اور نشانات واضح، ایک نسل یا چند نسلوں تک دولت نے اپنے جلوے بکھیرے اور آگے بڑھ گئی۔

پھر اسی میں یہ تقسیم بھی کر لیجئے کہ ہر کوئی پیدائش سے عالم یا فاضل نہیں گم نام خاندان سے تعلق نہ کوئی شناخت اور پہچان اس خاندان کا کوئی فرد علمی راہوں پر چلا ذاتی محنت، مسلسل مطالعہ اور تکرار اور کردار و عمل کا تحفظ و وظیفہ زندگی بن گیا یعنی خود کو مکمل طور پر علم کے سپرد کر دیا تو علم نے بھی اپنے بازو پھیلا دیئے مقبولیت، مرجعیت اور شہرت کے دروازے کھل گئے پھر چند قدم ہی چلے اور قصہ تمام نہ کسی کی زبان پر ان کا نام اور نہ کسی مجلس میں ان کا تذکرہ، ایسے ہی کوئی نہ جدی رئیس محنت کی، جدوجہد کی انتہاء کر دی اور راحت و آرام کو برسوں کے لیے خیر باد کہہ دیا نتیجہ ظاہر کہ دولت اس گھر کی باندی بن گئی مگر جب سب کچھ تلیٹ ہوا تو نہ علم رہا اور نہ دولت۔

دارالعلوم دیوبند مختلف جہات اور سمتوں میں اپنی خدمات اور کارناموں سے جانا جاتا ہے دفتری نظام الگ اور جداگانہ موضوع ہے مگر یہاں ہمارا منشا درس و تدریس سے وابستہ افراد کا تذکرہ مقصود ہے گذشتہ ایک سو پچاس سال یعنی ڈیڑھ صدی کے اس طویل عرصہ میں ہزاروں صاحب فضل و کمال افراد اس کی گود میں پرورش پا کر دنیا بھر میں پھیل گئے اور کچھ اللہ کے فضل سے مادر علمی کی علمی خدمت پر مامور ہوئے اور ناموری حاصل کی کتنے گوہر آبدار ہیں جن کا تذکرہ کئے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں مگر اس وقت ہماری نگاہوں کا مرکز استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت ہے جو اپنی ذات میں علم اور عمل کا ایسا سنگم ہے کہ جن زندگی ہر سمت سے اجلی اور روشن ہے دارالعلوم دیوبند میں پچاس سال سے زائد تدریسی خدمات انجام دینے والا یہ انسان گھر سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے گھر کے درمیانی راستے میں ہی آتا جاتا دکھائی دیتا رہا گویا بابت اہتمام کی ذمہ داری بھی سالہا سال نبھائی مگر بنیادی طور پر ان کا میدان و میدان تدریس ہی رہا سنجیدہ، بردبار، متین، خاموش طبع، پوری دیانت کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دینے کی لگن، بخاری جلد اول ہمیشہ ان سے متعلق رہی اور انہوں نے اس کا حق خوب خوب ادا کیا کوئی دوسری مصروفیت اور دلچسپی ایسی نہیں جہاں ان کا وقت گزرے دفتر اہتمام یا دارالحدیث ان کی علمی اور عملی جولانیوں کا مرکز، نہ اسفار، نہ تقریر و خطابات، عوامی پہچان سے کوسوں دور، اتنے عزت پسند اور گوشہ گیر کہ اگر نہ بتایا جائے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہیں تو ان کے بارے میں بہت سے بے خبر۔

ان کی زندگی ایک خاص رنگ اور قالب میں ڈھلی ہوئی اس رنگ سے باہر قدم نکالنا اور اس قالب سے ہٹ کر کسی دوسری دنیا سے تعلق قائم کرنا انہیں منظور نہیں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی جیسے اساطین علم کے قدموں میں بیٹھ کر علمی مراحل طے کئے کچھ وقت دوسرے مدرسوں میں تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور

اس طرح دارالعلوم سے وابستہ ہوئے کہ طویل زمانہ گزر گیا کہیں اور پلٹ کر نہیں دیکھا ابتدائی کتابوں سے لے کر انتہائی کتابوں تک کامیاب تدریسی سفر رہا اور آخر منزل بخاری شریف قرار پائی میرے علم، خیال اور اندازہ کے مطابق ۳۵ سال سے زائد بخاری شریف کا درس دیا اس عرصہ میں آپ کے ہزار ہا شاگرد ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مدارس میں پہنچ کر اپنے استاذ کا نام روشن کر رہے ہیں اور یہ ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے جو ان شاء اللہ العزیز قیامت تک باقی رہے گا۔

احقر کو ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی سبق ان کا آسان اور سہل، طلبہ کی فہم اور سمجھ کے بے حد قریب، ایک خاص انداز میں گفتگو کا آغاز، ٹھہرا ہوا اور پرسکون لب و لہجہ، تقریر نہ طویل اور مختصر، کتاب کا حق ادا کرنے کا جذبہ اور جنون، ہاں جہاں ضرورت ہوتی وہاں طویل گفتگو سے احتراز بھی نہیں سلجھے ہوئے انداز میں درس دیتے اور طلبہ پورے طور پر مطمئن، تقریر ان کا میدان نہیں اسٹیج پر شاذ و نادر ہی نظر آتے اور بہت کم مواقع ہیں جب خوش قسمتوں کو ان کی تقریر سننے کا شرف حاصل ہوا ہو، میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مولانا تنہائی پسند ہیں اور بھیڑ بھاڑ سے دور ہی رہتے ہیں خرابی صحت کی وجہ سے تدریس سے بھی دور ہو گئے اور اس طرح ایک علمی نقصان ہوا مگر مولانا عمر اور صحت کی جس منزل میں ہیں وہاں اس سلسلہ کو باقی رکھنا بھی بے حد مشکل تھا وہ نیک خو، نیک طبع انسان ہیں اور زندگی بھر ان کا یہ امتیاز قائم رہا جو حدود انہوں نے اپنے لیے متعین کی تھیں ان حدود سے کبھی باہر نکل کر نہیں جھانکا، قدیم اقدار اور پرانی روایتیں جن لوگوں کے دم سے زندہ ہیں یا جو لوگ نمونہ کے طور پر باقی رہ گئے ہیں ان میں مولانا مدظلہ کا نام بھی شامل ہے بہت سے اصحاب علم و فضل اور ارباب کمال کو انہوں نے دیکھا ان کی عادات، معمولات کا قریب سے مشاہدہ کیا اور خود کو اسی سانچے میں ڈھال لیا عمر بھر اسی پر کار بند رہے یہ بڑی بات ہے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں اتنا منہمک اور مستعد ہو ان کی ذات اور شخصیت پر بہت کچھ لکھا جاسکتا اور بہت سے پہلو ہیں جن پر خامہ فرسائی کی جاسکتی ہے مثلاً انہوں نے تصنیف و تالیف کے کاموں کو ہاتھ نہیں لگایا کوئی کتاب ترتیب نہیں دی کسی کتاب کی شرح نہیں لکھی اور نہ ان کے افادات ہی منظر عام پر آئے یہ ایک بڑا خسارہ ہے شاید اس کی تلافی کا وقت بھی گزر چکا جماعت دیوبند کے جو افراد اس وقت ۸۰ سے اوپر کے لپیٹے میں ہیں ان میں مولانا مدظلہ کا نام فہرست اول میں ہے خدا ان کی عمر دراز فرمائے اور صحت و عافیت عطا کرے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کی تدریسی زندگی کا ایک خوبصورت عنوان رہے ہیں۔



شیخ نصیر احمد خان

علم حدیث کے کوہِ ہمالہ تھے

از: سہیل اختر قاسمی

عظیم دینی و مذہبی دانش گاہِ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر ۳۲ سال سے براجمان رہنے والے، علم حدیث کے کوہِ ہمالہ اور درسِ نظامی کے ماہرِ مخلص سابق شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب پر سوں رات ہمیشہ کے لئے دارفانی کو سدھار گئے ہیں۔ خاں صاحب کی وفات پر حسرت کی خبر نے سچ مچ ان دلوں کو دہلا دیا ہے جن میں علم حدیث کی عظمت کے ساتھ اس کی درایت کی صفات ہوتی ہیں۔ علم حدیث تو قدسی علم ہے، اس کا رابطہ کسی خاص مکتب فکر یا مسلک سے نہیں ہوتا اور نہ کسی نظریہ سے، علم کا نظریہ مشترکہ طور پر سب کے لئے قابلِ افتخار و اعتراف ہوتا ہے، خصوصاً علم حدیث جس کی عظمت و حیثیت مانند قرآنِ مسلم ہے۔

علم حدیث پر گہری نظر، اس کی تدریس و مطالعہ کا وسیع تجربہ، اس کے اختصاصات پر کامل واقفیت اور اسکے عروض و آہنگ سے گہری مناسبت رکھنے والے عالمِ دین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے انتقال سے علمی حلقوں میں ایک سن کر دینے والی خاموشی پائی جا رہی ہے۔ میدان حدیث میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے چہروں کی لکیریں غم و حزن سے سرخ ہو چکی ہیں، خصوصاً طالبین و دارسین ایک ایسے آبشار سے محروم ہو چکے ہیں جس کے ہر قطرہ میں علم حدیث کی بو، پاکیزگی اور نفاست جھلکتی تھی، جس کا ہر سیل علمی لطافتوں اور فنی و فہمی تجربات کی عکاسی کرتا تھا اور اس کا واقعی قلبی سرور کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔

حضرت مرحوم کو تدریس و تعلیم کا پچاس سالہ تجربہ تھا وہ واحد ایسے شخص تھے جنہیں درسِ نظامی کی ہر کتاب پر اختصاص حاصل رہا تھا، حضرت شیخ جہاں علوم و معارف کے تاجور تھے وہیں صلاح و تقویٰ اخلاق و کردار اور عادات و اطوار میں بدرِ کامل بھی تھے۔ حضرت مرحوم ۱۳۳۵ھ میں بلند شہر کے ایک قصبہ "بسی" کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد باوجود اس کے کہ وہ انگریزی فوج کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، علماء نواز اور مولانا خلیل احمد امیٹھوی کے مرید تھے، انکے والد ماجد عبدالشکور خاں دینی غیرت اور اس پر جان و مال قربان کرنے کا جانشانہ جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الہند کے "ترکِ موالات" کے اعلان کے بعد وہ انگریزی ملازمت سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہو کر کاشت کاری میں لگ گئے۔ والدہ بھی انتہائی پارسا اور نیک طبیعت تھیں۔ حضرت شیخ نے از اول تا آخر تعلیم اپنے برادرِ کبیر مولانا بشیر احمد خاں صاحب (جو کہ اس وقت مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے) کے پاس حاصل کی، بعد ازاں جب ۱۳۶۲ھ میں مولانا بشیر احمد خاں صاحب بحیثیت مدرس دارالعلوم، دیوبند تشریف لائے تو وہ بھی ان کے ساتھ آگئے اور اس وقت موجودہ اکابر مولانا حسین احمد مدنی شیخ الادب مولانا اعجاز علی وغیرہ سے استفادہ حدیث کیا اور ۱۳۶۳ھ میں از سر نو دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ تک تفسیر و قرأت، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور طب و حکمت جیسے اہم علوم و فنون پر اختصاص کیا، اسی سال وہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۹۱ھ تک میزان سے لے کر موقوف علیہ تک کی ساری کتابیں پڑھا ڈالی اور اس درجہ تجربہ حاصل کیا کہ ہندوستان میں بیک وقت درسِ نظامی پر گہری نظر رکھنے والے اساتذہ و علماء میں ان کے ہم پلہ کوئی نہ تھا، ۱۳۹۱ھ سے لے کر ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی معروف کتابیں، موطا امام مالک، طحاوی، ترمذی اور مسلم وغیرہ آپ کے زیرِ درس رہیں اور تا آنکہ ۱۳۹۷ھ میں بخاری شریف پڑھانے کا موقع ملا جو وفات سے قبل تک مسلسل اور پیہم پڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ حضرت مرحوم ایک متقی، خدا ترس اور شریف عالمِ دین تھے، زندگی بھر علم و عمل سے لگاؤ رہا، حدیث سے بے انتہا لگاؤ اور سنت پر عمل رکھتے تھے، تدریس کا زالا انداز تھا، ان کا کلام انتہائی عام فہم مگر علم و فن سے لبریز ہوتا تھا ۹۵ برس کی عمر گزارنے کے بعد بھی بلند آواز تھی، اس عمر میں بھی گفتگو صاف ستھری، واضح اور حیرت انگیز تھی، عالمانہ لب و لہجہ اور معتدل انداز کے حامل تھے، رعب و وقار کا یہ عالم تھا کہ جدھر سے بھی گزر جاتے

ایک مجمع ان کے ادب میں اٹھ کھڑا ہوتا، جدھر سے بھی وہ گزرتے طلبہ کی ایک بھیڑ ان کے جلو میں ہوتی تھی۔

حضرت مرحوم ایک رحم دل استاد تھے، اتنے اعلیٰ منصب کے باوجود نہ کبھی شیخی بگھاری اور نہ کبھی اس کا ناجائز استعمال کیا دارالعلوم کے نائب مہتمم اور صدر مدرس ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی بھی ناجائز رعب دکھانے کی کوشش بھی نہ کی، وہ اپنے عہدہ اور ذمہ داری کے تئیں مخلص تھے، دارالعلوم دیوبند کی خدمت اور ارتقاء ان کا مقصد ہدف تھا طلبہ دارالعلوم کو باشرع اور با تہذیب بنانے کے لئے وہ ذمہ داران دارالاقامہ کو مستقل ہدایات دیتے رہتے تھے، ایک بار مادر علمی میں ایک ناگوار قضیہ پیش آیا تھا، جس سے مادر علمی کی عصمت پر آنچ آرہی تھا اس قضیہ کے پیش آنے پر وہ بہت ناراض ہوئے اور جو جو طلبہ اس میں شریک تھے انہیں فوراً دارالعلوم بدر کر دیا، ان کا کہنا تھا کہ دارالعلوم امت کی میراث ہے، اس کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

حضرت مرحوم کو حسین احمد مدنیؒ کے انتقال کے بعد قاری محمد طیبؒ سے خلافت عطا ہوئی تھی مگر انہوں نے اس خلافت کو کبھی بھی پیشہ نہ بنایا، تا آنکہ پیری مریدی کی زحمت سے بھی بچے رہے وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ بچو میرا مزاج نہیں ہے، پیری مریدی میرے بس کا روگ نہیں ہے، یہ تو بڑے لوگ کرتے ہیں۔ حضرت مرحوم گوشہ گیر، تدریس و تعلیم کے لئے یکسو اور دارالعلوم کی خدمت کے لئے ہمدن متوجہ رہتے تھے۔ تنازعات سے دور خرافات سے گریزاں اور مناقشات سے بد دل تھے۔ حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد و مرید ہونے کے باوجود کبھی بھی انہوں نے ملکی منظر نامے پر آنے کو گوارہ نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ یکسو رہے اور آخر حیات تک یکسو رہے تا آنکہ جمعیت کے تنازع پر بھی ان کا رویہ خاموش رہا تھا۔ وہ ایک دلچسپ ترین اور بھرپور انسان تھے۔ تواضع، حلم و بردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی اور صلاح و تقویٰ کے حامل تھے، ان کی انہیں صفات کی بنا پر دارالعلوم کے ہر خاص و عام، طلبہ، اساتذہ، ملازمین اور تمام متعلقین دارالعلوم میں محبوب شخصیت کے مالک تھے، وہ تواضع کی عملی مثال تھے۔ ان سے کبھی کوئی غلطی یا چوک ہو جاتی تو بر ملا اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے، بلکہ بعض مرتبہ اگر اپنے شاگردوں کو ڈانٹ دیتے تو وہ دوسرے وقت بلا تامل معذرت خواہی کرتے ہوئے نظر آتے۔ الغرض ان تمام خصوصیات کے حامل ایک فرشتہ صفت انسان کے چلے جانے سے اس دنیا میں نیک بندے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان کی شخصیت اسی طرح کی تھی جیسی بیان کی جا رہی ہے، وہ صحیح معنوں میں ایک کامل انسان عظیم محدث اور بہترین عالم دین تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور کر دے۔



دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خلیل الرحمن قاسمی برتی

امام و خطیب مسجد الفاروق و کیمس ٹاؤن بنگلور

اخلاص کامل، خشیت الہی، آخرت کی فکر، خود اعتمادی، خلق خدا سے محبت، دنیا سے بے نیازی، عشق الہی کی سرمستی اور سنت نبوی سے کامل شیفنگی، بدعات و خرافات کی بیخ کنی، تبلیغ و دعوت میں ہمہ تن مشغولی، تواضع و خاکساری، جاں سپاری و شب بیداری علم و عمل کی بے پناہ جامعیت، اللہ واسطے کی دوستی و دشمنی، دین کا درد، امت کی فکر، علوم کتاب و سنت کی نشر و اشاعت، درس و تدریس، کردار کی پختگی، سلف صالحین کی سچی محبت، علماء و ائمہ مجتہدین و اولیاء اللہ سے شرعی عقیدت و احسان مندانہ احترام، مدارس عربیہ میں رائج جدید و قدیم تمام علوم میں کمال، فن حدیث میں لاثانی، دوسروں سے پہلے اپنی فکر اور عمل، بے پناہ علمی مجاہدہ، کثرت مطالعہ اور طلبہ کو گھول کر پلا دینے والا عظیم جذبہ، اسلاف کی پاکیزہ روایات کے حامل، ظاہر و باطن دونوں میں نورانیت و یکسانیت، خوبصورت، خوش گفتار و خوش وضع ان تمام خوبیوں کے جامع تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو اب ہمارے درمیان نہیں رہے موصوف ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ کو ضلع بلند شہر کے موضع بسی میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن پاک کی تکمیل گاؤں میں کی، بعد ازاں فارسی و عربی کی جملہ درسی کتابیں مدرسہ منبع العلوم گلاٹھی ضلع بلند شہر میں پڑھیں، یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر اداروں میں سے ہے، اور اس کے بانی بھی دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ ہیں، اس مدرسے کے مستفیدین میں ملک کے نامور علماء کرام شامل ہیں ۱۳۶۲ھ میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا بخاری شریف آپ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جیل کے دنوں میں بخاری و ترمذی کے بہت سے اسباق حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے، دورہ حدیث سے فراغت کے بعد تین سال ۱۳۶۳ھ ۱۳۶۴ھ ۱۳۶۵ھ دارالعلوم میں فنون و قرأت کی تکمیل میں صرف کئے۔ قرأت میں آپ کے استاذ شیخ القراء حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پرتا بگڑھی ہیں۔ ان سے تجوید حفص اردو، مشق حد و ترتیل اور قرأت سبعہ و عشرہ کی، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں سرفہرست حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ ٹٹک حضرت مولانا عبدالحق ملتانی رحمہم اللہ ہیں۔ واضح رہے کہ دارالعلوم دیوبند آنے سے پہلے درسیات کی زیادہ تر کتابیں آپ نے اپنے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب سے پڑھی ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۶۵ھ کے اواخر میں تدریس کے لئے دارالعلوم میں آپ کا انتخاب ہوا۔ اللہ نے آپ کو صلاح و صلاحیت دونوں سے نوازا تھا، اس کا اعتراف آپ کے تمام اساتذہ کو تھا، جیسا استعداد اور بھرپور صلاحیت کے حامل ہونے کے باوجود آپ تدریس میں جاں گسل محنت کرتے، دیرات تک مطالعہ آپ کا ہمیشہ کا معمول رہا، اوائل تدریس میں جب آپ کو نفحة العرب پڑھانے کے لئے دی گئی تو آپ نے حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ یہ کتاب آپ سے پڑھوں گا پھر پڑھاؤں گا۔ مولانا نے قلتِ وقت کا عذر کیا، اصرار کرنے پر تہجد کا وقت پڑھنے کے لئے متعین کیا، چنانچہ مولانا مرحوم بزمانہ تدریس پورے سال تہجد کے وقت حضرت مولانا اعجاز علی قدس سرہ کے آستانے پر حاضر ہوتے رہے۔

مولانا مرحوم نے راقم سے یہ واقعہ خود بیان کیا اور کہا کہ حضرت مولانا اعجاز علی قدس سرہ کے پاس حاضری بطور تبرک تھی ورنہ کتاب الحمد للہ مجھے حل تھی، خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر کتاب محنت، لگن اور ترتیب سے پڑھائی، درسیات کی تمام کتابیں آپ کے زیرِ درس رہیں، آپ نے ہر کتاب کا حق ادا کر کے پڑھایا، آپ کے سبق میں عبارت کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہتا، سبق کی پابندی میں آپ ضرب المثل تھے۔

آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے علماء کرام کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں کئی ایک ملک و بیرون ملک کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں اور بہت سے ذی علم شاگرد آپ کے سامنے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے، آپ کی مسند کے جانشین دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری، علامہ دوراں مولانا قمر الدین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالحق مدرسی استاذ کبیر و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی، آپ کے قابلِ فخر تلامذہ میں سے ہیں۔

کم و بیش ۶۵ سال آپ دارالعلوم کی مسندِ تدریس پر فائز رہے چالیس سال درسِ حدیث آپ سے متعلق رہا، جبکہ خاص بخاری کا سبق ۳۲ رسال آپ سے متعلق رہا ۱۳۹۱ھ میں تعلیم و تدریس کے ساتھ آپ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو نیابتِ اہتمام کا منصب تفویض کیا گیا، جس کو آپ نے اخیر تک بحسن و خوبی انجام دیا۔

۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کا درس حدیث ہمیشہ مقبول رہا آپ کی درسی تقریریں عام فہم، مربوط اور مدلل ہوتی تھیں، آپ کا وہ منظر دیدنی ہوتا جب آپ بخاری شریف کے درس کے لئے صدر گیٹ کی طرف سے فدا یان شیخ کے جلو میں احاطہ مولسری میں قدم رنجہ فرماتے نورانی صورت، خوبصورت عمامہ، کبھی دوپلی ٹوپی، ہاتھ میں عصاء کمال سنجیدگی و وقار سے دارالعلوم کی سب سے بڑی درسگاہ دارالحدیث کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے تشریف لاتے، طلبہ آپ کو دیکھ کر منتشر ہو جاتے جو طلبہ دارالحدیث سے متعلق ہوتے وہ دارالحدیث کی طرف دوڑ جاتے اور طلبہ کی ایک جماعت احتراماً آپ کے پیچھے ہو لیتی۔ دل کو موہ لینے والا یہ منظر آج بھی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اور مادر علمی میں بیتے ہوئے لحات وہاں کی یادیں اور باتیں ضبط کا بندھن توڑ دیتی ہیں۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے، تواضع و انکساری اور ظاہر و باطن میں یکسانیت آپ کا خصوصی وصف تھا، کئی سال سے آپ علیل چل رہے تھے تین مرتبہ آپ کو عارضہ قلب کا صدمہ پہنچ چکا تھا، لیکن آپ تدریس میں مشغول رہے دو سال قبل انتہاء درجہ کی نقاہت وضعف کے باعث آپ نے تدریس سے سبکدوشی اختیار کر لی تھی، مولانا مرحوم قرآن کے عاشق تھے، قرآن کی تلاوت عمدہ لہجوں کے ساتھ کرتے تھے، بچپن سے آخر دم تک تلاوت قرآن کا معمول جاری رہا، اسی کے ساتھ بخاری شریف کی تلاوت کے بھی آپ عادی تھے، دارالعلوم میں تدریس بخاری شریف کی ذمہ داری سے پہلے سے یہ معمول تھا، اور وفات سے چند دنوں پہلے تک یہ معمول رہا۔

مزاج میں فطری یکسوئی ہونے کے باعث زیادہ اسفار کے عادی نہیں تھے بدرجہ مجبوری سفر کرتے، البتہ رمضان میں تمل ناڈو کے مشہور شہر کوئٹہ میں تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک لمبے عرصہ تک جاتے رہے، مولانا مرحوم چونکہ اچھے حافظ قرآن تھے، آواز بھی بڑی عمدہ اور بلند تھی، فنِ قرأت کے نشیب و فراز سے بھی اچھی طرح واقف تھے اس لیے تفسیر کی ذمہ داری کے علاوہ احباب کے اصرار سے تراویح میں قرآن پاک بھی خود سناتے، کوئٹہ میں شیخ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جن کی مجالیں آج بھی شیخ کی یادوں، باتوں اور تذکروں سے معمور رہتی ہیں۔

قدرت نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو اوصافِ نبوی سے نوازا تھا، آپ خوبصورت بھی تھے اور خوب سیرت بھی، خوش وضع اور خوش گفتار بھی تھے اور غیرت مند بھی، متواضع بھی تھے اور عزتِ نفس کے حامل بھی، صاحبِ علم بھی تھے اور پیکرِ عمل بھی، ذی وقار و ذیشان بھی تھے اور جلال و جمال کا حسین امتزاج بھی۔

بے شمار دیکھنے والے ہیں جنہوں نے دیکھا کہ دارالعلوم کے یہ صدر مدرس ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ کے شیخ الحدیث آنے والے مہمانوں کے لئے استقبال میں کھڑے ہو جاتے ہیں، خندہ پیشانی سے ملنا آپ کا خصوصی وصف تھا، حیرت کی انتہاء ہوتی جب دیکھنے والے دیکھتے کہ آنے والے مہمان آپ کے تلامذہ ہیں لیکن آپ ان کے لئے کھڑے بھی ہوتے اور چائے فنجان میں نکال کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن کو پیش کرتے۔

ختم بخاری کی مجلس میں آپ بہت طویل اور رقت آمیز دعا کراتے، مسلمانانِ عالم اور مراکزِ دینیہ و مدارسِ اسلامیہ بالخصوص دارالعلوم دیوبند کی

حفاظت کے لئے پرسوز انداز اور الحاح و گریہ کے ساتھ دعا فرماتے، اس مجلس میں طلبہ دورہ حدیث کا رونا بلبلا نامادری علمی اور مشفق اساتذہ کی جدائی کے صدمہ سے ان کا تڑپنا، عجیب موثر ماحول پیدا کرتا، جس سے ہر ایک کا دل رقیق ہو جاتا، اور خوب رور و کردعا مانگنے کی توفیق ملتی، آہ! وہ مجلس نہ رہی صدر مجلس بھی نہ رہے ۲۰۰۲ء میں ختم بخاری کی اس طرح کی آخری مجلس تھی اور ۴ فروری شب ۲۰۱۰ء کو مجلس کے صدر و گل سرسبداور جماعت دارالعلوم دیوبند کے سرخیل و سرپرست مالک حقیقی سے جا ملے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ۔

نوٹ: حضرت والا قدس سرہ کے تعلق سے احقر نے دو مستقل مضمون قلمبند کئے تھے، ان میں سے یہ مضمون حضرت والا کی وفات کے دوسرے ہی دن راشٹریہ سہارا بنگلور ایڈیشن میں بھی شائع ہوا تھا اور پھر ماہنامہ ”ترجمان دیوبند“ کے اپریل ۲۰۱۰ء کے شمارہ میں بھی شائع ہوا۔



شیخ زمن

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہ

ریاست علی قاسمی رام پوری

خادم الحدیث والافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امر وہہ

ماضی قریب میں برصغیر کی جن عظیم المرتبت شخصیات اور بلند پایہ ہستیوں کو قریب سے دیکھنے کا حسین موقع ملا اور ان کے پائندہ نقوش سے قلب ابھی تک متاثر ہے ان میں شہرہ آفاق محدث دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث کے تاجور، فخر الحدیث، استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب صدر المدرسین اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی بھی شامل ہے۔ جن کا ذکر جمیل مختصر طریقہ سے پیش نظر سطور میں کرنا ہے۔

خاندان اور تاریخ ولادت:

آپ کی پیدائش موضع ”بسی“ ضلع بلند شہر یوپی میں ۲۱ رجب الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ایک دیندار علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ شہباز خان مرحوم نے سب سے پہلے ”بسی“ ضلع بلند شہر کو اپنا مسکن اور وطن بنایا۔ آپ نسبی طور پر افغان بایذخیل داؤد دزدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب یادگار سلف نامی کتاب میں اس طرح درج ہے۔

”حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد و دخان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بایذخیل داؤد دزدی“

بحوالہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ ص: ۴ بابت مارچ ۲۰۱۰ء

آپ کے والد محترم جناب عبدالشکور خان زمیندار ہونے کے ساتھ سرکاری فوج میں ملازم تھے۔ حضرت شیخ الہند کی تحریک ”ترک موالات“ کی تائید میں اس وقت کے علمائے کرام اور مفتیان عظام کے فتوے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فوج کی ملازمت سے مستعفی ہو کر کاشتکاری کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا، اکابر علمائے کرام کے فتوے کی تائید میں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دینداری کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کے برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحب (متوفی ۱۹۶۶ء سابق استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے طالبان علوم نبویہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف عمل تھے۔ اس دور میں مدرسہ مذکور میں ازاول تا آخر مکمل درجات عربیہ مع دورہ حدیث شریف کی معیاری تعلیم ہوتی تھی۔ حضرت اقدس مدوح اس مدرسہ میں حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور طالبان علوم نبویہ کی پوری تہذیب کے ساتھ خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

پھر ۱۹۶۱ء مطابق ۱۹۴۱ء بحیثیت استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کی تعلیم و تربیت کی ابتدا اس مدرسہ میں ہوئی اور از ابتدا تا انتہا اپنے برادر اکبر مرحوم کی زیر نگرانی تعلیم و تحصیل علم کے جملہ مراحل کی تکمیل فرمائی۔ اور حدیث شریف بھی اس ادارہ میں آپ نے پڑھی

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے بعض کبار اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے ان خالی شدہ آسامیوں پر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک کا تقرر عمل میں آیا تو آپ بھی اپنے برادر اکبر کے سا

تھ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے۔ اور دوبارہ دورہ حدیث میں داخلہ لیکر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا شیخ الادب مولانا اعزاز علی امر وہوی اور دیگر کبار اساتذہ سے حدیث شریف پڑھی۔ پھر ۱۳۶۲ھ تک مختلف کتب و فنون، ہدایہ آخرین، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت، بیضاوی شریف، شرح چغینی، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، حمد اللہ، میرزا ہندو غیرہ پڑھیں نیز فن تجوید و قرأت (حفص، سبعہ عشرہ) کی تکمیل فرمائی۔ ساتھ ہی فن طب میں ”نفیسی، حمیات، قانونچہ، شرح اسباب کامل“ کا بھی درس لیا۔

اساتذہ کرام :

دارالعلوم دیوبند کے آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امر وہوی، مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب امر وہوی، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، مولانا شمس الدین صاحب گجرانوالہ مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھی، مولانا حکیم محمد صاحب دیوبندی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں بیشتر کتب اپنے برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحب کے پاس پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر :

ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں درجہ ابتدائی عربی میں بحیثیت استاذ آپ اک تقرر عمل میں آیا۔ اور میزان و منشعب، نحو میر وغیرہ ابتدائی کتب سب آپ نے تدریس کا آغاز فرمایا۔ اور مکمل سات سال تک انتہائی محنت، لگن اور پابندی وقت کے ساتھ آپ نے ابتدائی کتب پڑھائیں۔ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ میں درجہ وسطی (ب) میں ترقی عمل میں آئی۔ اور شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجہ وسطی (الف) میں ترقی ہوئی۔ اس دوران جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف اور دیگر مختلف علوم و فنون کی کتب آجنگاب کے زیر درس رہیں۔

درجہ علیا میں ترقی اور نیابت اہتمام کے لئے انتخاب :

صفر ۱۳۹۱ھ میں حضرت والا کو درجہ علیا میں ترقی دی گئی اور آپ کو رب ذوالجلال کی طرف سے ودیعت کردہ خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے مجلس شورائی نے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند منتخب فرمایا اس دوران آپ نے کتب حدیث میں موطا امام محمد، موطا امام مالک، مسلم شریف، طحاوی شریف کا کامیاب درس دیا نیز حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نائب کی حیثیت سے دارالعلوم کی ہمہ جہتی خدمت کرنے کی سعادت میسر ہوئی۔

منصب شیخ الحدیث پر انتخاب :

حضرت اقدس مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے ۱۹۷۷ء مطابق ۱۳۹۷ھ میں وصال کے بعد آجنگاب کو نیابت اہتمام کی عظیم ذمہ داری کے ساتھ مجلس شورائی نے شیخ الحدیث کا منصب جلیل تفویض فرمایا اور درس بخاری کا آپ سے متعلق ہوا اور آپ اہتمام کی ذمہ داری کے ساتھ بخاری شریف کا درس کامیابی کے ساتھ دیتے رہے۔ اور ۱۴۲۹ء تک بخاری شریف کی خدمت آپ سے متعلق رہی۔

فائز مقام صدر المدرسین :

حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مراد آبادی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد حضرت والا کو نائب مہتمم اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری کے ساتھ قائم مقام صدر المدرسین کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ اس عظیم منصب کو زینت بخشی۔ پھر اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بحرانی کیفیت پیدا ہوئی حتیٰ کہ دارالعلوم مقفل ہو گیا۔ اور کیمپ دارالعلوم میں تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر دارالعلوم کے دوبارہ کھلنے کے بعد مجلس شورائی نے حضرت مولانا معراج الحق صاحب کو صدر المدرسین کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا۔ اور حضرت والا نیابت اہتمام اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔

صدر المدرسین کے عہدے پر باضابطہ انتخاب :

۱۹۹۳ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں حضرت اقدس مولانا معراج الحق صاحب کے وصال کے بعد حضرت والا کو مستقل صدر المدرسین کے عہدے پر اراکین مجلس شوریٰ نے اتفاق رائے سے منتخب کیا۔ اور نیابت اہتمام اور شیخ الحدیث کی ذمہ داری آپ حسب معمول انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴۱۵ھ میں حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدرسی مدظلہ العالی اساتذہ حدیث دارالعلوم دیوبند کو نائب مہتمم بنا دیا گیا۔ اور حضرت والا سے نیابت اہتمام کی ذمہ داری ختم کر دی گئی۔ اس کے باوجود حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب بجنوری مہتمم دارالعلوم دیوبند جب بھی باہر سفر پر جاتے یا زیادہ وقت کے لئے اپنے وطن بجنور تشریف لے جاتے تو حضرت والا کو بحیثیت قائم مقام مہتمم تجویز فرما کر تشریف لے جاتے۔ اور ہر دو ناہین علیٰ حالہ اپنی مفوضہ ذمہ داری پوری کرتے رہے۔ شعبان ۱۴۲۹ھ تک حضرت والا صدر المدرسین اور شیخ الحدیث دونوں منصبوں پر فائز رہے پھر از خود مجلس شوریٰ میں تحریر دیکر کثرت امراض کی بنا پر امور مفوضہ سے سبکدوشی اختیار کر لی۔ اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں صرف حضرت والا ہی کا یہ امتیاز رہا ہے کہ اتنے عظیم منصب پر رہتے ہوئے از خود آپ ذمہ داری سے سبکدوشی کی پیش کش فرمائی ورنہ شوریٰ کے اکثر اراکین آپ کے تلامذہ اور علم و فضل میں ہر طرح سے آپ سے چھوٹے ہیں۔ اس طرح دارالعلوم دیوبند کے تمام ہی اساتذہ کرام کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ کسی کو بھی آپ کے بارے میں سوچنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت والا کی کل مدت تدریس تقریباً ۶۵ سال ہے۔ جس میں آپ نے تقریباً تمام ہی کتب درسیہ ابتداء سے انتہا تک خوش اسلوبی کے ساتھ پڑھائیں۔ اس طویل مدت کے اندر ۳۳ رسال بحیثیت شیخ الحدیث بخاری کا درس آپ سے متعلق رہا نیز ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۵۱ھ تک تقریباً ۲۵ سال آپ نے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہ کر مسند اہتمام کو زینت بخشی۔ دو سال سے زائد عرصہ تک قائم مقام صدر المدرسین کے منصب پر کام کیا۔

۱۴۲۱ھ تا ۱۴۲۹ھ تقریباً سترہ سال تک صدر المدرسین کا کلیدی عہدہ آپ کے وجود و باوجود سے فیض یاب رہا۔ غالباً تاریخ دارالعلوم میں ۶۵ سال کا طویل عرصہ دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کا کسی اور شخصیت کو حاصل نہ رہا۔ یہ بھی تاریخ دارالعلوم میں حضرت والا ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ بالآخر ۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز پنجشنبہ کو قبل صبح صادق علوم نبوت کا یہ آفتاب و ماہتاب ہمیشہ کے لئے دیوبند کی مقدس زمین میں غروب ہو گیا اور برصغیر ہندوپاک، بنگلہ دیش کا علمی و دینی خصوصاً اور پورا عالم اسلام عموماً ایک جلیل القدر عالم دین کے فیوض و برکات سے ہمیشہ کیے لئے محروم ہو گیا۔ اس دن بعد نماز ظہر احاطہ مولسری میں ہزار ہا ہزار علمائے کرام، مشائخ حدیث، مفتیان عظام، مشائخ طریقت اساتذہ کرام اور طلبہ ذوی الاحترام اور عوام و خواص کے جم غفیر میں حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور صدر جمعیۃ علمائے ہند کی اقتدا میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور قبرستان قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے
عیسوی لحاظ سے آپ کی عمر شریف ۹۲ سال اور ہجری کے اعتبار سے ۹۵ سال کے قریب ہوئی۔

فن ہیئت میں خصوصی امتیاز :

آپ کو معقولات اور منقولات پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ اور کسی بھی فن کی کتاب ہو آپ پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھاتے تھے، علم ہیئت میں تو آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا سا لہا سال دارالعلوم میں فن ہیئت کی تدریس آپ سے متعلق رہی بعد میں یہ سلسلہ موقف ہو گیا۔ اس فن کی معروف کتاب ”الفتحیہ“ پر آپ نے تحریر بھی فرمایا ہے۔ جو مکتبہ دارالعلوم دیوبند سے شائع بھی ہوئی ہے۔

تذکیہ نفس اور بیعت و ارشاد :

حضرت والا کو اپنے اساتذہ کرام میں سب سے زیادہ تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے تھا۔ اپنی درسی غیر درسی خصوصی اور

عمومی مجالس میں انتہائی والہانہ انداز سے آپ کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اور بعض دفعہ ان کے تذکرے پر آبدہ ہو جاتے تھے۔ تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد انہیں سے آپ نے بیعت و ارشاد کا تعلق قائم کیا۔ اور شیخ الاسلام کے بتائے ہوئے اور اوراد و وظائف پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا رہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور آپ کی رہنمائی میں سلوک و احسان کے مقامات رفیعہ طے فرمائے اور حکیم الاسلام کی جانب سے خلافت سے سرفراز ہوئے مگر پیری مریدی سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے اور ہمیشہ کہتے تھے۔ بچو! پیری مریدی ہمارے بس کا روگ نہیں یہ تو بڑے لوگ کرتے ہیں۔

خصائل و عادات :

حضرت الاستاذ قدس سرہ روایات کے محافظ اور دارالعلوم دیوبند کے مزاج و مذاق آدمی تھے، قدرت نے حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ مزین کیا تھا۔ چوڑے چکلے روشن پیشانی، سفید صاف ستھرا لباس پر کشش آواز حسن اخلاق اور حسن کردار کا مجسم نمونہ، آہ سحرگاہی سے چمکتا ہوا چہرہ، مسند درس پر جلوہ افروز ہوتے تو مرقع نور نظر آتے تھے، حضرت الاستاذ مرحوم و ممدوح کو ارحم الراحمین، رب کریم نے اپنی رحمت خاصہ کا مشہر بنایا تھا۔ وہ رحمت و رافت اور شفقت و محبت کا پیکر مجسم تھے۔ ہر وارد و صادر اور معمولی و استغنی رکھنے والے کے ساتھ بھی وہ انتہائی مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اور ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ حضرت والا کی شفقت اور محبت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ تو اضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ ہر قسم کی عظمت و جاہت کے باوجود کبھی بھی رعب و دبدبہ قائم کرنے اور اپنی برتری ثابت کرنے کی جانب معمولی سی بھی توجہ نہیں کی۔ ہر خورد و کلاں ملازمین اور غیر ملازمین سب ہی کے ساتھ آپ کا برتاؤ منصفانہ اور مشفقانہ تھا۔ حضرت ممدوح گوشہ گیر تدریس و تعلیم کے لئے یکسو اور دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے ہمہ تن متوجہ رہتے تھے۔ تنازعات و خرافات سے گریزاں اور مناقشات سے بد دل تھے۔ حلم و بردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی اور صلاح و تقویٰ اور ہر قسم کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھرپور انسان تھے۔

رب ذوالجلال نے آپ کو شان محبوبیت سے نوازا تھا۔ وہ پورے دارالعلوم میں طلبہ اساتذہ، ملازمین متعلقین سب کی نگاہ میں محبوب شخصیت کے مالک تھے۔ کبھی کسی بات پر کسی کو ڈانٹ دیا تو دوسرے وقت بلا کسی تاویل کے اس سے معذرت طلب کرتے نظر آتے۔ آپ کی طبیعت حد درجہ متین اور سادہ تھی۔ لب و لہجہ نہایت شیریں مگر آواز بلند تھی۔ حضرت والا علم نافع اور عمل صالح کا حسین سنگم تھے۔ شب خیزی آپ کا دائمی معمول تھا۔ عام طور سے تین بجے شب میں بیدار ہو جاتے تھے۔ جب تک ہمت رہی تہجد میں ایک منزل قرآن کریم پڑھتے تھے۔ تہجد کے بعد نماز فجر تک ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے۔ نماز باجماعت کی پابندی اور جمعہ کے دن اذان سے پہلے مسجد پہنچ کر نوافل و تلاوت میں مشغول رہنا۔ آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اس عالم و رنگ و بو میں جو عزت و وقار، فوقیت اور برتری کسی عالم دین اور صاحب درس کو حاصل ہو سکتی ہے، وہ بھلا اللہ ہمارے حضرت الاستاذ کو حاصل تھی۔ رب کائنات نے آپ کے قلب و زبان کو سلیم بنایا تھا۔ ان کی عام مجالس نہیں بلکہ خاص مجالس بھی شکوہ و شکایت اور غیبت سے پاک و صاف رہتی تھیں۔ آپ نہ خود شکایات کرتے نہ دوسروں سے شکایات سننا پسند کرتے تھے۔ تحمل و برداشت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ آپ ایک قابل ستائش مرد مومن تھے۔ جن کی ذات عالی ہر ایک کے لئے سایہ عاطفت اور سکینت تھی۔

بندہ نے شوال ۱۴۰۵ھ تا شعبان ۱۴۰۶ھ بخاری شریف جلد اول حضرت قدس سرہ کے پاس پڑھی اور سال کے بیشتر ایام عبارت خوانی کے لئے سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کا درس بخاری انتہائی مختصر اور جامع اور پرکشش ہوتا تھا۔ بعض دوران کسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے اور پورے مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا اور پھر ہر طالب علم آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ اس پورے سال میں بار بار خدمت کا موقع میسر آیا۔ اہتمام سے سبق کے لئے لینے بھی جانا ہوتا اور گھر پہنچانے کے لئے جانا ہوتا اور عصر بعد بھی مجلس میں حاضری ہوتی۔ اور قریب سے خوب دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ مختصر یہ کہ ع

بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

۲۰ شعبان ۱۴۰۶ھ کو حضرت الاستاذ الممدوح نے بخاری شریف کا آخری درس دیا۔ طلبہ عزیز کے علاوہ قرب و جوار اور دور دراز سے عوام الناس

بھی دعا کی غرض سے عرصہ دراز سے اس میں شرکت فرماتے ہیں۔ (اب یہ سلسلہ موقوف ہو گیا ہے) اس سال ہمارے ضلع رام پور کے کچھ حضرات حاضر ہوئے ایک صاحب جو دارالعلوم کی زیارت سے جو پہلی ہی بار مشرف ہوئے تھے۔ حضرت والا کو درس بخاری میں دیکھنے کے بعد اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے فرما نے لگے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جنت سے کوئی ہستی ابھی آئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بندہ سے تعلق و محبت :

شعبان ۱۴۰۶ھ میں دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آئندہ سال شوال ۱۴۰۶ھ تا شعبان ۱۴۰۷ھ بندہ نے دارالافتاء میں داخلہ لیکر ترمین فتاویٰ اور کتب فقہ و فتاویٰ سے استفادہ کیا۔ اس دوران بھی حضرت والا کی مجالس میں شرکت اور استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے۔ شوال ۱۴۰۷ھ حضرت الاستاذ قدس سرہ اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی قدس سرہ کے حکم پر احقر مدرسہ ”امداد الاسلام، کمال پور، ضلع بلند شہر“ میں مدرس ہو گیا۔ وہاں تدریس اور افتاء نویسی کا کام شروع کیا۔ اس دوران حضرت سے برابر مراسلت بھی جاری رہی اور دیوبند آمد و رفت پر ملاقات بھی ہوتی رہتی۔ ایک مرتبہ اس حقیر کی دعوت پر مشکوٰۃ شریف کے لئے کمال پور تشریف آوری کی سعادت سے بھی نوازا۔ پھر دو سال کے بعد ۱۴۱۰ھ کے اوائل میں حضرات اساتذہ کرام کے مشورہ سے بندے کا تقرر ”مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ“ میں ہو گیا۔ توفیق سے تعلق میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حضرت والا بھی ختم بخاری شریف کے موقع پر بکثرت تشریف لاتے اور احقر کی بھی دارالعلوم حاضری اور حضرت سے ملاقات بڑھ گئی۔ ایک مرتبہ ہاپوڑ آمد کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ ذرا خوب محنت کر لیجئے! پھر حضرت ہو جاؤ گے تو محنت نہ ہو سکے گی۔ یہ جملہ حضرت والا کا اب تک برابر یاد رہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جس قدر محنت ہو جاتی تھی اس کا عشر عشر بھی نہیں ہوتی ہے۔ مگر اس وقت کی محنت اور کتب بینی اس وقت بہت زیادہ معاون اور مددگار ثابت ہو رہی ہے۔ کچھ سالوں کے بعد احقر ارباب دارالعلوم دیوبند بحیثیت ممتحن دارالعلوم بلانے لگے۔ یہ ارباب دارالعلوم کی صرف ذرہ نوازی تھی ورنہ بندہ کی حیثیت کبھی نہیں رہی اور نہ ہی اس حیثیت کا کبھی خود کو تصور کیا۔ اس موقع پر حضرت والا سے ملاقات ہوئی، بڑی فرحت و مسرت کرتے اور پر تکلف ناشتہ کا اہتمام کرتے اور فرماتے کہ آج آپ خصوصی مہمان ہیں اور ہماری کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ غرض حضرت الاستاذ کمالات و حسنات کا مخزن ہیں۔ آپ کے کمالات اور خوبیوں کا احصاء ہم جیسے ناتوں لوگوں کے لئے حد درجہ دشوار ہے۔

آسمان تیری حمد پے شبنم ز فشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

افسوس اپنا آج وہ رہبر نہیں رہا

محمد سیف اللہ عرشی اندوری

خدا جانے ان آنکھوں نے کرب و بلا کے کتنے مناظر دیکھے ہیں اور کتنوں کا دیکھنا نوشتہ تقدیر میں مقدر ہے، یوں تو افکار و حوادث کے بہت سے سین دیکھ چکا، گردش زمانہ کے کتنے نقوش نگاہوں سے گذر چکے، جس کی وجہ سے میرا سینہ چھلنی چھلنی ہو گیا ہے اور یہ دور قحط الرجال کا ہے، یہ عالم ناسوت سرائے فانی ہے، جو آتا ہے، اسے جانا ہوتا ہے، تاریخ آج تک شاہد ہے اور رہے گی کہ کسی کی پیاسی زندگی نے آب حیات کا ایک قطرہ بھی حلق میں اتارا ہو لیکن اب محرومیت کے احساس اور جدائی کے تصور سے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، آنکھوں کے سمندر میں اشکوں کی موجیں آنے لگتی ہیں۔

ابھی سال گزشتہ یکم ربیع الثانی حضرت مولانا شبیر صاحب کے داغ مفارقت پہ چہروں سے اشکوں کے نشان ختم بھی نہیں ہوئے تھے، قلم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ پھر گزشتہ کل صبح صادق کے بعد منادی نے اذان پکار کر آلہ جہیر الصوت (Loud Speake) سے یہ صدا پر در دلب و لبجے میں حیران کن و جاں گسل خبر دی ”انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم کے سابق شیخ الحدیث و صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون بازگشت کرتی ہوئی صدادر آ میز صدا، کئی مرتبہ لگائی گئی حتیٰ کہ فضا بھی تھم گئی، درود یوار بھی ماتم کناں ہو گئے اور اساتذہ و علوم نبوت کے پر دانوں کا حال ناقابل بیان ہے۔

سب کی زباں پر یہی ہے کہ کیا ہوا کیسے ہو گیا؟ جسے جب خبر ہوتی خواہ وہ قریب ہو یا دور یکا یک زباں پر کلمات استرجاع جاری ہو جاتے اور مرحوم کے حق میں دعائیہ کلمات نکلتے ہیں، آخر یہ کیا ہوا کہ آج سب سے پہلے جسے قلم حفظ اللہ، دامت برکاتہم اور مدظلہ العالی کے الفاظ سپر قرطاس کرتے تھے، آج انہیں کو ”رحمۃ اللہ علیہ، قدس سرہ، برد اللہ مضجعہ“ لکھنا پڑ رہا ہے۔

ضرورت جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی

اندھیرا گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

یہ وہی علم و عمل کا آفتاب، حدیث و تفسیر کا مہتاب، معقول و منقول کا سیماب تھا جس نے ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ضلع بلند شہر کے موضع ”بسی“ میں آنکھیں کھولی، جب ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے ہی علاقے کے مدرسہ ”منبع العلوم گلاؤٹھی“ ضلع بلند شہر میں کیا اور بڑے انہماک و یکسوئی کے ساتھ مدرسہ ہذا سے علمی سفر کے تمام مراحل طے کرتے ہوئے سند فراغت حاصل کی۔

مرحوم کی یہی دل جمعی، یکسوئی اور یک در گیر و محکم گیر کی صفت عمر کے کسی مرحلے میں آپ کی ذات گرامی سے جدانہ ہو سکی اور نہ انقلاب دور، تغیر احوال اور رواں زندگی کے نشیب و فراز آپ کے پائے ثبات کو ڈگمگا سکے بلکہ یہ علم و عمل کا خوگر تمام طوفانوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ساحل تک پہنچنے کے عزم میں منبع العلوم سے فراغت کے باوجود اپنے قلب میں اکابر دیوبند کی علمی وراثت کو سنبھالنے کا جذبہ پیدا کیا اور ۱۳۶۲ھ میں ایشیا کی عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دوبارہ دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۳۶۳ھ میں تجوید و قرأت سبعہ عشرہ اور علوم عالیہ کی تعلیم سے فراغت پائی ۱۳۶۶ھ میں ازہر ہند دارالعلوم میں مسند درس کی زینت بنے، آپ کے مقبول درس کے پرکشش ماحول سے طلبہ لطف اندوز ہوتے رہے، پھر آپ کی علمی استعداد، انتظامی امور میں کامل دسترس، حلم و بردباری، صلاح و تقویٰ جیسے اوصاف حمیدہ کی بنا پر ۶ صفر ۱۳۹۱ھ کو ”نائب مہتمم“ کا سہرا آپ ہی کے سر پر رکھا گیا۔

بھلا سکیں گے نہ اہل وفا صدیوں تک

میری وفا کے میرے فکر و فن کے افسانے

دریں اثنا دارالاقامہ، شعبہ تعلیمات و دیگر شعبہ جات کی ذمہ داری بھی بحسن و خوبی سنبھالتے رہے، پھر مختصر زندگی میں وہ مبارک دن بھی آیا جب

۱۳۹۷ھ میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف جلد اول کا درس آپ کے سپرد کر دیا گیا، طلبہ کے مابین آپ کا درس ناقابل بیان حد تک مقبول بلکہ محبوب تھا اور درحقیقت اس مقبولیت کا سرچشمہ آپ کا غیر معمولی اخلاص، نفع رسانی میں فنائیت، حدیث پر مدلل اور مکمل دل نشیں بحث مزید برآں خداوند قدوس نے علم حدیث پر آپ کو خصوصی نظر عطا کی تھی اور آپ کا شمار ممتاز محدثین میں کیا جاتا رہا متانت و وقار، سنجیدگی اور عزم و ارادہ آپ کی زندگی کا حسین عنوان ہے اندازِ بیاں میں خوش گفتاری، خصوصاً تراجم الابواب کی جامع تشریح آپ کے درس بخاری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس انداز سے آپ کی علمی پگھٹ سے سیرابی کرنے والے بخوبی واقف ہیں۔

نطق کو سونا زہے تیرے لبِ اعجاز پر محو حیرت ہے ثریا رفعت پر واز پر

اور دن بدن آپ کی ترقی، درس کی مقبولیت آسمان چھوتی رہی، تمام ذمہ داریوں میں حسن تدبیر اور بہتر انتظام کی بنا پر شہرت کا سکہ رائج ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۴۱۲ھ میں صدر مدرس کے عہدے سے سرفراز کئے گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب کے بعد دارالعلوم دیوبند کے آپ دسویں نمبر کے صدر مدرس تھے اور عمر رواں کا آفتاب چلتا رہا حتیٰ کہ چہار دانگ عالم میں اپنی روشنی سے تاریکیوں میں اجالا کرتا رہا اور یہ سورج ڈھلتے ڈھلتے مغربی سمت میں شفقِ احمر نما روشنی دیتا رہا حتیٰ کہ ۱۴۲۸ھ میں بذات خود بخاری کی تکمیل کرائی درانحالیکہ اخیر عمر میں آپ کی طبیعت خراب رہا کرتی تھی لیکن پھر بھی اپنی علمی استعداد سے طلبہ کو فیضیاب کرتے رہے اور اس آخری سال کی تکمیل کے موقع پر شائع ہونے والی ڈائری میں اپنے چند کلمات عالیہ سے اس کی رونق میں چار چاند لگا دئے۔ اس تحریر کا عکس ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔ عزیزانِ گرامی قدر! آپ حضرات خوش قسمت اور قابل مبارک باد ہیں کہ آپ نے علم و عمل کی مثالی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے ایک مرحلے کی تکمیل کی ہے اور اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں، اللہ رب العزت قدم بقدم آپ کی حمایت و نصرت فرمائے اور جملہ شر و روفتن سے محفوظ و سلامت رکھے۔ (آمین)

عزیزانِ گرامی! میری نصیحت اس وقت یہی ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد علم دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کا تحفظ ہونا چاہئے، دین و شریعت کی مکمل پیروی آپ کا نصب العین ہو اور یاد رکھئے کہ اس وقت اسلام عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مخالفین اس کی پاکیزہ تعلیمات اور نام لیواؤں کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں، ایسے ناگفتہ بہ احوال میں آپ کی ذمہ داریاں مضاعف ہو جاتی ہیں کہ اسلام کو انسانیت کی ناگزیر ضرورت اور نجات دہندہ مذہب ثابت کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کے ساتھ خیر کثیر کا معاملہ فرمائیں، آمین، بندہ بھی آپ کی نیک تمناؤں اور دعاء کا طالب ہے۔

والسلام

نصیر احمد عفا اللہ عنہ



آپ کا یہ پیغام نہ صرف طلبہ کے لئے بلکہ تمام عالم اسلام کے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہے اور ۱۴۲۹ھ میں آپ کی طبیعت آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، اسی بنا پر کچھ ماہ تدریسی خدمات انجام دے کر یہ ذمہ داری ۱۷ سال صدارت کے بعد ۶۵ سال علمی خدمات انجام دے کر مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کے حوالے کر دی، آپ کی تدریسی زندگی کا یہ آخری سال تھا، بعد ازیں آپ اپنے گھر واقع محلہ لال مسجد دیوبند میں قیام پذیر رہے، یہ بھی آپ کا حسن اتفاق تھا کہ آپ کا گھر مسجد کی دیوار سے متصل ہے، آخر کار آپ مستقل مریض رہے، دن بدن بیماری شدت پکڑتی رہی اور شمعِ زندگی کی لو تھرتھرانے لگی، تکلیف کچھ زیادہ ہی بڑھتی رہی حتیٰ کہ شب کے تقریباً سوا دو بجے یہ آفتاب عالم تاب ہمیشہ ہمیش کے لئے داعی اجل کو لبیک کہہ کر راہِ دارِ بقا ہوا۔

سنبل بھی گیا گلشن بھی گیا بلبل پہ ہلاکت آتی ہے

اب خیمہٗ بستان سر پر ہے محفل کی نزاکت جاتی ہے

سفر تمام ہوا غسل دے رہے ہیں لوگ بدن سے گردِ مسافت اتارنے کے لئے ۱۰ ار بجے دارالعلوم میں تعزیتی جلسے کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے استاذِ حدیث علامہ قمر الدین صاحب نے مرحوم کی ذات پر مختصر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: آپ فطرتاً نیک و صالح تھے، تواضع آپ کے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ آپ کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی، تمام فنون میں مہارت رکھتے تھے، جماعت کی نماز کے بے انتہا پابند تھے اور جمعہ کے دن ہمیشہ صلوٰۃ التبیح پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے مختصر کلام کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری طلبہ سے مخاطب ہوئے اور مختصر فرمایا: میں نے حضرت علیہ الرحمہ سے شرح جامی پڑھی ہے، آپ نے تقریباً ۶۵ سال دارالعلوم کی خدمت کی، مزاج میں تواضع تھی، چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کا احترام کرتے تھے، اللہ ہمارے غم کو سکون میں تبدیل کر دے۔ آپ کے بعد اخیر میں مولانا عبدالحق صاحب شیخ ثانی کرسی پر کچھ کلمات کہنے کے لئے تشریف لائے، ارشاد فرمایا یہاں کے درودیوار آپ کی آواز سے گونج رہے ہیں، آپ ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے، آپ بخاری کا سبق پڑھانے کے بعد اپنی اقامت گاہ پر بخاری شریف کی عبارت پڑھا کرتے تھے، مراعاة الخلق مع رضاء الخالق کے مصداق تھے، آج تک کسی نے ان کی شکایت نہیں کی، سبھی ان کے مداح تھے، آج وہ اٹھ گئے لیکن بہت کچھ چھوڑ گئے، انتقال کی اطلاع ملتے ہی لوگ غموں میں ڈوب گئے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے زلات کو معاف فرمائے۔ پھر آپ ہی کی دعا پر یہ تعزیتی پروگرام (جس میں طلبہ کی کثیر تعداد شریک تھی) اختتام پذیر ہو گیا۔ ظہر کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں اتنا بڑا جم غفیر شریک تھا کہ اس مجمع پہ قابو پانا بہت مشکل تھا سلام پھیرتے ہی تمام لوگ بیک وقت جنازہ پہ ٹوٹ پڑے اور قریب کے لوگوں نے اس پیکرِ علم و عمل مجسمہ فضل و کمال کو کاندھے پر اٹھایا اور مجمع کو طوعاً و کرہاً چیرتے ہوئے، بمشکل مزارِ قاسمی پہنچے بعد ازاں مرحوم کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اس تنگ مکان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ سب نے ہاتھوں میں مٹی لے کر چہار جانب سے پہلی مرتبہ ”منہا خلقناکم“ دوسری مرتبہ ”وفیہا نعیدکم“ اور تیسری مرتبہ ”ومنہا نخرجکم تارۃً آخری“ کہہ کر مٹی ڈال دی اور خود موت کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہاتھ جھاڑ کر باہر نکلتے گئے۔

وہ مخزنِ علوم نبوت نہیں رہا اسلاف کا نمونہ و پرتو نہیں رہا
تھا جس پہ نازِ مادِ علمی کو دوستو افسوس اپنا آج وہ رہبر نہیں رہا



یاد گار اسلاف

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب[ؒ]

محمد زین العابدین قاسمی

خطیب و امام جامع مسجد وقاضی شہر و مہتمم مدرسہ فرقانیہ قاسم المعارف جامع مسجد بلند شہر

موت ایک اٹل اور ناقابل انکار حقیقت ہے، اللہ کی جانب سے جو وقت جس کی موت کا مقرر ہو چکا ہے بالکل اسی وقت میں اس کی موت کا واقع ہو نا یقینی ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی پس و پیش کی گنجائش نہیں ہو سکتی، ارشاد خداوندی ہے ”فاذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون“ (الاعراف: آیت ۳۲)

سو جس وقت ان کی میعاد معین میں آجائیگی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرنے والوں میں اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے سوگواروں کی تعداد مختصر اور جن پر غم کرنے والوں کا حلقہ محدود ہوتا ہے اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی ذات، کمالات اور گونا گوں خوبیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جن کی زندگی کا ایک ایک سانس علم دین کی اشاعت اور دوسروں کی نفع رسانی میں گزر جاتا ہے۔ جن کے بلند اخلاق و کردار کی آسمان کو چھوتی ہوئی بلندیوں کو دیکھ کر لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔ ایسا شخص جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو لوگوں کے ایک بڑے طبقے کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھودینے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا احساس اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی منتخب اور برگزیدہ شخصیات میں سے نمونہ سلف صالحین، یادگار اکابرین، جامع المعقول والمنقول، حسن ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ محدث جلیل، استاذ الاساتذہ جناب حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب[ؒ] شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی تھی جو ۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات تقریباً ۹۶ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ (ان اللہ وانا الیہ راجعون)

رہ رہ کر حضرت والا کی کرم فرمائیاں یاد آتی ہیں اور غم فراق تازہ ہو جاتا ہے۔ میرا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ بھی حضرت والا کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا۔

احقر حضرت استاذ محترم حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہنسپوری صدر مدرس ”مدرسہ قاسمیہ عربیہ اسلامیہ، بلند شہر“ کے ایماء پر قاری حبیب الرحمن صاحب بلند شہری ثم دہلوی کے ہمراہ دیوبند پہنچا۔ دوران داخلہ حضرت والا کے دولت کدہ میں سات آٹھ روز کے قیام کی سعادت حاصل ہوئی، ناشتہ و کھانے کا نظم بھی حضرت والا کے یہاں رہا۔ حضرت والا انتہائی شفت و محبت سے ضیافت فرماتے۔ حضرت والا کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ مہمانوں کو دیکھ کر حضرت والا کا چہرہ خوشی سے کھل جاتا تھا۔ ضعف کی وجہ سے ہاتھ میں لرزہ سا پیدا ہوتا، اس کے باوجود حضرت والا اپنے ہاتھوں سے چائے وغیرہ نکال کر دیتے اور جس وقت مہمانوں سے کہتے لیجئے بھئی کھائیے! حضرت والا کے کھانے کے لئے یہ ترغیبی جملے کھانے سے زیادہ مزیدار لگتے۔ پھر جب دارالعلوم میں قیام و طعام کا انتظام ہو گیا تو حضرت والا نے علاقہ بلند شہر کے طلبہ کو میرا خیال رکھنے اور میرے ساتھ خیر خواہانہ معاملہ کرنے کی تاکید کی اور آخر تک حضرت والا کی عنایتیں حاصل رہیں۔

آپ کے اوصاف و کمالات ایک ایک یاد آتے ہیں۔ علوم اسلامی میں مکمل مہارت، علم حدیث سے خصوصی مناسبت، علم دین کی اشاعت، وقت پر درس گاہ میں حاضری، درس کی پابندی، کبھی عشق رسول اور صحابہ و تابعین اور اکابرین میں دل بھرا آنا اور آواز کا بھاری ہو جانا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا نکل آنا، اساتذہ کا انتہائی ادب و احترام، ذمہ داری سے ذمہ داریوں کا نبھانا، معمولات کی انجام دہی، خلق خدا کی خدمت، عبادت و ریاضت، تقویٰ و دیانت بڑوں کا اکرام، خوردوں پر شفقت و رأفت، خوف و خشیت، خلوص و للہیت، مہمان نوازی، خود داری، حلم و بردباری، نیک نفسی، خیر خواہی، نرم مزاجی، رحم دلی، سادگی،

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کی شخصیت اسلاف کا کامل نمونہ تھی۔ آپ کے بعد آپ کے ان اوصاف میں ہمارے لئے رہنمائے نقوش موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ آپ سے حقیقی محبت کا تقاضا یہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اس عظیم صدمہ پر اجر جزیل عطا فرمائے (آمین)



دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

خدمات، حالات، تاثرات، خصوصیات

خلیل الرحمن قاسمی استاذ جامعہ ندوۃ الابرار، بنگلور

”اوفوہ!!! کیسے کیسے لوگ اٹھتے چلے جا رہے ہیں، ان کے ساتھ میرا ایک سفر حج ہوا، بہت سادہ طبع اور متواضع تھے، سفر حج کے موقع پر عام طور سے حضرت والا ٹھہرنے کی ترتیب میں مجھے اپنے ساتھ رکھتے“۔ یہ الفاظ تھے دارالعلوم سبیل الرشاد کے شیخ الحدیث اور مہتمم، امیر شریعت کرناٹک حضرت مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کے، جس وقت کہ احقر نے ان کو ۴ فروری کی صبح بذریعہ فون حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کی خبر دی..... وہ اوصاف نبوی کے حامل تھے۔ یہ عنوان تھا، مولانا ظفر ریاست علی بجنوری محدث دارالعلوم دیوبند کی اس تقریر کا جو انہوں نے حضرت کے سانحہ ارتحال کے موقع پر منعقد جلسہٴ تعزیت میں اساتذہ و طلبہ دارالعلوم کے سامنے گوش گزار کی۔

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کا وجود عجائب قدرت میں سے ایک نادر عجوبہ اور کرشمہ خداوندی تھا، اس دور میں ایسے لوگ مفقود ہیں..... ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔ حضرت مولانا یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم و خلیفہ حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب قدس سرہ نے..... سادہ طبعی حد درجہ تواضع و کسر نفسی، حق گوئی و بے باکی علم و عمل سے بھرپور و معمور، عشق الہی و محبت رسول، ہمدردی و محبت، خلق سے شفقت، اجلا کیریکٹ، صاف و شفاف کردار، تجربہ علمی، معقولات میں درجہٴ امامت، منقولات میں سمندر کی گہرائی، بے لوث بے غرض، اللہ ہی کیلئے جینا اور اسی کیلئے مرنا، کامل خلوص و احسان صدق و صفا، پاکیزگی اخلاق، مزی و مجلسی قلب، کدورتوں سے صاف سینہ، جود و سخاوت، حلم و ذکاوت قادر الکلامی و شستہ گوئی و قار و متانت اور جلال و جمال کا حسین امتزاج جو دیکھے پکاراٹھے ماہذا بشر ان هذا الا ملک کریم۔ ان تمام خوبیوں سے متصف تھے شیخ اول علامہ دوران حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خان صاحب۔ ان حقائق کا اظہار کر رہا ہے آج ہر وہ شخص جس نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، یا قریب سے آپ کو دیکھا..... بلاشبہ آپ سے پڑھنے والوں کی ایک خاص تعداد اللہ کو پیاری ہوگئی لیکن آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جو چہار دانگ عالم میں علم و عمل کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ اول کی رحلت کی خبر ان تمام فیض یافتگان پر صاعقہ آسمانی بن کر گری۔ سب رنجیدہ اور ملول ہیں، ہر ایک کو دکھ ہے، درد ہے، غم ہے۔ لیکن قدرت الہی کے سامنے سب بے بس و عاجز ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، وہ وقت مقررہ پر آتی ہے، اس وقت ایک منٹ کی بھی تقدیم و تاخیر ناممکن ہے۔ مضبوط قلعوں میں محفوظ رہ کر بھی موت سے نہیں بچا جاسکتا موت وہاں بھی آکر رہے گی۔

نبی، ولی، محدث، صوفی، فقیہ، عالم، جاہل، امیر، فقیر، کالے گورے، مسلم، غیر مسلم ہر ایک کو موت آئی ہے اور ہر ایک کیلئے مقدر ہے لیکن موت، موت میں فرق ہوتا ہے۔ بہت سے حضرات کی موت ان کیلئے حیات جاودانی کا پیغام لاتی ہے۔ وہ اپنے کارناموں کی بدولت زندہ رہتے ہیں، ان کی موت سے ایک عہد کا خاتمہ اور ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے وہ اپنے پیچھے ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کو اختیار کر کے ہزاروں لوگ منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی کے ہر لمحہ کو تاریخ اپنے سینے میں جگہ دیتی ہے۔

لاریب! شیخ اول نصیر احمد خان صاحبؒ انہیں رجالِ کار میں سے تھے جن کے نقوش کی روشنی میں قیامت تک آنے والی نسلیں روشنی حاصل کرتی رہیں

مولانا ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں بلندشہر کے ایک گاؤں "بسی" میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ خوش حال اور متمول تھا۔ آپ کے آباء واجداد مغلوں کے دور میں کابل سے آئے، اور ضلع بلندشہر میں دریائے گنگا کے کنارے بس گئے۔ ان سے وہاں بارہ بستیاں مختلف ناموں سے آباد ہوئیں۔ ان تمام بستیوں میں زیادہ تر انہیں مغلوں کے دور میں بسنے والے پٹھانوں کی اولاد ہے۔ ان بستیوں میں سے ایک بستی کا نام "بسی" ہے جو حضرت کا مقام پیدائش ہے زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹ اور رئیسانہ شان و شوکت کے ساتھ پٹھان اپنی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ خاں صاحب شیخ اول نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا زمینداری اور تمولی نے ہماری بستی والوں کو عیش پسند بنادیا تھا، بے شمار افراد شراب و کباب کے عادی تھے۔ اور گھمنڈ گویا ان کی گھٹی میں رچ بس گیا تھا۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آئے دن جگہ جگہ مجھے منعقد ہوتے، گھروں میں ناچنے اور گانے والیاں بلائی جاتیں۔ رات میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانے کا اتفاق ہوتا تو کئی گھروں سے رقاصاؤں اور مغنیات کے گانے کی آوازیں مستقل کا معمول تھا۔ عیش و نشاط اور تاریکی کے اس ماحول میں کئی گھرانے دین کے روحانی و حیات بخش ماحول اپنائے ہوئے تھے اور دینی اصول و ضوابط پر سختی سے کاربند تھے جسکے نتیجے میں اللہ نے ان کو علم و یقین کی دو ایسی شمعیں عطا کیں جن کی روشنی سے آج ان گنت افراد کے سینے نور نبوت اور علم و عرفان سے جگمگا رہے ہیں۔ شمع اول مہاجر مدنی حضرت مولانا عاشق الہی برنی اور شمع ثانی ہمارے مدد و مقصد حضرت شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا عاشق الہی صاحب آپ کے بچپن کے ساتھی اور قریبی رشتے دار تھے۔ عمر میں آپ سے چھوٹے تھے، دونوں ذہین، فطین، لا ابالی پن سے کوسوں دور، ہاں اتنا ضرور تھا جیسا کہ عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت نے خود سنایا کہ فارغ اوقات میں ہم بستی کے باہر دریا کے کنارے بیٹھ جاتے آموں کا ڈھیر اپنے پاس رکھ لیتے کچھ کھاتے اور جو کھانے کے قابل نہ ہوتے ان کو دریا میں پھینکتے اور پانی کے ساتھ آموں کی دوڑ اور مسابقت سے لطف اندوز ہوتے۔ ہندوستان کا یہ تاریخی دریا جس کے کناروں سے تاریخ کی اس عظیم اور دیگر بے شمار افراد کی یادیں وابستہ ہیں دریائے گنگا کہلاتا ہے۔

جب تقسیم ہند کا روح فرسا اور دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے ہزاروں بستیوں کو اجاڑ دیا، لاکھوں قتل ہوئے، عزتیں اور عصمتیں لوٹی گئیں، گھر لٹ گئے، مسلمان پٹ گئے، بچے بھی سفاکیت کی نذر ہوئے، بوڑھے ناتواں، کمزور دہشت سے موت کے منہ میں گرے، جو باقی رہ گئے وہ بہت کمزور ضعیف اور ناتواں و مضحل بن کر رہے، غرض ایک داستان الم ہے جو جگر کو پاش پاش کر دیتی ہے ایک تکلیف دہ حقیقی افسانہ ہے جو ہر جگر والے کے پتہ کو پانی اور خون کو پتلا کرنے کیلئے کافی ہے۔ تقسیم ہند کے اس واقعہ سے پٹھانوں کی یہ بارہ بستیاں بھی متاثر ہوئیں، یہاں بھی بہت سے گھرانے اجڑے کچھ قتل ہوئے اور کچھ پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، خیر و عافیت سے پاکستان پہنچ جانے والوں میں ایک گھرانہ مولانا عاشق الہی بلندشہری کا بھی تھا۔ مولانا بذات خود کچھ عرصہ ہندوستان رہے پھر پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں عالمی میدان میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اللہ نے مولانا کی خدمات کو قبولیت سے نوازا اور ان کی تصانیف کو مقبولیت عامہ عطا کی۔

مزید فضل یہ کیا کہ ان کو دریا رحیب ﷺ میں رہ کر خدمات کا موقع فراہم کیا۔ مولانا نے اس حسین موقع کا خوب خوب فائدہ اٹھایا، بہت تھوڑے وقت میں بڑا علمی ذخیرہ امت کے حوالے کر گئے اور پھر رمضان ۱۴۲۲ھ کو علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

تقسیم کے سال حضرت شیخ دارالعلوم میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے اور کمال یکسوئی اور پوری توجہ کے ساتھ اپنی علمی ضیا پاشیوں سے طلبہ دارالعلوم کے سینوں کو منور کر رہے تھے، جب اساتذہ میں کمال اور وفور علم ہوا اور طلبہ میں طلب علم کا سچا جذبہ اور لگن اور گھلا دینے والا شوق ہو تو پھر خدائے علیم وخبیر کے یہاں سے دولتِ علم کی برسات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اوائل تدریس سے سبکدوشی تک حضرت شیخ کی یہ خصوصیات رہی کہ آپ نے تدریس میں انتہائی محنت اور لگن سے کام لیا۔ آپ نے کوئی کتاب محض کتاب اور متعلقات کتاب دیکھ کر نہیں پڑھائی بلکہ ہر کتاب کو فن دیکھ کر پڑھایا۔ جس محنت سے آپ نے علم حاصل کیا اس سے کہیں زیادہ محنت آپ تدریس میں کرتے۔

حضرت شیخ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ آپسی اختلافات کو بہت برا جانتے آپسی اختلافات سے آپ خود بھی پرہیز کرتے اور اپنے متعلقین

کو بھی اس بری بلا سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے مشہور قضیہ نامرضیہ میں بھی آپ یکسو رہے اگرچہ دل کا میلان حضرت قاری طیب صاحب کی طرف تھا۔ اسی کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے احترام میں بھی کبھی کوتاہی نہیں کی، مولانا مدنی چونکہ حضرت شیخ کے استاذ زادہ تھے اس لئے ان کو ہمیشہ عزت و احترام اور عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ تدریس میں آپ حضرت مدنی کے اسلوب کے قائل تھے، مشکوٰۃ شریف میں مسائل، اختلاف ائمہ، اور مختصر دلائل اس انداز سے بیان فرماتے کہ پورا درس طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا، اور ترمذی شریف میں آپ مسائل اور اختلاف ائمہ کی وضاحت اور دلائل قدرے تفصیل سے بیان فرماتے اور پھر مسلک احناف کو اصول کی روشنی میں ترجیحی حیثیت سے واضح فرماتے۔

درس بخاری شریف میں مسائل اور اختلاف مسائل میں ضروری درجہ کی گفتگو فرماتے البتہ تراجم ابواب پر محققانہ گفتگو فرماتے ترجمۃ الباب اور ذیل میں درج حدیث کے درمیان مطابقت جو کہ کئی جگہ کافی وقت اور نکتہ شناسی چاہتی ہے آپ کی پیش کردہ درسی توضیح سے مبہولت سمجھ میں آ جاتی۔ دورانِ درس ظریفانہ گفتگو بھی فرماتے، اس قسم کی گفتگو اس وقت فرماتے جب سبق دیر تک جاری رہنے کی وجہ سے آپ طلبہ میں اکتاہٹ والی کمزوری محسوس فرماتے۔ ایک موقع پر آپ نے دورانِ درس بوجھ بھکھڑ والی کہانی سنائی جس سے طلبہ بہت محظوظ ہوئے۔ آپ نے فرمایا! ایک گاؤں میں ایک چودھری تھا جسے گاؤں والے بوجھ بھکھڑ کہتے۔ گاؤں والے اپنے فیصلے اس کے پاس لے جاتے، ایک دفعہ گاؤں سے رات میں ایک ہاتھی گزر گیا۔ صبح کو لوگوں نے پاؤں کے نشانات دیکھے تو بہت گھبرائے یہ کون انسان ہے جس کے اتنے موٹے اور بڑے پاؤں ہیں یا کوئی جانور ہے، لوگ بوجھ بھکھڑ کو بلالائے اس نے بہت غور و خوض سے نشانات قدم کا معائنہ کیا اور کہا کہ سمجھ میں آگئی بات! اس نے کہا یہ نشانات ہرن کے قدم کے ہیں اس کا پاؤں چکی کے پاٹ میں پھنس گیا وہ چکی کے پاٹ کو یونہی لے کر چلتا رہا اور رات میں یہاں سے گزرا۔ یہ کہہ کر وہ ہنسا پھر رویا، لوگوں نے دریافت کیا صاحب آپ پہلے ہنسے پھر روئے کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی سمجھ پر خوش ہو کر ہنسا کہ کیسی کیسی پیچیدہ باتیں میری سمجھ میں آ جاتی ہیں اور رویا اس لئے کہ میرے جانے کے بعد تمہیں ایسی سمجھ بوجھ کی باتیں کون بتائے گا؟ حضرت والا نے یہ کہہ کر فرمایا کہ بھائی میری مثال بوجھ بھکھڑ کی سی ہے۔ اس واقعہ سے جہاں آپ کی زندہ دلی اور طبعی ظرافت کا پتہ چلتا ہے وہیں آپ کی کسر نفسی اور تواضع بھی خوب مترشح ہوتی ہے۔ پورے سال پابندی سے آپ کا سبق جاری رہتا، مشکل سے مشکل حالات میں بھی سبق کا ناعد نہ کرتے، سبق کے ناعد کی تعبیر آپ کے یہاں تعلیم کے خون سے تھی، روزانہ عصر کے بعد گھر پر عمومی مجلس ہوتی جس میں آپ کمال بشارت سے شریک ہوتے، عام طور سے دورانِ مجلس چائے اور کبھی خاص مناسبت اور کبھی بلا مناسبت چائے کے ساتھ لوازمات بھی ہوتے، مجلس میں دارالعلوم کے کئی اساتذہ اور زیادہ تر طلبہ ہوتے، علمی سوالات، فنی موثقات، اکابر کے حالات، امت کو درپیش مسائل اور تقاضے اس مجلس کا عنوان ہوتا، مجلس کے ہمیشہ کے حاضر باش، حضرت کے خاص پروردہ اور تربیت یافتہ حضرت قاری شفیق الرحمن صاحب استاذِ قرأت دارالعلوم دیوبند اس مجلس میں حضرت کے ترجمان ہوتے، شیخ حضرت قاری صاحب سے بہت ہی مانوس اور بے تکلف تھے، قاری صاحب موصوف شیخ کو روز بروز لطائف سناتے جس سے حضرت اور پوری مجلس بہت محظوظ ہوتی.... تواضع اور کسر نفسی کی انتہا تو دیکھئے کہ ایشیا کی سب سے عظیم دینی درس گاہ کا یہ شیخ الحدیث اپنے مہمانوں کیلئے چائے فغان میں خود اپنے ہاتھ سے نکالتا۔

طوالتِ مائل درمیانی قد، بیضوی چہرہ، کشادہ ابرو بڑی بڑی اور سرگیں آنکھیں، گوراسرخ مائل رنگ، سر اور داڑھی کے بال مکمل سفید، کھڑی ناک، کاغذی ہونٹ، آنکھیں بے عینک، سر پر دوپلی ٹوپی اور کبھی عمامہ جو خوب چٹا، بلند اور کڑک آواز، تلفظ میں شفافیت گفتگو میں سنجیدگی اور شستگی لمبے بازو اور گداز نرم ہاتھ خدا کی قسم قدرت نے آپ کو بہت خوب صورت اور خوب سیرت بنایا تھا۔ خوش اخلاقی میں آپ بے نظیر تھے، جو بھی آپ کو ایک دفعہ دیکھ لیتا کبھی نہ بھولتا۔ صبر و شکر میں بھی آپ اکابر کے سچے پیروکار تھے، عین جوانی کے عالم میں آپ کی رفیقہ حیات آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں، مرحومہ کئی چھوٹے اور ننھے بچے چھوڑ کر گئیں، اس موقع پر جس صبر و ضبط کا آپ نے مظاہرہ کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، ان چھوٹے بچوں کی آپ نے اپنی علمی مصروفیات میں کمی لائے بغیر بہت اچھی تربیت کی۔ تصنیف و تالیف کا آپ کو ذوق نہیں تھا لیکن پھر بھی جو لکھا بہت اچھا لکھا، چھمینی فنِ بیت کی مشہور کتاب ہے، حضرت شیخ الحدیث

نے اس پر مفید حاشیہ تحریر فرمایا یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے، اس حاشیہ نے اس کتاب سے استفادہ کو آسان بنادیا، چھپائی کے ساتھ یہ حاشیہ مطبوعہ ہے، اور آج چونکہ یہ کتاب مدارس میں داخل نصاب نہیں رہی اس لئے نایاب ہے، قرآن پاک کے آپ عاشق تھے، فنِ قرأت میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا اور اس فن کے نشیب و فراز سے آپ اچھی طرح واقف تھے، حسن صورت کے ساتھ حسن صوت بہت بڑی نعمت ہے قدرت نے آپ کو ان دونوں نعمتوں کا جامع بنایا تھا، بہت عمدہ اور بلند آواز کے مالک تھے ایک لمبے عرصہ تک تمل ناڈو کے مشہور شہر کویمتور میں قرآن عظیم کی تفسیر کیلئے آتے رہے، یہ سفر آپ کا ہر سال رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں ہوتا اس لئے تفسیر کے ساتھ تراویح میں قرآن پاک سنانے کی ذمہ داری بھی آپ خود لیتے، جن حضرات نے آپ کے پیچھے تراویح پڑھی ہیں آج بھی وہ حضرت کی آواز کو یاد کر کے تڑپ جاتے ہیں، کم و بیش ۳۰ سال آپ نے رمضان المبارک کی خیر و برکت سے بھرپور ساعتیں کو نمبتور میں گزاری ہیں۔ اس شہر میں اللہ نے آپ سے بہت سا اصلاحی کام لیا ہے یہاں آپ کی مساعی سے ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی جو آج شہر کی مرکزی مسجد شمار ہوتی ہے۔

شیخ علیہ الرحمۃ کی یادگار مجلسوں میں سے ختم بخاری کی مجلس بھی ہے، مجلس ہر سال ختم بخاری کے موقع پر منعقد ہوتی، اس مجلس کے موقع پر دارالعلوم کی رونق دوبالا ہو جاتی، قریبی گاؤں دیہات کے ہزاروں مجاہدانِ دارالعلوم و مجاہدانِ شیخ دارالعلوم میں جمع ہو کر اس مبارک مجلس کی شرکت سے اپنا دامن سعادتوں اور برکتوں سے بھرتے، اس موقع پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بخاری کی آخری حدیث کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبستان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پر بہت دلنشین انداز سے کلام فرماتے تقریر کے بعد رقت آمیز دعا فرماتے یہ دعا بڑی طویل ہوتی جس میں مسلمانانِ عالم کیلئے اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کی حفاظت کیلئے انتہائی الحاح و گریہ کے ساتھ دعا فرماتے۔ دورانِ دعا طلبہ دورہ حدیث کا عظمت حدیث کی علامت درس گاہ دارالحدیث میں تڑپنا و بلبلانا، مادر علمی کی مفارقت کے صدمہ سے غم و الم میں آہیں بھرنا۔ ایک عجیب منظر ہوتا، آہوں سسکیوں، پر غم آنکھوں، درد بھری آوازوں پر یہ مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

آہ!!! آج وہ مجلس نہیں رہی اس مجلس کے صدر نشین بھی نہ رہے۔ ۲۰۰۲ء میں ختم بخاری کی اس طرح کی آخری مجلس تھی اور ۱۴ فروری شب ۲۰۱۰ء کو مجلس کے گل سرسبد اور جماعت دارالعلوم دیوبند کے سرخیل و صدر مالک حقیقی سے جا ملے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را



نوٹ: احقر کا یہ مضمون ”راشتر یہ سہارا، بنگلور ایڈیشن“ میں ۱۹ فروری ۲۰۱۰ء کو شائع ہوا۔

شیخ الحدیث

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب^{رحمۃ اللہ علیہ}

کے سانحہ وفات پر ایک تاثر

مولانا محمد ساجد کھننا وری

مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۲۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کاتب الحروف حسب معمول جیسے ہی نیند سے بیدار ہوا اور نماز وغیرہ کی تیاری میں لگا ہی تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی ریسبو کیا تو دوسری طرف سے برادر م مولانا محمد طیب قاسمی شریک افتاء دارالعلوم دیوبند نے انتہائی مغموم لہجہ میں خبر دی کہ استاذ محترم حضرت مولانا نصیر احمد خان سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے، بے ساختہ زبان پر استرجاع کے کلمات جاری ہو گئے اور ان کی فرشتہ صفت شخصیت کی جو یادیں اور باتیں ذہن کے نہا خانوں میں رچ بس گئیں تھی مزید گہری ہو گئیں، اس لئے بھی کہ دارالعلوم دیوبند کے دس سالہ قیام میں راقم جن عبقری شخصیات سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور جن کے علم و عمل کے روشن چراغوں سے ذہن و افکار کی تاریکی کے پرہول سنائے کافور ہوئے ان میں استاذ اکبر حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بھی تھے، گوان کی پیرانہ سالی اور علالت کے سبب ان سے بخاری شریف کے اسباق محض چند ماہ تک ہی پڑھنے کی سعادت حصہ میں آئی لیکن اس درمیان جو کچھ ان سے پڑھا اور سنا وہ ان کی یادوں کی محفل سجانے کیلئے کافی ہے۔

اللہ رب العزت نے انہیں بے شمار خصائل حمیدہ سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے چہرے پر معصومیت کا غازہ ہوا کرتا تھا۔ شیریں گفتار، خوش فکر، خوش اخلاق اور دل نواز، نشست و برخاست باوقار، لب و لہجہ میں سنجیدگی و بھرپور، طلبہ و متعلقین کے ساتھ محبت و شفقت، ان کے ساتھ ہمدردانہ جذبات اور خود نہایت پاکیزہ و پاکباز، دنیوی ہنگاموں اور احتجاجات سے دور، صرف لکھنا پڑھنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اپنا پورا وقت تدریس و مطالعہ، ذکر و فکر اور عبادت ہی میں گزارتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ کے موقع پر بھی وہ الگ تھلگ رہے اور اپنے مفوضہ تدریسی فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

آپ کی پیدائش ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ضلع بلند شہر یوپی کے بسی گاؤں میں ہوئی، تعلیم کے تمام مراحل مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں طے کئے، مزید استفادہ کیلئے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ میں دوبارہ حدیث شریف پڑھی، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا بشیر احمد خان اور حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک جیسے مشاہیر سر فہرست ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے تقریباً ۶۵ سال درس دیا جن میں ۳۲ سال صرف بخاری شریف کی تدریس کے ہیں، دریں اثناء دارالعلوم میں آپ نے متعدد مناصب کو زینت بخشی دارالعلوم کے صدر المدرسین و کارگزار مہتمم ہونے کے علاوہ ایک عرصے تک دارالاقامہ کے نگران بھی رہے، طلبہ میں آپ بے حد مقبول تھے، آپ کا انداز درس بہت خوبصورت تھا، یہی وجہ تھی کہ تمام طلباء پابندی کے ساتھ آپ کے متعلقہ گھنٹہ میں شروع سے اخیر تک شریک رہ کر اپنا اپنا دامن مراد بھرتے، حضرت مولانا عبارت پڑھوانے کے بعد روایت پر کلام کرتے اور نہایت جامع انداز میں اس پر روشنی ڈالتے، تراجم الابواب پر ان کی مربوط تشریحی گفتگو دل شاد کردیتی، علوم عقلیہ و نقلیہ پر انہیں یکساں قدرت تھی، علم ہیئت کی پر خارا دیوں کے تو وہ سیاح اکبر تھے اپنے بعض دیگر بزرگوں سے سنا کہ علم ہیئت پر حضرت شیخ اول کی نظر گہری ہے اور اس راہ کے وہ تنہا مسافر ہیں۔

حضرت مولانا کی کن کن خوبیوں اور خصوصیتوں کا تذکرہ کیا جائے، وہ علم و ادب کے روشن چراغ تھے اس دور قحط الرجال میں ان کا سایہ بسا غنیمت تھا انہوں نے دارالعلوم کے خیر القرون کے محدثین و اساتذہ کرام کا جلوہ جہاں آرا دیکھا تھا جن کی گونا گوں صفات و امتیازات کے وہ حسین سنگم تھے اور ان کی

روشن روایتوں کا انہوں نے نہ صرف تحفظ کیا بلکہ دیانت و امانت کے ساتھ انہیں آگے بڑھایا اور نسل نو میں انہیں منتقل کرنے کی سعی مشکور کی، ان کی محبتیں اور شفقتیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، افسوس کہ دنیا بہت تیزی کے ساتھ ایسے لوگوں سے خالی ہو رہی ہے، جن چراغوں کی لوقیا مت تھی وہ اب گل ہوتے جا رہے ہیں تاریکی اپنے پاؤں سپار رہی ہے، حضرت مولانا نصیر احمد خان کا سانحہ ارتحال علمی برادری کا ناقابل تلافی نقصان ہے، جس کی بھرپائی بظاہر دشوار نظر آرہی ہے۔ آج کے اس ناگفتہ بہ دور میں ان جیسے مصلحین و مربین اور باتوفیق مدرسین کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

وماکان قیس ہلکہ ہلک واحد و لکنہ بنیان قوم تہدما

کاتب الحروف نے ان کے طلباء کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کا بارہا مشاہدہ و تجربہ کیا، طلباء کے مسائل کے حل میں وہ خصوصی دلچسپی لیا کرتے تھے اور سب کے کام آیا کرتے تھے، ایام طالب علمی میں اگر طلباء ماہنامہ دارالعلوم یا کسی اور رسالے میں مضمون لکھتے تو مولانا بہت خوش ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ بلا کر ہمت افزائی بھی کیا کرتے اور مزید کچھ کرنے کی ترغیب و تلقین فرماتے، سال گذشتہ سے پیوستہ سال جب راقم دورہ حدیث شریف کا معلم تھا تو حسب سابق سال کے اختتام پر رفقائے دورہ حدیث ”نصیر کارواں“ کے نام سے ایک ڈائری نکالنے کا پختہ ارادہ کیا چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، برادر مولا نا عبد الرحمن اجمل قاسمی ابن حضرت مولانا بدر الدین اجمل (رکن شوری دارالعلوم دیوبند و ممبر پارلیمنٹ) اور دوسرے بعض ارکان نے ڈائری کے مشمولات و مضامین کی ذمہ داری احقر کے سپرد کی، باتفاق رائے طے ہوا کہ اس سال حضرات اساتذہ کرام کے پیغامات بھی شامل اشاعت کئے جائیں چنانچہ حضرت شیخ اول سے بھی پیغام لکھنے کی درخواست کی فرمانے لگے مولوی صاحب! تم ہی لکھ لو ضرورت پڑی اصلاح کروں گا احقر نے اس موقع پر جو لکھا تھا وہ درج ذیل ہے۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

عزیزان گرامی قدر! آپ حضرات خوش قسمت اور قابل مبارک باد ہیں کہ آپ نے علم و عمل کی مثالی درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے ایک مرحلہ کی تکمیل کی ہے اور اب ایک نئے مرحلہ میں آپ داخل ہو رہے ہیں اللہ رب العزت قدم بقدم آپ کی حمایت و نصرت فرمائے اور جملہ شر و فتن سے محفوظ رکھے، آمین۔

عزیزان گرامی! میری نصیحت اس وقت یہی ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد علم دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کا تحفظ ہونا چاہئے، دین و شریعت کی مکمل پیروی آپ کا نصب العین ہو اور یاد رکھئے اس وقت اسلام عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مخالفین اس کی پاکیزہ تعلیمات اور اس کے نام لیواؤں کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں، ایسے ناگفتہ بہ احوال میں آپ کی ذمہ داریاں مضاعف ہو جاتی ہیں کہ اسلام کو انسانیت کی ناگزیر ضرورت اور نجات دہندہ مذہب ثابت کر دکھائیں، اللہ ہم سبھوں کے ساتھ خیر کثیر کا معاملہ فرمائے (آمین) بندہ بھی آپ کی نیک تمناؤں اور دعاء کا طالب ہے، والسلام۔

(حضرت مولانا نصیر احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا کو جو نبی یہ پیغام ملاحظہ فرمایا تو بہت خوشی کا اظہار کیا اس پر دستخط کئے اور دیر تک دعائیں دیتے رہے، آج جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے ان کی وہ عنایات آنکھوں کو اشک بار کر رہی ہیں، مضمون کے شروع میں بھی ذکر کیا کہ ان کے سانحہ رحلت کی اطلاع اسی روز علی الصباح مل گئی تھی فوراً جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے میر کارواں حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم کو باخبر کیا گیا، حضرت نے مسجد ذکریا میں ان کیلئے ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا، ضروری اسباق پڑھا کر حضرت ناظم صاحب اور بعض اساتذہ جنازہ میں شرکت کیلئے دیوبند روانہ ہو گئے، بعد نماز ظہران کی نماز جنازہ حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نے ہزاروں سو گواروں کی موجودگی میں پڑھائی، بعد ازاں مزار قاسمی میں وہ آسودہ خاک ہوئے۔ ع

آسمان ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وفات حسرت آیات شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند بھولے ہیں نہ بھولیں گے نصیر اہل محبت

کاوش: ذکاوت حسین قاسمی امر وہوی

مدرسہ سلیمانیہ، عید گاہ، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر

میانہ قد، گورارنگ، چھریا اور ہلکا بدن، کتابی چہرہ، فراخ دہن، کشادہ جبین، باریک لب، بڑے کان، لمبی گردن، کپڑے کی سلی ہوئی دوپلی درویشا نہ ٹوپی، گھٹنوں سے ذرا نیچے کرتہ۔ نہ اتنا دراز کہ انگشت نمائی ہو اور نہ اتنا اونچا کہ بدن محسوس ہو، چمکدار آنکھیں جن پر موٹے سیاہ فریم اور سفید آئینہ کی چوکور عینک، ریش مبارک گنجان ایک مشتمت سے نگی ہوئی۔ سر اور ریش کے بال بالکل سفید، ہاتھ میں عصا (عصا زمین پر رکھنے اور اسکو اٹھانے کا انداز بالکل انوکھا) مجاہدانہ رفتار، نرم لہجہ، آواز میں گرج و کرخت، اور انداز بیان بالکل صاف اور سادہ کہ ایک ایک حرف بآسانی قلم بند کیا جاسکے۔ مذکورہ خاکہ اور ساخت کو اگر پیکر خاکی میں ڈھال کر کسی چلتے پھرتے کسی حسین و جمیل اور مجسم انسان کا تصور کیا جائے تو یقیناً اس خاکہ سے استاذ الاساتذہ عظیم المرتبت، رفیع الشان، محدث کبیر، مرجع اصحاب علم، شیخنا و سندن مولانا نصیر احمد خان صاحب جیسی شخصیت ہی متشکل ہو کر نظر آئے گی۔

جو اپنی ہزاروں ظاہری و باطنی خوبیوں کے سبب حلقہ احباب دارالعلوم کے اساتذہ منتظمین اور اپنے جانشین طلبہ کی نظر میں بے حد مقبول و محبوب اور حد درجہ قابل احترام تھے، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی وہ احاطہ دارالعلوم میں قدم رنجہ ہوتے، سامنے سے گزرنے والے اساتذہ کرام رک کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے اور طلبہ کی ایک لمبی قطار ان کے اعزاز و اکرام میں قدم بقدم پیچھے پیچھے چلتی رہتی تا آنکہ اپنی مسند مبارک پر جلوہ افروز ہو جاتے۔ جن اوصاف حمیدہ نے آپ کو یہ باوقار منصب و عظیم مقام عطا فرمایا ان میں خصوصاً تواضع و انکساری، حلم و بردباری، نرم خوئی، خندہ روی و خوش مزاجی، خوش اخلاقی اور بزرگانہ شفقت نمایاں چیزیں تھیں اور ان کی ذات سے کسی قسم کے ظاہری تکلف و تصنع و کبر و نخوت علمی غرور و خاندانی یار نیسانہ تفاخر اور اکڑ پھوں کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ عالمانہ وقار، محدثانہ رعب و جلال، اور قائدانہ رفتار کو دیکھ کر دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں مرعوب و متاثر ہو جایا کرتا تھا۔ ذیل میں حضرت الاستاذ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ:

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا

مجھ کو تو تم پسند ہوا اپنی نظر کیا کروں

ولادت:

حضرت شیخ مرحوم ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو قصبہ ”بسی“ ضلع بلند شہر، یوپی میں ایک دینی اور اسلامی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اس خانوادے کی دینی حمیت اور اسلامی جذبے کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاد آزادی وطن کی تحریکات کے ضمن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے ”تحریک ترک موالات“ شروع کی اور مسلمانوں کی اسلامی غیرت کو لاکارتے ہوئے ان سے اس تحریک میں تعاون و شمولیت کی اپیل کی تو حضرت شیخ کے والد ماجد جناب عبدالشکور خان صاحب نے ”جو فرنگی حکومت میں ملازم تھے“ برطانوی سامراج سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے ملازمت ترک کر دی تھی۔ چونکہ خان صاحب علاقے کے مشہور اور پرانے جاگیردار تھے اس لئے پھر اپنی حلال روٹی روزی کی فکر کرتے ہوئے کاشتکاری میں لگ گئے تھے۔ والد ماجد نے اپنے دینی مزاج ہی کی بنا پر اپنے بڑے فرزند کو بھی قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے لئے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے علمی میدان میں خوب محنت و کوشش کی۔ حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے باوقار مسند تدریس کو بھی رونق بخشی۔ اور اپنے بھائی کی وہ بے مثال

تربیت کی کہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ اور ان کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب بلند شہری (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند) کو اپنے جوار خاص میں جگہ مرحمت فرمائی۔

دارالعلوم سے الحاق :

مولانا بشیر احمد خان صاحب اپنے وقت کے ممتاز اصحاب فضل و کمال اور جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ علم ہیئت و فلکیات کے تو اپنے زمانے میں امام و پیشوا تھے۔ ان کی قابلیت و صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ۱۳۶۲ھ میں بحیثیت استاذ تقرر کر کے اپنے یہاں بلا لیا تو مولانا نصیر احمد صاحب کے دل میں بھی علماء و محدثین دیوبند سے براہ راست سلسلہ علم قائم کرنے اور علم حدیث میں مزید درک و مہارت حاصل کرنے کا جذبہ و داعیہ پیدا ہوا۔ چنانچہ دوبارہ علم حدیث پڑھنے کے لئے ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۶۳ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہو کر دیگر علوم و فنون کے شعبہ جات میں داخلہ لیا۔ خصوصاً شعبہ تجوید و قرأت حفص اور سبعہ و عشرہ وغیرہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۶۴ھ میں تعلیم سے رسمی فراغت حاصل کی۔

اساتذہ و اسناد :

حضرت الاستاذ نے پہلے گلاؤٹھی میں دورہ حدیث شریف مکمل کیا تھا وہاں کے ممتاز اساتذہ میں برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوٹہ خٹک (پاکستان) تھے اور پھر دیوبند میں بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے پڑھی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امر و ہوی سے حدیث و ادب کی تعلیم حاصل کی۔

حضرت الاستاذ کو بخاری شریف کی اجازت دس سندوں سے حاصل تھی جو ہر سال آپ اپنے درس بخاری کے اختتام کے موقع پر اپنے تلامذہ شاگردوں کے سامنے بیان فرماتے تھے۔ اور اپنی ان تمام اسناد سے اپنے تلامذہ کو نقل و روایت کی اجازت سے نوازتے تھے۔ وہ تمام اسناد مسند الہند، مجدد الملت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے صاحبزادگان کے واسطے سے ہی قدیم محدثین کے سلسلے سے متصل ہوتی ہیں۔ اہل علم اور خصوصاً قاسمی برادری کے افادے کی خاطر بخاری کی صرف وہ تین اسناد نقل کی جا رہی ہیں جو الگ الگ تین شیوخ سے براہ راست حاصل تھیں۔ بقیہ سات اسناد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے حاصل شدہ ہیں جو آخر میں شاہ عبدالعزیز صاحب ہی سے جا کر متصل ہو جاتی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان کو یہاں نقل کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے کیونکہ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۶۹ھ تک تقریباً ۳۲ رسال کے درمیانی عرصے میں جن سعادت مندوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔ ان تمام حضرات نے بخاری شریف شیخ نصیر احمد خان صاحب ہی سے پڑھی ہے۔ اور سب کا سلسلہ حدیث خصوصاً بخاری شریف کے حوالہ سے انہیں اسناد سے متصل ہے۔

(۱) شیخ نصیر احمد عن شیخ الاسلام حسین احمد المدنی عن شیخ الہند محمود الحسن الدیوبندی عن شیخ محمد قاسم النانوتوی عن الشاہ عبد الغنی المجددی عن الشاہ محمد اسحاق الدہلوی عن الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی عن مسند الہند الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی . و ہذا السند معروف و متصل بکمالہ الی صاحب الکتاب الشیخ أبی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری .

(۲) شیخ نصیر احمد عن الشیخ الحافظ عبد الرحمن الامروہوی و اجازہ الشیخ محمد قاسم النانوتوی عن الشاہ عبد الغنی المجددی و الشیخ فضل الرحمن غنچ مراد آبادی عن الشاہ عبدالعزیز الدہلوی عن الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی و السند بتمامہ الی المؤلف

(۳) شیخ نصیر احمد عن الشیخ اعزاز علی الامروہوی المعروف ب”شیخ الادب“ عن الشیخ محمود الحسن

تدریسی ترقی:

آپ کی اعلیٰ اور مستحکم استعداد و صلاحیت کے پیش نظر فراغت کے معاً بعد کیم ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ کو دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی مدرس کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔ اور آپ کی باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز عربی فارسی کی ابتدائی کتب ”میزان و منشعب“ وغیرہ سے ہوا۔ تقریباً ۲۵/۲۶ سال مسلسل ۱۳۱۹ھ تک درس نظامی کی وسطیٰ تک کی کتابوں ”جلالین و مختصر“ وغیرہ نہایت محنت و توجہ اور شوق و لگن کے ساتھ دیتے رہے۔ آپ کی محنت، طلبہ میں بڑھتی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ارباب انتظام نے ترقی دیتے ہوئے ۱۳۹۱ھ میں حدیث کی کچھ کتابوں کے کچھ اسباق حوالے کئے۔ ماشاء اللہ آپ نے حدیث کے میدان میں چند ہی سالوں میں اپنی ایک خاص شناخت اور پہچان قائم کر لی۔ اور آپ نے ”موطین، طحاوی، ترمذی شریف اور مسلم شریف“ وغیرہ کتب حدیث کا معیار ری اور مقبول درس دیا۔ اور یہ ثابت کر دکھایا کہ معاصرین میں علم حدیث پر عمیق و گہرا مطالعہ اور درس نظامی کی تدریس پر کامل دسترس رکھنے والا اگر میں تھا نہیں تو ممتاز و منفرد ضرور ہوں۔ کہا جاسکتا ہے کہ درس نظامی کی تدریس و مطالعہ کے وسیع و مضبوط تجربے، اس کی علمی لطافتوں اور فنی و فقہی موشگافیوں کے بارے میں اختصاص کا درجہ رکھتے تھے۔ اور درس نظامی کی ہر کتاب کی جزئیات و کلیات پر اول سے آخر تک کامل واقفیت اور بڑا عبور حاصل تھا۔

نیابت اہتمام:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی و تدریسی قابلیت کے ساتھ ساتھ انتظام و انصرام کی اعلیٰ اور مضبوط صلاحیتوں سے نوازا تھا اور آپ ہر موقع پر اور ہر طرح سے دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیری و تہذیبی ارتقاء اور اس کی عظمت و جلالت و ہمدوش ثریا کرنے کے لئے مستقل اپنے اعلیٰ افکار و نظریات اور دور رس نتائج پر مشتمل قیمتی آراء و مشوروں سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ آپ کی اس مخلصانہ کوشش، صلابت رائے اور اصابت فکر کی قدردانی کا ثبوت دیتے ہوئے ارباب انتظام اور مجلس شوریٰ نے ۶/ صفر ۱۳۹۱ھ کو دارالعلوم کے عظیم و موقر منصب نیابت اہتمام کے لئے منتخب کیا۔ آپ نے اس عہدے کے وقار و اعتبار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیشہ مفاد دارالعلوم کو مقدم رکھا۔ کسی کی ذات یا تعلقات ان کے مضبوط و مستحکم فیصلے میں حجاب نہ بن سکے۔ انہوں نے نائب مہتمم، با اثر منظم اور مقبول مدرس ہونے کے باوجود کسی پر بڑائی نہیں جتائی۔ اور ناجائز طور پر کسی ملازم یا مدرس کو اپنے عہدے یا طاقت کا بیچارے نہیں دکھایا اور نہایت لگن اور اخلاص کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت اور پسماندگان، منتظمین، دارالعلوم اور روحانی اولاد کو عملاً گویا یوں کہہ کر رخصت ہوئے۔

بھلا سکیں گے نہ اہل وفا صدیوں تک

میری وفا کے میرے فکر و فن کے افسانے

منصب شیخ الحدیث:

دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث وہ جلیل القدر اور عظیم الشان مسند ہے جس پر جلوہ افروز ہونے والی شخصیات مقدسہ الہامی طور پر ہزاروں نہیں لا کھوں چیدہ و چنیدہ عظیم سے عظیم تر محدثین کرام میں سے منتخب کی جاتی ہیں۔ یہ وہ مسند ہے جہاں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی، فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی صاحب اور حضرت مرحوم سے پہلے مولانا شریف احمد صاحب دیوبندی نے اپنے محدثانہ و محققانہ علمی و فنی جواہر پارے بکھیرے ہیں اور شائقین و طالبین حدیث کے لئے علمی سیرابی کا سامان فراہم کیا ہے۔

یہ انعام الہی اور عطائے ربانی ہے کہ روز اول ہی سے اس ادارے کو ایسے علماء اور محدثین کی خدمات حاصل رہی ہیں جو پورے عالم اسلام میں علمی و فنی افتخار پر چمکتے دکتے آفتاب و ماہتاب کی طرح پوری انسانیت کو اپنے علمی و روحانی فیض سے مستفیض کرتے رہے۔ یہ سلسلہ قدیم ہے اور قیامت تک جاری و

ساری رہے گا۔ اور یکے بعد دیگرے لوگ ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہیں گے (ان شاء اللہ)

چنانچہ مرحوم سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف احمد صاحب دیوبندی کے انتقال کے بعد مقرر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۹۶ھ کو ماہرمدرس ومحدث حضرت مولانا نصیر احمد صاحب کا شیخ الحدیث جیسے منصب عظیم کے لئے انتخاب کیا۔ مولانا مرحوم کے بخاری شریف کے درس کا انداز ایسا مثالی اور منفرد تھا جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ ہندوستان میں تدریس حدیث کا جو طریقہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایجاد کیا تھا۔ طاہر حدیث پر گفتگو کے ساتھ ساتھ درایت حدیث کو بھی خاص طور سے موضوع سخن بنایا۔ تدبر، تفقہ، تفکر، اور استنباط مسائل کی بھی طرح ڈالی۔ اسی حقانی سلسلہ کو مولانا نصیر احمد خان صاحب نے اپنے شاگردوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ آپ کو حدیث پر کلام کرنے اور روح حدیث سمجھنے سمجھانے کا خصوصی ملکہ تھا۔ مولانا کے درس کی ایک اہم بات اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ صرف ضروری گفتگو فرماتے۔ دائرہ درس سے کبھی باہر نہیں نکلتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی کہ فطرتاً آپ گوشہ نشین، خلوت پسند اور خاموش رہنے کے عادی تھے۔ اس کے باوجود حدیث کے سلسلے میں ہونے والی علمی و فنی بحثوں میں بڑی گہرائی و گیرائی سے بولتے تھے۔ اور طلبہ کو کبھی کسی مسئلے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ اور طالبان حدیث دور دراز علاقوں سے جوق درجوق آتے اور اپنا دامن مراد بھر کر بامقصد وطن واپس لوٹتے۔

آپ کے انداز تدریس میں یہ بھی نمایاں بات تھی کہ جب آپ چہارزا نو بیٹھ کر سبق کا آغاز فرماتے تھے تو پھر دو دو گھنٹے ایک ہی بیعت پر محدثانہ وقار کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اور پہلو بھی نہ بدلتے تھے، یہ تو اس آخری دور کی بلند ہمتی کا ذکر ہے جب آپ نہایت ضعیف اور کم زور ہو چکے تھے۔ جوانی میں کیا رنگ وآہنگ ہو گا یہ تو جوانی کی روحانی اولاد ہی بتا سکتی ہے۔

علم ہیئت و فلکیات پر گہری نظر :

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے علم ہیئت و فلکیات میں وہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ اپنے کام نے میں لاثانی و بے نظیر تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اس فن میں ید طولی رکھتے تھے اور مولانا مرحوم نے یفن اور اس کی کتابیں درساً درسا ایک بار نہیں مسلسل تین بار بھائی جان سے نہایت لگن اور محنت سے پڑھی تھیں۔ اسی وجہ سے اس فن میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور اس فن کی ایک کتاب ”الفتحیہ“ پر حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نے حواشی کے عنوان سے جو محققانہ اور فاضلانہ و پر مغز نکات اور لطائف تحریر کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فن ہیئت کے امام تھے۔ اور اپنے وقت میں آپ سے زیادہ عمیق و گہری نظر اس فن پر کسی دوسرے عام محقق کی نہیں تھی۔ موضوع کی مناسبت سے کبھی کبھی درس بخاری میں اس فن کے نکات و باریکیاں بڑی دلچسپی و تفصیل سے بیان کیا کرتے مگر ہم جیسے بذوق طلبہ تو اس زمانے میں وہ فی مباحث انجان و نامانوس اور فضول لگتے تھے۔ حقیقت ہے کہ علوم و معارف دینیہ سے اسی طرح ماہر فن شخصیات کے پردہ فرمانے کے ساتھ اٹھتے اور ختم ہوتے جا رہے ہیں اور بتدریج ایسے ناخلفوں کو اس پر ندامت ہے نہ احساس۔ والی اللہ المشتکیٰ وهو الموفق المعین۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

صدر المدرسین :

مجلس شوریٰ آپ کی تدریسی و انتظامی صلاحیتوں کی قائل تھی اور حوصلہ افزائی میں پیش پیش۔ اس وجہ سے آپ کو بخاری شریف ملنے کے کل تین سال بعد ۱۴۰۰ھ میں نائب صدر المدرس بنا کر اساتذہ دارالعلوم کا ترجمان اور سفیر مقرر کیا گیا۔ آپ نے حضرات اساتذہ کرام کی ضروریات و مطالبات کو سمجھا اور ان کو اعتماد میں لیکر خدمت دارالعلوم میں مصروف رہے۔ دن بدن انتظامیہ و اساتذہ کی نظر میں آپ کی شخصیت محبوب و مقبول ہوتی رہی حتیٰ کہ شوریٰ نے ۱۴۱۲ھ میں آپ کو صدر مدرس کا عظیم منصب دیکر اساتذہ و معلمین کا سرتاج وقائد بنا دیا۔ اور تمام حضرات نے آپ کی سرکردگی و صدارت میں اپنے

فرائض خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ آخر تک آپ ہی اس مسند پر جلوہ افروز رہے اور انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے۔

سلوک و طریقت :

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر تواضع و سادگی، ورع و تقویٰ اور صلاح و فلاح کی صلاحیتیں فطری طور پر ودیعت فرمائی تھیں۔ نہایت کم گو، خلوت نشین اور نفاست پسند تھے۔ آپ کو اپنے اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ وہ انہیں کی اصلاحی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور حضرت مدنیؒ ہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے، مگر ان کے انتقال کے بعد آپ نے یہ بیعت و ارادت کا تعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم سے قائم فرمایا تھا اور حکیم الاسلام نے آپ کی سلامتی طبع اور تقویٰ و طہارت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سلسلے میں داخل فرمایا اور خلافت سے نوازا۔ مگر کبھی اس کا چرچا اور تذکرہ بھی نہیں کیا۔ اور وہ اس چیز کو پسند بھی نہیں فرماتے تھے کہ باقاعدہ پیری مریدی کو ایک مشغلہ بنایا جائے بلکہ اس بارے میں اپنے مزاج کی مجبوری کا عذر فرمایا کرتے تھے۔ یکسوئی کے ساتھ درس و تدریس میں لگے رہنا اور فارغ اوقات اپنے گھر میں گزارنا ان کی فطرت تھی۔ وہ جلسہ جلوس میں اور میٹنگوں و اسٹیجوں سے بہت دور رہتے تھے۔ حضرت الاستاذ اپنے فنی کمالات اور ایسی ہی بے نظیر و پسندیدہ صفات کی وجہ سے قدیم و جدید اساتذہ دارالعلوم میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ایسی ہی شخصیات لائق رشک و قابل تقلید ہوتی ہیں اور اپنی ذاتی زندگی اور مصروفیات میں بھی بعد کے لوگوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑ کر جاتی ہیں

تدریس سے سبکدوشی :

حضرت الاستاذ کو جب سے ہم نے دیکھا ضعف و لاغری کی حالت میں ہی دیکھا۔ ہم حضرت الاستاذ کی بڑھاپے کی روحانی اولاد ہیں اور اعذار و امراض کی وجہ سے تقریباً پندرہ سولہ سال سے مسلسل یہ بات سننے میں آتی رہی کہ حضرت اب تدریس سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ آخری پڑاؤ میں پہونچ کر جہد مسلسل سعی پیہم کی تیز دھوپ میں گزاری۔ زندگی کی تکان کو چند لمحوں کے لئے آرام و سکون دینا چاہتے ہیں مگر ہر سال روحانی قوت اور حدیث نبوی سے مستحکم نسبت اور غیر محسوس اور کراماتی طور پر آپ کے اندر اولوالعزمی اور جواں حوصلگی کو جنم دیتی رہی اور ہر بار آخری سال کہتے کہتے بخاری شریف کا درس اپنی سابقہ شان و شوکت کے ساتھ دیتے رہے۔ بالآخر تقدیر کا لکھا غالب آیا، جب دم غم نہ رہا اور چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہو گئے تب ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء کو تدریس سے معذرت کر لی۔ تدریس کے آخری سال میں بھی آپ بخاری شریف شروع کرا چکے تھے۔ اور سبکدوش ہوتے ہوئے صفحہ ۱۶۹ تک پڑھا چکے تھے۔ اس طرح دارالعلوم کی آپ نے کل ۶۵ سال تدریسی و تنظیمی خدمات انجام دیکر ایک مثال قائم کر دی، جس میں اب تک آپ ممتاز اور منفرد ہیں اور اس امتیاز میں کوئی آپ کا شریک اور ثانی نہیں۔ نیز مسلسل ۳۳ سال بخاری شریف کی تدریس بجائے خود ایک نشان سعادت ہے، اللہ قبولیت سے نوا زے۔ اور مرحوم کو جزائے خیر دے!

وفات و تدفین :

امراض و اعذار کا سلسلہ بڑھتا رہا، ضعف و نقاہت اپنی آخری حد کو پہونچ چکے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا محبوب حقیقی سے ملاقات اور دنیا سے واپسی کا وقت مقرر آ پہونچا۔ ۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء بدھ جمعرات کی درمیانی شب میں دونج کردس منٹ پر سرزمین دیوبند سے سفر آخرت طے کیا۔ اور اپنے پیچھے اپنی چار صلیبی اولاد (تین لڑکے اور ایک لڑکی) کے علاوہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً بیس ہزار شاگردوں کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ جنہوں نے آپ سے براہ راست استفادہ کیا اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جن میں سے کم از کم ایک تہائی تعداد ان تلامذہ کی ہے جو اب خود حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں۔

جنازہ و تدفین :

آپ کی نماز جنازہ میں اصحاب علم و کمال کا وہ عظیم مجمع تھا جو دنیا میں شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ نماز جنازہ احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں دارالعلوم

کے عظیم و موقر استاذ حدیث سابق نائب مہتمم حضرت اقدس الحاج مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے بعد نماز ظہر دو بج کر تیس منٹ پر پڑھائی اور دیوبند کے مشہور قبرستان اور اکابر علمائے دیوبند کی آخری آرام گاہ ”مزار قاسمی“ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کے ساتھ مرحوم کے علوم و فنون سے مستفیض فرمائے۔ (آمین)



شیخ نصیر احمد خان

سنجیدہ و شفیق استاد

(ترجمہ: عبد الجلیل خان قاسمی بلگرامی)

۱۹ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کی صبح مساجد جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کے میناروں سے شہر کی سنان فضاء میں ایک ایسی اندوہناک آواز بلند ہوئی۔ جس نے پورے شہر کو اپنے چپیٹ میں لے لیا، اور وہ ایک محدث، عالم، شیخ نصیر احمد خان کے وفات کی خبر تھی، بس کیا تھا فجر کی نماز پڑھتے ہی بجلت تام، غمگین دل اور حسرت و یاس کے ساتھ شیخ کے گھر کی طرف قدم بڑھائے جبکہ دیدار کے لئے ہم سے پہلے ہی طلبہ دارالعلوم دیوبند اور اہالیان شہر کی ایک غیر منقطع قطار موجود تھی۔ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے جنازے کے پاس پہنچا اور مغموں قلب اور آنسوؤں کے نہ تھمنے والے بہاؤ کے ساتھ آپ پر آخری نظر ڈالی۔ اس وقت ایک عجیب گھبراہٹ خیز اور دردناک منظر تھا۔ جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور اہل شہر سب ہی غمگین اور متأسف نظر آرہے تھے، دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا کہ وہ اپنے کسی چہیتے اور خاندان کے کسی محبوب فرد پر اظہار درد کر رہے ہوں، اسی لئے اس بڑے حادثے میں ہر ایک دوسرے کو تسلی دے رہا تھا۔ اور شیخ کا تذکرہ خیر کرتے ہوئے آپ کی خوبیاں شمار کرنے میں لگا ہوا تھا۔ ادھر آپ کے وفات کی خبر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مشرق و مغرب میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، اور سارے کے سارے لوگ قریب اور دور کے شہر اور دیہاتوں سے اس کمشہ محدث کو آخری الوداع کہنے کے لئے نکل پڑے، دیکھتے دیکھتے جامعہ کا صحن اور اس کے راستے آنے والوں سے پر ہو گئے، اور ڈھائی بجے دن میں آپ کی نماز جنازہ کے فرائض حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب حفظہ اللہ نے انجام دی۔ پھر ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ مزار قاسمی لے جایا گیا اور آپ کے استاذ و حقیقی بھائی حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کے برابر میں دفن کیا گیا اور لوگوں نے افسردہ و مغموں دل سے مٹی دی۔

آپ ضلع بلند شہر یو پی انڈیا کے ایک گاؤں موضع ”بسی“ میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان پہلے ہی سے علم اور دینداری میں مشہور تھا، حضرت شیخ ”مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر“ سے وابستہ ہوئے اور قاری عبدالکریم صاحب کے پاس قرآن کریم حفظ کیا اور فارسی و دیگر علوم کا درس اپنے بھائی سے لیا۔ پھر آپ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند سے ملحق ہوئے اور اس وقت کے کبار اہل علم سے مختلف علوم حاصل کئے۔ جیسے حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب مولانا اعجاز علی صاحب امر و ہوی، شیخ عبدالخالق صاحب ملتانی، قاری حفظ الرحمن صاحب، شیخ فخر الحسن صاحب، قاضی شمس الدین صاحب کیمیل پوری اور آپ کے حقیقی بھائی بشیر احمد صاحب جوان دنوں جامعہ میں مدرس تھے۔ آپ نے ۱۳۶۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ پھر دو سال تک مزید فنون کی کتابیں پڑھیں۔ آپ ۱۳۶۵ھ میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند مدرس مقرر ہوئے اور جزیرہ ہندوستان میں رائج درس نظامی کی بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا۔

آپ کو علم حدیث و تفسیر و علم ہیئت میں کامل درک حاصل تھا۔ جس کی بنا پر آپ نے علم ہیئت پر مشتمل ایک رسالہ بنام ”الفتحیہ“ پر حواشی بھی تحریر فرمائے۔ ۱۳۹۱ھ میں آپ جامعہ کے نائب مہتمم قرار پائے، اور ۱۳۹۶ھ میں شیخ الحدیث مولانا شریف الحسن کی وفات کے بعد آپ کو شیخ الحدیث مقرر کیا گیا، جبکہ اس سے قبل آپ نائب صدر المدرسین تھے پھر حضرت مولانا معراج الحسن صاحب کی وفات کے بعد آپ کو مستقل صدر المدرسین منتخب کر دیا گیا پھر آپ نے اپنی وفات سے دو سال قبل صدر المدرسی اور شیخ الحدیث کے عہدے سے معذرت کر دی، جس کی وجہ کبر سنی اور ضعف تھا۔ اس طرح آپ ۶۳ سال علوم اسلامیہ کا درس دیا۔ اس طویل مدت تدریس میں آپ نے تقریباً چالیس ہزار طلبہ کو پڑھایا۔ ساتھ ہی جامعہ میں اہم مناصب کی ذمہ داری بھی بڑی لیاقت و قابلیت سے نبھائی۔ بتوفیق اللہ عز و جل ۱۴۱۴ھ میں آپ نے آپ سے بخاری جلد اول پڑھی اور ۱۴۲۲ھ میں آپ کی صدارت تدریس ہی میں جامعہ میں مدرس مقرر ہوا۔ اور آپ کو بڑا نرم مزاج، ذمہ دار اور عفو و کرم سے آراستہ استاذ پایا۔

آپ ایک افغانی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے آب و اجداد بڑے جاگیردار اور رئیس آدمیوں میں سے تھے جو بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے۔ اور آپ کے والد برٹش فوج کے ایک بڑے افسر تھے۔ اور ساتھ ہی بڑے دیندار اور اسلامی غیرت کے مالک تھے پھر جب علماء نے جزیرہ نما ہندوستان میں تحریک تحفظ خلافت عثمانیہ کی داغ بیل ڈالی اور شیخ الہند مفتی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے انگریز دوستی اور ان کے ساتھ تعاون اور انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام قرار دیا تو اسلامی غیرت کے پیش نظر انگریزی نوکری سے سبکدوشی اختیار کر لی اور اپنے گاؤں ہی میں کھیتی کسانوں میں مشغول ہو گئے۔ آپ کا علماء و صلحاء سے بڑا لگاؤ تھا، جس کی بنا پر آپ وقتاً فوقتاً ان کی مہمان نوازی کرتے اور آپ کی ماں ایک عالمہ اور مربیہ صفت انسان تھیں۔ ان کا گھر گاؤں کے بچوں اور بچیوں کا ایک چھوٹا موٹا مدرسہ تھا جس میں انہیں عقائد و فقہ اور دین کی ضروری باتیں سکھاتی تھیں اور آپ کے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب تو وہ ایک جید الاستعداد عالم تھے اور مدرسہ منبع العلوم شہر گلاؤٹھی میں درجہ علیا کے مدرس تھے پھر آپ (کے بھائی) کا جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا اور آپ (کے بھائی) تاحیات یہیں دینی خدمات انجام دیتے رہے اور یہیں داعی اجل کو بلایک کہا۔

حضرت شیخ ایک باوقار اور سنجیدہ قسم کے انسان تھے، آپ کے جامعہ آنے جانے، درس دینے یہاں تک کہ آپ کی تمام نقل و حرکت سنجیدگی سے پر تھی اور جب کبھی جامعہ نے شروع سال میں اساتذہ کے لئے میٹنگ طلب کی تو آپ ہی اس کی صدارت فرماتے اور آخر میں مختصر صدارتی خطبہ ارشاد فرماتے جس میں طلبہ کے تعلق سے (جن کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کا حکم فرمایا ہے) ان کی اہم ذمہ داریوں اور کاموں کی یاد دہانی کراتے۔ پھر آپ ہی کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

آپ نے ہمیشہ طلبہ اور اساتذہ کی منفعت کو سامنے رکھ کر ہی فیصلے کئے اور کبھی ایسے کاموں کے پیچھے نہ پڑے جس سے آپ کے وقار اور اخلاق حسنہ کو ٹھیس پہونچے یا آپ برائی کی طرف منسوب ہوں، انہیں تمام چیزوں نے آپ کو اساتذہ اور طلبہ کا محبوب بنا دیا تھا، آپ انتہائی متواضع، کبر و غرور سے دور، ایسے فصیح اللسان کی سامع کوئی بات سمجھے بغیر نہ رہے، اللہ کی عطا پر راضی، صابر و شاکر، لوگوں کی چیزوں پر نگاہ نہ اٹھانے والے، دنیا کے مال و متاع کے پیچھے نہ پڑنے والے اور ایک ایسی منظم زندگی گزارنے والے جو اللہ کی عبادت اس کے ذکر و تلاوت قرآن، تدریس حدیث، اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پر تھی، بالخصوص صحیح بخاری میں انہماک۔

آپ کی سب سے بڑی خصوصیت میری نگاہ میں؛ وہ آپ کی قناعت، مال و منال سے دوری، اور لوگوں کی نگاہ میں برا بنادینے والی چیزوں سے کنا رہ کشی ہے۔ اور اپنی روزمرہ زندگی کی ایسی نگہداشت کہ عمر بھر کسی انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ اللہ آپ کی عظیم خدمات اور آپ کے اعمال جلیلہ کا بدلہ عطا فرمائے اور اپنی پسندیدہ جگہ میں سکونت عطا فرمائے! اور ہمیں آپ کے خسران کا بدلہ نصیب فرمائے!



فضيلة الشيخ نصير احمد خان صاحب

صدر المدرسين و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند (الہند)

۱۳۳۵ھ تا ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۹۱۶ء تا ۲۰۱۰ء

بقلم: عبدالرؤف خان غزنوی، افغانی

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، الہند واستاذ حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی، پاکستان

(ترجمہ: عبدالجلیل خان قاسمی بلگرامی)

۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء شب پنجشنبہ دو بج کر دس منٹ پر نامور محدث، ممتاز عالم دین شیخ الحدیث و صدر المدرسين جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، الہند حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اپنے گھر دیوبند میں بمصر ۹۶ سال (باعتبار سن ہجری) اور ۹۴ سال (باعتبار سن عیسوی) اللہ کو پیارے ہو گئے، ہمارے شیخ مرحوم کی وفات کی اطلاع جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہندو پاک، بنگلہ دیش بلکہ بڑی تیز رفتاری سے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے آپ کے تلامذہ، محبین اور ہر اس شخص کے پاس جو (علمی مرکز جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند معروف بہ ”ازہر ہند“ شیخ کی عملی کارکردگی کا معترف تھا، پہنچ گئی۔ کتنے ہی شاگردوں نے آپ کے لئے غائبانہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دل کی گہرائی سے مغفرت مانگی اور بے شمار چاہنے والوں نے آپ کے حق میں استغفار کیا۔ اور اللہ غالب و برتر سے دعا کی کہ آپ کو اپنی پسندیدہ جنت میں جگہ دے اور نہ جانے کتنی آنکھوں سے اللہ کی تقدیر اور فیصلہ پر لبیک کہتے ہوئے اس شفیق معلم کے فراق میں آنسو بہہ پڑے۔ جگہ جگہ آپ کی حیات پر روشنی ڈالنے اور ایصالِ ثواب کے لئے اجتماعات منعقد ہوئے اور یہ متقی پر ہیزگار علماء کی نشانی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتے ہیں اس بنا پر لوگ ان کے لئے غائبانہ بھی دعائے مغفرت اور ان کا تذکرہ خیر کرتے ہیں۔ حضرت شیخ کی وفات کی خبر سنتے ہی دیوبند اور اطراف اور دیہاتوں سے بڑی تعداد میں لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس عظیم محدث کو رخصت کرنے کے لئے مجمع کا سیلاب امنڈ پڑا۔ آپ کی نماز جنازہ احاطہٴ مولسری میں بعد ظہر حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی امامت میں ادا کی گئی۔ اور آپ کے جسد خاکی کو ہزاروں علماء اور طلبہ اور عامۃ المسلمین کے بیچ مزار قاسمی میں آپ کے بھائی مولانا بشیر احمد خان صاحب کے پڑوس میں دفن کیا گیا۔ یقیناً یہ آپ کی علوشان اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت کی نشانی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

آپ کی جائے پیدائش، نسب و نشو و نما :

حضرت شیخ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۶ء میں ضلع بلندشہر اتر پردیش، انڈیا، کے ”بسی“ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی سن ولادت جو تاریخ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ کے رجسٹر میں درج ہے وہ ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۸ء ہے اور آپ کی سوانح نگاروں نے بھی یہی لکھا ہے یہاں تک کہ عربی ماہنامہ ”الداعی“ اور اردو رسالہ ”ماہنامہ دارالعلوم“ جو دارالعلوم سے نکلتے ہیں، انہیں بھی یہی لکھا ہے۔ حالانکہ میں نے خود حضرت شیخؒ کو اپنی زندگی میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری پیدائش ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء ہے اور جو سن دارالعلوم کے رجسٹر اور تاریخ دارالعلوم میں لکھا ہے وہ غلط ہے۔ نیز میں نے یہ چند سطور لکھنے سے پہلے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے ضمیر احمد صاحب سے (اللہ ان کی عمر دراز کرے) اس سلسلے میں رابطہ کر کے مزید چٹنگی چاہی تو آپ نے بھی (شیخ کی نسبت نقل کردہ بات کی) تصدیق کی اور کہا کہ میرے ابا حضور کا تاریخی سن ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء ہے۔ آپ کے والد محترم عبدالشکور خان برٹش فوج کے بڑے افسر تھے اور کافی زمین کے مالک تھے۔ دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم اور دینی غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ حضرت شیخؒ افغانی قبیلہ ”بازید خیل“ سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

”حضرت مولانا نصیر احمد خان بن عبدالشکور خان بن حقداد خان بن بنیاد خان بن سردار خان بن عمر خان بن غیاث خان بن شہباز خان

بن سلیم خان بن دیوان دولت خان بن شیخ داؤد خان بن شیخ عیسیٰ خان افغانی بازید خیل داؤد زئی،

اور غالباً آپ کے جد امجد شہباز خان ہی وہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان آئے اور موضع ”بسی“ ضلع بلند شہر کو اپنا وطن بنایا۔ چنانچہ شیخ الہند علامہ محمود حسن صاحب دیوبندی نے تحریک خلافت عثمانیہ کی داغ بیل ڈالی اور آپ نے اور دیگر علمائے کرام نے انگریزوں سے دوستی، تعاون اور انگریزی فوج میں بھرتی ہونا حرام قرار دیا تو عبدالشکور خان صاحب نے انگریزی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے علماء اور صلحاء سے تعلقات تھے۔ آپ ان کا اکرام کرتے اور ان سے فیض یاب ہوتے۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی عالمہ تھیں، گھر پر ہی مسلمان بچوں اور بچیوں کو عقائد، مسائل اور دین کے ضروری احکام کی تعلیم دیتی تھیں۔ جبکہ آپ کے بھائی حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ایک جید عالم تھے اور مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں فرائض تدریس انجام دے رہے تھے۔ پھر آپ دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس بھی اور نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند قرار پائے۔ اور تادم حیات آپ ایک استاذ کی حیثیت سے وہاں خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۹۶۶ء ہے۔

تعلیم و تعلم:

آپ نے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں (جہاں آپ کے بھائی درس و تدریس میں مشغول تھے) قرآن پاک حفظ کیا پھر فارسی کی ابتدائی کتابوں کے علاوہ مختلف فنون کی کچھ کتابیں اور مشکوٰۃ المصابیح بھی پڑھی۔ پھر جب آپ کے بڑے بھائی کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا تو آپ (حضرت شیخ) بھی اپنے بھائی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند منتقل ہو کر جامعہ ہذا سے منسلک ہو گئے اور یہاں مشائخ احادیث سے حدیث کا درس لیا۔ چونکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اس سال جیل میں تھے۔ اس لئے آپ کو (حضرت شیخ الاسلام) سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ حالانکہ آپ حضرت شیخ الاسلام سے پڑھنے کے بڑے مشتاق تھے، بریں بنا آپ ۱۳۶۳ھ میں جامعہ کے کبار اہل علم اساتذہ سے مختلف فنون کی کتابیں پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ پھر جب حضرت شیخ الاسلام ۱۳۶۴ھ میں رہا ہوئے تو آپ نے مزید استفادہ اور آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوبارہ حضرت شیخ الاسلام سے بخاری و ترمذی پڑھی۔ آپ نے جامعہ یوبند میں جن اہم اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں سرفہرست حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امر و ہوی، حافظ وقاری عبد الرحمن صاحب امر و ہوی، آپ کے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحب حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھی اور حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی ہیں

آپ کی تدریسی و دینی خدمات زندگی:

تعلیمی زندگی ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات اور طلبہ کرام کی تربیت کے لئے منتخب کیا۔ جس کے علم و عرفان سے آپ نے علمی سیرابی حاصل کی تھی اور آپ اس کے علمی میدان میں تربیت کے منازل طے کئے۔ آپ باقاعدہ ۱۳۶۵ھ میں جامعہ اسلامیہ کے مدرس منتخب ہوئے اور آپ نے میزان سے درس کا آغاز پورے اطمینان اور انہماک کے ساتھ کیا۔ یہاں تک کہ آپ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس طرح آپ کی کل مدت تدریس ۶۵ سال ہے، جامعہ اسلامیہ میں خدمات انجام دینے والے اساتذہ میں ایسے بہت کم ہیں جنہوں نے اتنی مدت تک خدمت انجام دی ہو۔ آپ نے اس طویل مدت تدریس میں علم صرف، علم نحو، علم معانی، علم ادب، علم فقہ، علم ہیئت، فلسفہ، منطق، تفسیر و حدیث کی بڑی دقت نظر سے کامیاب درس دیا۔

۱۳۹۱ھ میں آپ کی انتظامی اور فطری صلاحیت کو دیکھتے ہوئے مجلس شوریٰ نے آپ کو نائب مہتمم مقرر کر دیا۔ اور ۱۳۹۶ھ میں حضرت مولانا شریف الحسن صاحب کی وفات کے بعد آپ کو شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز کیا گیا اور ۱۴۱۲ھ میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی وفات کے بعد صدر المدرسین بھی آپ کو ہی کو بنایا گیا۔ پھر مستقل آخری حیات تک آپ ہی جامعہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہے یہاں تک کہ آپ نے اپنی وفات

سے دو سال قبل ۱۴۲۹ھ میں ضعف و کسری کی وجہ سے معذرت فرمادی، جبکہ اس وقت آپ ۹۰ سال سے زیادہ کے ہو چکے تھے۔

میرا آپ کے ساتھ ربط و ضبط :

جب ۱۴۰۱ھ میں میں نے دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اس وقت آپ بخاری شریف جلد اول پڑھاتے تھے۔ داخلہ کی کاروائی مکمل ہوئی اور درسی سال کے آغاز کا اعلان ہوا۔ تو میں اور میرے ساتھی دارالحدیث میں بیٹھ کر بخاری کے افتتاح کا انتظار کرنے لگے۔ اچانک دو بزرگوں ”جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے“ کو پر وقار و طمانینت قلب کے ساتھ دارالحدیث کی طرف آتے ہوئے دیکھا، جو ایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ اول یہاں کے مہتمم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب تھے اور دوسرے ہمارے شیخ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب تھے۔ پہلے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب داخل ہوئے اور بتواضع طلبہ کے سامنے بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب داخل ہوئے اور وہ بھی آپ کے بازو میں بیٹھ گئے۔ کیا ہی خوشنما منظر تھا اور کیا ہی پرسکون مجلس تھی۔ ادارہ بھی دیوبند کا مرکزی ادارہ وہ دارالحدیث جس سے ہزاروں علماء و فضلاء فارغ ہوئے۔ اور جہاں یہ مجلس لگی ہوئی تھی یہ وہ جگہ ہے جہاں اس سے پہلے شیخ الہند علامہ محمود حسن صاحب دیوبندی اور محدث کبیر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی جیسے لوگ اس مسند کی زینت بن چکے تھے۔ پھر اس موقع پر ”اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الصحيح البخاری“ کا افتتاح نور علی نور اور افتتاح کرنے والی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جیسی شخصیت اور بعد افتتاح درس دینے والے حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خان صاحب جیسے لوگ۔ جو حکیم الاسلام کے بازو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے خطبہ ما ثورہ کے بعد قدرے اہمیت حدیث اور کتب حدیث کے مابین صحیح بخاری کی خصوصیت کے ساتھ ساتھ علماء دیوبند کی طرز تدریس احادیث پر گفتگو فرمائی۔ اور طلبہ کو ملت بیضاء کا دامن مضبوطی سے تھامنے، اسباق میں انتھک کوشش کرنے، صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ کو مد نظر رکھتے ہوئے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی رغبت دلائی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمائی کہ آپ کی بخاری نصف اول کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب ہیں پھر یہ مختصر اجتماع اللہ کی بارگاہ میں دعاء و الحاج و زاری کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ حضرت شیخ نے ہم لوگوں کو اگلے دن سے سال کے آخر تک صحیح بخاری کا درس دیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ نے مجھے حضرت شیخ کے سامنے عبارت خوانی کے لئے متعین کیا حضرت شیخ ایک کامیاب مدرس، سنجیدہ محدث، فصاحت و بلاغت کے پیکر، احادیث برزخ، قبر و حشر، جنت و جہنم کی تشریح کرتے ہوئے اپنے اور جامعہ سے تعلق رکھنے والے مشائخ کے واقعات کے تذکرے کے وقت رو پڑنے والے بالخصوص اس وقت جب کہ اپنے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور ان کے روشن کارناموں کا تذکرہ کرتے تو آپ پر ایسا گریہ طاری ہو جاتا کہ طلبہ کے دل بھی کانپ جاتے۔ اور ذرا دیر کے لئے سب پر خاموشی چھا جاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ سیکینہ ان پر نازل ہو رہا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپنے ہوئی ہے۔ یہیں سے میرے دل میں آپ کی محبت گھر کر گئی اور میں ملاقات اور علم حکمت سے پر احادیث سننے، دشوار کن مسائل کے حل کے لئے بعد عصر آنے جانے لگا۔ جب بھی کبھی میں آپ کے صحن میں داخل ہوتا تو آپ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور خوش ہوتے اور مسکرا کر میرا استقبال کرتے، چونکہ میں ایک مسافر تھا اور والدین اور رشتہ داروں سے بہت دور تھا تو جب مجھے جدائی کا درد محسوس ہوتا اور والدین، بھائی، بہن، رشتہ داروں کی یاد ستاتی تو آپ کی زیارت کر لیتا جس سے میرا رنج کا فور ہو جاتا۔ کیونکہ آپ میں شفقت پدری کے آثار دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میں افراد خانہ، عزیز و اقرباء، والدین گویا سب سے مل آیا ہوں۔

دارالحدیث سے فراغت کے بعد ۱۴۰۲ھ میں میں دارالافتاء سے وابستہ ہو گیا تو مجھے صبح کے وقت فرصت ہی فرصت رہتی اس لئے میں نے علم ہیئت میں استفادہ کا ارادہ کیا۔ کیونکہ حضرت شیخ کو اس فن میں بلا کی مہارت تھی۔ حضرت سے میں نے ادباً عرض کیا کہ علم ہیئت پڑھانے کے لئے کوئی وقت میرے لئے مقرر کر دیں تو آپ نے اسے بخوشی شرف قبولیت سے نوازا اور آپ مجھے صبح کے وقت تنہا علم ہیئت کی کتاب ”التصریح“ پڑھانے لگے۔ اس طرح میں نے اس کے بیس ابواب اور ”شرح چغمینی“ پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ میں اللہ نے جامعہ اسلامیہ میں میری مدرسہ کا

فیصلہ فرما دیا جس کی وجہ سے علم ہیئت پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ البتہ تعلقات استوار رہے اور برابر آنا جانا رہا۔ پھر جب میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند سے شہر کراچی پاکستان منتقل ہو گیا تو آپ سے ملاقات کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، البتہ خط و کتابت کا سلسلہ چلتا رہا۔ اور کبھی کبھار فون وغیرہ سے بھی خیریت معلوم کرتا رہتا۔

آپ کی سند حدیث:

آپ نے صحیح بخاری سب سے پہلے شیخ الادب والفقه حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امر وہوئی سے پڑھی اس لئے کہ شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی جیل میں تھے۔ جب حضرت مدنی رہا ہوئے تو آپ نے دوبارہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی حضرت شیخ الاسلام سے پڑھی، ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الاسلام) اور (حضرت مولانا اعجاز علی صاحب) نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے اور آپ نے حجتہ الاسلام مولانا قاسم صاحب صاحب نانوتوی سے اور آپ نے شیخ عبدالغنی مجددی اور آپ نے شاہ محمد اسحاق دہلوی سے اور آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اور آپ نے مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے۔ یہ سند آپ کی بہت معروف و مشہور ہے اور ہر اس شخص کو یہ سند حاصل ہے جس نے سید حسین احمد صاحب مدنی سے پڑھا ہے لیکن ہمارے حضرت شیخ کی ایک اور خصوصیت ہے اور آپ کی اس سے بھی عالی سند ہے کیونکہ آپ کو اجازت حاصل ہے حافظ وقاری عبدالرحیم صاحب امر وہوئی سے اور آپ روایت کرتے ہیں مولانا قاسم نانوتوی سے بھی اور مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے بھی، لیکن مولانا قاسم نانوتوی روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی مجددی سے اور وہ محمد اسحاق صاحب دہلوی سے اسی طرح آگے تک جیسا کہ ابھی گذرا۔ مگر شیخ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی سند عالی ہے کیونکہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب جس طرح روایت کرتے ہیں (شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی سے اور شاہ اسماعیل شہید سے اور یہ دونوں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی سے اور یہ دونوں اپنے باپ شاہ ولی اللہ سے) اسی طرح دوسری جانب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب بلا واسطہ روایت کرتے ہیں شاہ عبدالعزیز محدث سے اور وہ اپنے باپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے۔ یہ آخری سند ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے اکثر معاصرین سے ممتاز تھے۔ اور الحمد للہ میں نے بخاری جلد اول حضرت شیخ سے پڑھی اور آپ نے اپنی تمام مرویات کی اجازت دی۔ (خلاصہ سند عالی کا یہ ہے کہ حضرت شیخ روایت کرتے ہیں قاری عبدالرحمن صاحب امر وہوئی سے وہ شاہ فضل الرحمن صاحب سے وہ شاہ عبدالعزیز سے اور وہ شاہ ولی اللہ سے) اس کے بعد کی تمام اسانید مشہور و معروف ہیں اور چھپی ہوئی ہیں۔

آپ کے اخلاق و عادات، تقویٰ و پرہیز گاری:

آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک، نہایت متواضع، بول چال میں سنجیدہ، آپ کی پیشانی پر تقویٰ و پرہیز گاری کی علامتیں ظاہر تھیں نیز آپ کے چہرے پر عبادات اور مجاہدات کے انوارات روشن تھے۔ خوبصورت چہرہ، دراز قد فصاحت و بلاغت کے مالک، خوش پوشاک، پہنا و تکلف سے خالی، کبھی کبھی آپ افغانی طرز پر عمامہ باندھتے تو اور زیادہ پروقار اور بارعب معلوم ہوتے۔ مہمانوں اور آنے جانے والوں کا بہت اکرام کرتے و دیگر لوگوں سے شفقت بھرا معاملہ فرماتے، محنت کے عادی،

مطالعہ کتب، ذکر و تلاوت میں مستغرق رہتے۔ آخری تہائی رات میں تہجد ادا کرتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے، آپ قرآن کے بے مثال حافظ تھے، تلاوت سے بہت لگاؤ تھا، اسی طرح تمام کتب احادیث کتب سے بالخصوص بخاری شریف سے، جس کی وجہ سے آپ روزانہ اسکا ایک جز تلاوت کرتے۔ آپ نماز جمعہ کے لئے جلدی تشریف لے جاتے اور نماز جمعہ سے پہلے صلوٰۃ التیسح پڑھتے۔ آپ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے اور سوائے دینی اور علمی گفتگو کے کوئی بات زبان سے نہ نکالتے۔ آپ کی مجالس دینی افادہ و استفادہ کی مجلسیں ہوتیں۔ آپ کثیر البرکاء و صاحب گریہ و زاری والے انسان تھے۔

آپ کے بارے میں اہل علم کے تاثرات:

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ سے تفسیر جلالین اور

اصول تفسیر میں ”فوز الکبیر“ پڑھی ہے۔ آپ فصاحت و بلاغت کے مالک، کامیاب مدرس، متقی و پرہیزگار اور طلبہ کے ساتھ محبت کرنے والے انسان تھے، اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: کہ مرحوم حقوق اللہ و حقوق العباد کی پاسداری میں نہایت چست، ایذا رسانی سے دور اور نہایت متواضع انسان تھے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیتہ علمائے دیوبند نے فرمایا: کہ میں نے حضرت شیخ سے شرح عقائد، مسامرہ، مقامات حریریہ پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ آپ کا درس حشو و زوائد سے پاک ہوتا، افہام و تفہیم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کو وقت مقررہ پر درس ختم کرنے کا خاصہ ملکہ حاصل تھا۔ علامہ قمر الدین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے اصول و فقہ میں حسامی پڑھی ہے۔ آپ اعلیٰ اخلاق و کردار، تواضع و اعتدال و تقویٰ کے مالک تھے۔ آپ کی تواضع میں سے یہ ہے کہ ایک بار مجھے بازار سے جھولے میں سبزی لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: لائیے! سبزی میں آپ کے گھر تک پہنچنا دوں۔ اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم (جو قابلیت و لیاقت میں اپنی مثال آپ ہیں) نے پہلے بحوالہ ترمذی ایک ”حدیث حسن“ پڑھی کہ ”لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جسکی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل اچھا ہو“ پھر فرمایا کہ: حضرت شیخ اس حدیث کے حقیقی مصداق تھے کیونکہ آپ نے تقریباً ۶۵ سال تک درس و تدریس اور دیگر اہم ذمہ داریوں کو نبھایا ہے۔ میں نے آپ سے علامہ عبدالرحمن صاحب جامی کی ”شرح جامی“ پڑھی ہے۔ آپ اخلاق حسنہ اور اظہار رائے میں اعتدال کی وجہ سے ممتاز تھے۔ اسی وجہ سے ہمیشہ آپ نے دارالعلوم میں ایسی میانہ روی اختیار فرمائی جو انصاف اور کامیابی کی ضامن ہوتی، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ آپ میں ایک ایسی خصوصیت تھی کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند جو تقریباً ڈیڑھ سو صدی پر مشتمل ہے جسمیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ یہ کہ آپ نے ایک چھوٹے سے رسالہ ”میزان و منشعب“ سے درس کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے درس نظامی کی آخری کتاب یعنی صحیح بخاری تک پہنچ گئے۔ جب میں آپ کو خوش پوشاک میں ملبوس دیکھتا تو خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے جو آسمان سے اتر آیا ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے شعبہ عربی ادب کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ: ”آپ کی سب سے بڑی خصوصیت میری نگاہ میں: وہ آپ کی قناعت، مال و منال سے دوری اور لوگوں کی نگاہ میں برابرا دینے والی چیزوں سے کنارہ کشی ہے“ اور اپنی روزمرہ زندگی کی ایسی نگہداشت کہ عمر بھر کسی انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملا، اور پاکستان کے مشہور محدث و شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی صاحب فرماتے ہیں جب میں زمانہ طالب علمی میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ چند دنوں کے لئے دیوبند آیا تو میں نے فرصت کے لمحات حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب کے درس میں حاضری دے کر قیمتی بنائے۔ میں نے حضرت سے مقامات حریریہ اور شرح جامی میں استفادہ کیا ہے۔ آپ ایک کامیاب مدرس اور حسن اخلاق اور تواضع سے بہرہ ور انسان تھے، آسان طریقے سے سبق سمجھانے پر آپ بخوبی قادر تھے۔

پسماندگان:

آپ کے کل ۵ صاحبزادے ”بھائی ضمیر احمد خان، بھائی عارف امان، بھائی عزیز احمد خان، بھائی شکیل احمد خان، بھائی عقیل احمد خان اور ۲ صاحبزادیاں، پوتے اور پوتیاں ہیں۔ ساتھ ہی وہ حضرات بھی آپ کے پسماندگان میں ہیں جنہوں نے آپ سے استفادہ علمی کیا ہے اور ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں نیز آپ سے خالص اللہ کے لئے محبت رکھنے والے ہیں۔

دل غمزہ ہے اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں اب اللہ کی رضا مندی کی باتیں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اے اللہ ہمارے شیخ کی بہترین مہمان نوازی فرما! اے اللہ ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے اور ان کے اعمال صالحہ قبول فرما! اور آپ کا حساب آسان فرما! اور اپنے مقرب بندوں میں شامل فرما! اور آپ کے اہل و عیال، محبین خصوصاً آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کو صبر اور تسلی کا سامان عطا فرما!، آپ ہی قبولیت کی امید کئے جانے کے زیادہ لائق ہیں، بہترین مددگار اور بہترین کارساز ہیں۔

مقبول جوهوں ، شاذہیں ، قابل تو بہت ہیں

شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب اور ایک طالب علمانہ تاثر

از: محمد تبریز عالم قاسمی

معین مدرس دارالعلوم دیوبند

اس دنیا میں آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے، لیکن کچھ آنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ ان کی زندگی انفراد امتیاز سے عبارت ہوتی ہے۔ دنیا ان کی صلاحیت کو سلام کرتی ہے۔ دنیا والے اس کے ناقابل فراموش کارہائے نمایاں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اس کے علم و عمل کی دلکشی، واقعی سحر انگیز ہوتی ہے۔ مگر ایسی سعید اور قابل فخر شخصیات کم ہوا کرتی ہیں، ان کا وجود مسعود، دنیا میں جب تک ہوتا ہے، قلوب ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر دیکھتے رہنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر ایسی جماعت کا کوئی فرد کامل اپنی آخری اور حقیقی منزل کے لئے شدر حال کر لیتا ہے تو کچھ عجب سا سونا سونا سا لگتا ہے، کچھ بلکہ بہت کھوجانے کا شدید احساس ہوتا ہے۔ طبیعت اضطراب و بے چینی سے دوچار ہوتی ہے۔

گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند (پیدائش ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء) بھی انہیں مرد حقانی میں سے ایک تھے۔ جو ۱۹ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات رحمت الہی کے سائے میں پہنچ گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ اس دور کے اکابر دارالعلوم دیوبند کے سلسلے کی آخری کڑی تھے، راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند میں جن موقر اساتذہ سے پڑھا، انہیں دیکھا اور حد درجہ متاثر ہوا، حضرت ان میں سرفہرست تھے۔

۱۴۲۷ھ میں جب دورہ حدیث شریف میں داخلہ کے بعد، پہلے یا دوسرے ہی دن حضرت کا دیدار ہوا، عجیب نورانی سماں تھا۔ دارالحدیث میں چاروں طرف طلبہ حدیث اور ان کے درمیان مسند حدیث پر ایک فرشتہ صفت اور روشن رخ، بزرگ و عظیم محدث واقعی بڑا ہی مستور کن منظر تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ پر رونق ستاروں کی جھرمٹ میں کوئی روشن ماہ کامل طلوع ہو گیا ہے۔ ایسا نورانی چہرہ کہ دیکھ کر ایمان تازہ ہو جائے۔

حضرت الاستاذ ہی نہیں بلکہ استاذ الاساتذہ تھے، دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی مدرسین سے لیکر شیخ الحدیث تک سب آپ کے شاگرد ہیں۔ شاید ہی کوئی مستثنیٰ ہو بلکہ آج پوری دنیا میں قاسمی نسبت کے اساتذہ یا تو حضرت کے شاگرد ہیں یا شاگرد کے شاگرد کے درجے کے تو ضرور ہیں۔ حد درجہ متین، طبیعت نہایت سلیم و سادہ مگر لطیف و نظیف لباس کے عادی، آواز بلند، لیکن لب و لہجہ نہایت شیریں، علم نافع اور عمل صالح کا سنگم، کم گو، لیکن بولتے تو کلام نہایت مرتب اور جامع ہوتا تھا۔ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی کلام فرماتے۔ قلب تقویٰ و اخلاص سے لبریز، ملن ساری و خاکساری میں اپنی مثال آپ، صحابہ کی جیتی جاگتی تصویر، قد و قامت معتدل، آنکھوں پر ایک چشمہ، ہاتھ میں عصا، گردن اور نگاہیں نیچی، زندگی سادگی لئے ہوئے لیکن خیالات و افکار اونچے، مزاج سنجیدہ و فہمیدہ۔ مگر رعب غضب کا، سلف و خلف کی یادگار، جملہ علوم و فنون کے ماہر، علم حدیث میں ماہر ترین، چھوٹوں پر ایسے شفیق کہ کسی طالب علم کو جائز اور ضروری تنبیہ کے بعد دل جوئی کے کلمات کہنے میں ذرا بھی تاثر نہ کرتے مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کے ذہن میں حضرت کا یہی خاکہ مرتسم ہے۔

حضرت شیخ اولؒ اور بخاری شریف :

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد اگر کوئی کتاب اصحیت کا درجہ رکھتی ہے تو وہ محمد بن اسماعیل بخاری کی ”جامع صحیح“ جسے ہم بخاری شریف کہتے ہیں، جس کے مقام و مرتبے سے علمی دنیا خوب واقف ہے۔ اس کے پڑھانے والے کو اپنے دیار میں ”شیخ الحدیث“ جیسے مرتبت لقب سے جانا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ ایسے خوش بخت حضرات منجانب اللہ منتخب ہوتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں جو واقعی اس عظیم کتاب کو پڑھا سکیں اور اس کا حق

ادا کر سکیں۔ یہ خوش نصیبی ہمارے شیخ کے حصے میں بھی آئی اور خوب آئی۔ کہ کم و بیش ۳۳ رسالوں تک یہ کتاب آپ سے متعلق رہی، چنانچہ ایک طرف آپ اپنی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے ۱۳۹ھ میں ’مشجیت‘ کے بڑے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ جس کا سلسلہ محض علالت، ضعف اور پیری کی وجہ سے ۱۴۲۹ھ میں موقوف ہو گیا۔ تو دوسری طرف ۱۴۱۲ھ میں صدارت تدریس کے پروقار عہدے پر بھی فائز کئے گئے اور ۱۴۲۹ھ تک پورے ۱۷ سال اس عہدے پر رونق افروز رہے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں :

دارالحدیث میں مولسری کے راستے نازک چھڑی کے سہارے حضرت کا تشریف لانا، مانگ کے سامنے آکر سلام کرنا پھر چہارز انوا یک ہی نشست پر بیٹھ کر درس میں مصروف رہنا ابھی بھی حافظ کا حصہ ہے۔ اکثر اوقات پروقار رہتے اور کبھی مسکراتے بھی تھے، آپ کے مسکرانے سے پوری دارالحدیث عطر بیز ہو جاتی تھی۔ کبھی آخرت کے تذکرے یا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدے اور تکالیف کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے، آپ کے رونے پر پوری مجلس رو پڑتی تھی، یہ تھا درس گاہ کا منظر۔ اختتامِ درس پر پروقار انداز میں اٹھنا، پیچھے پیچھے طلبہ کی بھیڑ اور ’’اہتمام میں جانے والی سیڑھی کے سہارے رکشے پر بیٹھنا اور بیٹھ کر موجود طلبہ کو ایسے مشفقانہ انداز میں سلام کرنا کہ دیر تک اس کی خوشبو محسوس ہوتی۔ آج اس منظر اور اس کی یادوں سے دل بیٹھ جاتا ہے۔ سوال کی گہما گہمی میں آغازِ تعلیم کے موقع پر اولین کلیدی درس حضرت کا ہوتا۔ صبح سے ہی خوب رونق اور چہل پہل، طلبہ قدیم و جدید میں جوش و خروش، شیخ کی آمد اور پہلے دن کتاب بخاری اور صاحب کتاب پر دیر تک ٹھہرا ہوا اور دلکش بیان، حافظہ سے مٹانا بہت مشکل ہے۔ ایسے ہی ایک پر رونق اور روحانی فضا آخر سال میں ختم بخاری کے وقت ہوتی اور وہ منظر تو بڑا ہی اندوہ گیس، دلسوز اور رلانے والا ہوتا۔ آخری درس میں مختصر الوداعی نصیحتیں فرماتے اور دعا فرماتے۔ جس میں طلبہ دارالعلوم کے علاوہ اہالیان دیوبند اور دور دراز کے لوگ شریک ہوتے۔

۱۴۲۷ھ ایسا سال تھا کہ حضرت نے اس سال آخری بار پوری بخاری جلد اول پڑھائی اس کے بعد دو سالوں تک پڑھائی مگر بیچ بیچ میں طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وقفہ ہوا اس سال ہمیں آخری نصیحت کی کہ:

’’اب آپ کا سفر الی العلم ختم ہوا اور سفر فی العلم شروع ہو رہا ہے اور دعا میں ایک جملہ فرمایا کہ بچوں! جب میری وفات کی اطلاع ملے تو ایصالِ ثواب کرنا جس پر کوئی بھی روئے بغیر نہ رہ سکا‘‘

آج احاطہ مولسری کا وہ راستہ جو آپ کی آمد و رفت کا گواہ ہے۔ دارالحدیث کا وہ مسند جس پر آپ ایک عرصہ تک جلوہ افروز رہے اور وہ طلبہ اور اساتذہ جو آپ کے دیدار کے متمنی رہا کرتے تھے، بزبان حال وہ بات کہنے پر مجبور ہیں جو کبھی کسی باذوق نے شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد کہی تھی۔

نہیں ہے پیر میخانہ مگر فیضان باقی ہے
ابھی تک میکدہ سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

مدرسہ کی چہار دیواری میں ایک شعر بہت مشہور ہے کہ۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
میں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

حضرت شیخ اس شعر کی مکمل تفسیر تھے۔ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا، نہ اسفار نہ ہی جلسے جلوس میں شرکت۔

ایک واقعہ:

سال گذشتہ غالباً ربیع الاول میں کسی کام سے حضرت کے گھر گیا، حسن اتفاق حضرت ملاقاتی کمرے میں تشریف فرما تھے، نقاہت و کمزوری ظاہر تھی۔ لیکن خوش روی اور آواز حسب سابق تھی۔ راقم ناچیز نے سعادت سمجھ کر فوراً سلام و مصافحہ کیا۔ حضرت کے استفسار پر میں نے بتایا کہ امسال شعبہ تدریب المعلمین (معین مدرسی) میں ہوں بہت خوش ہوئے اور چائے منگوائی۔ اور راقم کو استاذ کہہ کر مخاطب فرمایا جس کے ہم حقیقی طور سے ہم مستحق نہیں تھے۔ وہ بھی حضرت کی زبان سے لیکن کیا کیجئے شفقت و محبت اور پدرانہ معاملہ تو اسی دنیا کی ایک چیز ہے۔ پھر نصیحت فرمائی کہ:

”بھائی! اب مار کاٹ کا زمانہ ختم ہو گیا، طلبہ پیار و محبت سے پڑھا کرتے ہیں تو محنت سے پڑھائیں اور محبت سے پڑھائیں“

حضرت سے یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ تصور میں بھی نہیں تھا کہ ایک سال بعد ہی حضرت ہم سے جدا ہو جائیں گے۔

حضرت بلا واسطہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد تھے۔ کبھی دوران درس حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ آتا تو آب دیدہ ہو جاتے۔ واقعی حضرت کا وجود کبھی ہمیں احساس دلاتا تھا کہ ہم بھی ”اکابر و اسلاف“ کے دور میں جی رہے ہیں۔ ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم نے حضرت کی ذات میں خیر القرون کے باکمال افراد کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت کی اولاد سب وہ نہیں ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئیں بلکہ ان کے سارے شاگرد ان کی روحانی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اور درجات بلند فرمائے (آمین)

آپ نے اپنی روحانی اولاد کی اتنی کثیر تعداد چھوڑی ہے کہ حساب و شمار مشکل ہے۔ یہ سب یقیناً حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ خدام حدیث کی جب بھی فہرست تیار ہوگی تو حضرت الاستاذ کا نام اولین لوگوں کے ساتھ سرفہرست ہوگا۔ آپ نے اپنی علمی زندگی سے جو مثالیں قائم کی ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور علمی سطح پر جو چھاپ چھوڑی ہے۔ اس کا نقش ہمیشہ علماء و طلبہ کی رہنمائی کا کام انجام دیتا رہے گا۔ اور آپ کی خدمات جلیلہ بالخصوص حدیث کے حوالے سے ہمیشہ یاد کی جائیں گی۔ مولانا دریا آبادی کی کسی کتاب میں کبھی ایک شعر نظر سے گذرا تھا۔ حضرت کی زندگی دیکھنے پر ایسا لگتا ہے کہ یہ شعر انہیں کے بارے میں کہا گیا ہے، جو واقعیت و حقیقت سے لبریز ہے۔

مقبول جو ہوں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں

آئینہ کے مانند ہیں کم دل تو بہت ہیں



جذمن سلطان بود

عزیز قلم: محمد طارق خان

متعلم دارالعلوم دیوبند

ہاتھ اللہ کا ہے، بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں و کار ساز

خاک کی و نوری نہاد، بندہ مولیٰ صفات

ہر دو جہاں سے ہے غنی، ہے اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

بزم ہو یا رزم ہو پاک دل و پاک ساز

(اقبال مرحوم)

یہ حقیقت ہے کہ موت کی پر پیچ اور ہولناک وادیوں میں نہ جانے کتنے انسانی وجود شاہ و گدا، امیر و غریب، شیخ و شہاب، مرد و زن اس طرح کھو گئے کہ آج صفحہ بر عالم میں کوئی ان کا نشان قدم بھی نہیں ملتا، تاریخ کے کسی ستون پر ان کا نام کندہ نہیں، موت نے ان کے وجود کو اس طرح خاکستر کر دیا کہ کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں۔ لیکن انسانوں کی اس بھیڑ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا چلا جانا صرف کسی عزیز کا پچھڑ جانا نہیں ہوتا بلکہ ان کی جدائی کا غم کا ٹٹا بن کر ہمیشہ دل میں چھرا رہتا ہے، اور دل کو لوہا نہ کئے رہتا ہے، درحقیقت ایسے ہی لوگ جب ہماری نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جاتے ہیں تب انکی باتیں سسکیاں بھرنے پر مجبور کرتی ہیں، تب پھر دھڑکتے دل، بھیگی پلکوں اور غمزدہ ماحول کی موجودگی میں یہ چند یادیں قید ذہن سے آزاد ہو کر کچھ اس طرح قرطاس پر منقش ہو جاتی ہیں۔

میرے دادا جی یعنی حضرت اقدس شیخ الحدیث و صدر مدرس مولانا قاری نصیر احمد صاحب جو شریعت کے قطب مینار، انسانیت کا مجموعہ، فضائل و شمائل کا ہمالیہ، حلم و وقار کا کوہ شوالک، نیکیوں کا بیت المقدس، صلاح و تقویٰ کا کعبہ، اکابرین کے واقعات و قصص کی قاموس، باہوش منتظم، فہیم دانشور، زبان شکر قند کے ساتھ اس قدر بے شمار فضائل و مناقب کے حامل کہ ہر ہر وصف ان کی کلاہ افتخار میں چمکدار نگینہ بن کر جڑا ہوا تھا، رگدڑا آخرت ہو گئے، ہونا ہی تھا، نہ کوئی نئی بات ہے نہ غیر متوقع حادثہ، مگر دلوں کی دنیا اور یادوں کی بستی سے ان کا نقش جمیل مٹ جانا ممکن نہیں۔

موت تجرید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

کیسے بھول جاؤں ان حسین یادوں کو کہ متناسب بدن، پیرانہ سالی میں نحیف جسم، تقدس مآب بارعب و پر نور چہرہ، جس پر بڑی بڑی چمکدار روشن آنکھیں جس سے معصومیت و شرافت چمکتی تھی، کشادہ و تابناک پیشانی جو علمی عظمت و جلالت کی نیر تاباں تھی، سفید داڑھی، جسم پر صوفیانہ رنگ و انداز کی سادہ شیروانی، سر پر دوپلی ٹوپی، ہاتھ میں عصا لئے دادا جی سبق پڑھانے جانے کے لئے تیار برآمدے میں کرسی پر جلوہ افروز ہیں، تھوڑی دیر بعد رکشہ پر سوار دارالعلوم تشریف لے جاتے ہیں، کس قدر شان و عظمت کے ساتھ، مانو! کوئی فرمانروا اپنی قلم رو کا دورہ کر رہا ہو، اب بھی وہ منظر یاد آتا ہے تو دل دھک سے ہو

کر رہا جاتا ہے کہ عظمت و وقار کا وہ تاج محل ان کے چلے جانے سے شب گزیدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت مشکل سے انسان بنتا ہے لیکن جب وہ ایک کامل انسان بن جاتا ہے تو پھر اس کامل انسان سے خدا تعالیٰ انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتی کو شادابی بخشے ہیں، اس کی ضیاء پاشیوں سے انسانوں کے قلوب منور رہتے ہیں، اس کے ارد گرد کی ہر ہر چیز ایک روحانی کیف سے سرشار رہتی ہے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہیں، وہ روحانیت، داداجی کا وہ کمرہ جس میں وہ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے یا باہر برآمدہ میں تخت پر جلوہ افروز یا عصر کے بعد کی مجلس میں علوم و معارف کے موتی برساتے ہوئے کیسا ڈر اور رعب رہتا تھا لیکن اس رعب میں ایسی خوشی پنہاں تھی جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا، چونکہ ہم بچے ان کے چھوٹے چھوٹے خادم تھے اور پھر اوروں کی بنسبت مجھ سے اور میرے ہم عمر بھائی ”سعد“ سے کہ اس وقت ہم دونوں ہی گھر میں سب سے چھوٹے تھے، والہانہ محبت کرتے تھے، باہر سے وہ غصہ والے معلوم ہوتے تھے لیکن اندر سے وہ کس قدر نرم مزاج، نرم گفتار تھے اور نرم روی اور نرم گفتاری کے کیسے حسین و جمیل پیکر تھے یہ ہم ہی جانتے ہیں، آج بھی ان کی وہ شفقتیں اور محبتیں یاد آتی ہیں تو آنسو بہہ پڑتے ہیں، سب کچھ ہونے کے بعد بھی زندگی سونی معلوم ہونے لگتی ہے، کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھے اب بھی آواز دے رہے ہوں ”ارے بھائی طارق“ اور میں دوڑ کر چلا جاؤں پھر وہ مجھے اپنی خوش اخلاقی و خوش گفتاری کی لطیف شبنم میں بھگو دیں لیکن ع

”یاد ماضی عذاب ہے یارب“

علمائے دیوبند کے یہاں یہ وصف ہمیشہ روح جان رہا ہے کہ وہ سب کچھ ہو کر بھی اپنے آپ کو ہیچ گردانتے تھے، وہ علم و عمل کے بادشاہ تھے لیکن پھر بھی سادگی کا چولہ ان کے بدنوں پر زیب تن رہتا تھا، بالکل یہی خصلت داداجی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اپنے بڑوں کے در سے انہوں نے اس وصف کو اپنے دامن دل میں سمیٹا اور آخر عمر تک اس کی حفاظت کی، وہ بے غرض تھے، بے نفس تھے، بے ریا تھے، انہوں نے اپنے آپ کو سونے کی طرح مجاہدوں کے ہتھوڑوں سے کوٹنے اور عاجزی و انکساری، فروتنی و بے نفسی کی بھٹی میں تپا کر کندن بنا دیا تھا، وہ نہایت سادگی پسند انسان تھے، مزاج میں سادہ لوحی کا عنصر غالب تھا، ریاکاری، نام و نمود تو گویا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا یقیناً ان کی زندگی مانند ایک لالہ کے تھی جس کا ہر غچہ خوبی ایک عالم کو مہکار ہا تھا لیکن وہ گلشن خزاں رسیدہ ہے اب صرف ان کی یادیں ہیں دل و دماغ میں محفوظ ان کی کچھ دھندلی، کچھ پختہ رنگ تصویریں مگر صفحہ کا دامن اس قدر وسیع نہیں کہ ان کی تمام تصویروں کا احاطہ کیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بحر و کمال کی چھوٹی سی لہر بھی اتنی وسیع، خوش رنگ، پر کیف ہے جسے اس مختصر سے مضمون میں نہیں سمویا جاسکتا، بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ سلطنت علم و فضل کا بے تاج بادشاہ کہ علوم فقہیہ کا تنہا امام، آبروئے ہند دارالعلوم دیوبند کا خادم، وفا کیش، ایک آفتاب جہاں تاب غروب ہو چکا ہے۔

مقدر ہوا تو خاک سے پوچھو ننگائے نسیم

تو نے وہ غنچہ مائے گراں مایہ کیا کئے؟

زندگی کی گاڑی وقت کی پٹری پر دوڑی چلی جا رہی ہے، شاید داداجی کے پختہ نقوش آہستہ آہستہ دھندلے ہو جائیں لیکن ابھی یہ حال ہے کہ ان کی یادیں سوہان روح بنی ہوئی ہیں اور رونے پر مجبور کرتی رہتی ہیں اس وقت جبکہ میں کروٹیں بدلتا رہتا ہوں اور تنہائیاں مجھے ڈسنے کو دوڑتی ہیں، تب غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوتا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک ماں اپنے پیارے ننھے بچے کو تھپکیاں دیکر سلا رہی ہو، ابھی وہ ہاتھ غائب بھی نہیں ہو پاتا کہ میں اپنے آپ کو نیند کی راہوں میں مست خرام پاتا ہوں۔



درس حدیث کا ایک ستون اور گرا.....

از: مفتی اصغر علی قاسمی

امام و خطیب مسجد نورانی پادرائن پورہ، بنگلور

نمونہ نمیرت، مومنانہ فراست، عالمانہ بصیرت، فاضلانہ فقاہت، معصوم طبیعت، بارعب صورت، کلام فصاحت، زبان حلاوت، ماہر شریعت، صاحب استقامت، پیکر عشق رسالت مآب ﷺ..... ان تمام اوصاف حمیدہ کو کسی پیکر محسوس میں رکھا جائے تو بنے گا:

”نصیر احمد خان“

۲۴ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات صبح سات بجے راقم السطور مدرسہ میں مصروف تھا جو پور یو پی سے راقم کے ایک استاذ جناب قاری نیاز احمد صاحب خیر آبادی مدظلہ کافون آیا، علیک سلیک کے بعد دفعۃً آں محترم نے پوچھا کہ دارالعلوم کی کوئی بات معلوم ہوئی؟ راقم نے چوتکتے ہوئے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو آں استاذ نے اپنے تھرتھراتے ہونٹوں اور کپکپاتی زبان سے ایک ایسی اندوہناک، جانگسل اور روح فرسا خبر سنائی کہ جسے راقم کی سماعت قبول کرنے کو تیار تھی نہ دل ہی یقین کرنے کو مگر وہ خبر ایسی بھی نہیں تھی کہ جس کے صدق میں کوئی احتمال ہو بلکہ اس مرحلہ سے تو ہر ذی روح کو گذرنا ہے۔ اور ہر نفس کو اس کا مزہ چکھنا ہے اور وہ خبر تھی کہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب اب ہمارے درمیان نہ رہے، اور اس طرح سے درس حدیث کا ایک ستون اور گر گیا۔

ابھی علامہ انظر شاہ کشمیریؒ کے داغ فراق کو بھلا بھی نہ پائے تھے کہ ایک اور ”صدمہ جانکاه“ امت مسلمہ کو پہونچ گیا۔ راقم نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا یہی حکم قرآن ہے اور تسلی کا سامان بھی، پھر وہ تمام تصویریں جو شعور کے آئینہ خانہ میں آویزاں تھیں احساسات کے پردہ میں نظر آنے لگیں اور کچھ آنکھوں کے راہ سے بہہ پڑیں اس لئے کہ ۷

فضا کس کو نہیں آتی یوں تو سب کو آتی ہے

مگر مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی تھی

بعدہ مدرسہ کے اساتذہ کرام مع طلبہ عزیز نے قرآن خوانی کی اور حضرت والا کے رفع درجات کے لئے دعائے مغفرت کی، یہ سانحہ ارتحال جمعرات کورات دو بجے پیش آیا تھا اس لئے جمعرات کے اخبارات میں یہ خبر شائع نہ ہو سکی تھی مگر اس کے باوجود آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے ملک میں پھیل چکی تھی چنانچہ ملک بھر سے فونوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور جس نے بھی اس حادثہ فاجعہ کی خبر سنی اپنی نمناک آنکھوں اور کپکپاتی زبانوں سے حضرت والا کو خراج عقیدت پیش کیا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم میں ہے کہ ”فما بکت علیہم السماء والأرض“ کہ نہ ان پر آسمان رویانہ زمین یعنی بعض گنہگار بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مرنے پر کوئی آنسو نہیں بہاتا۔

ترجمہ شیخ الہند میں اسی آیت کے فوائد کے تحت لکھا ہے کہ جب مرد مومن انتقال کر جاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جہاں سے اس کی نیکیاں اوپر چڑھتی تھیں، وہ زمین روتی ہے جہاں پر وہ نماز پڑھتا تھا بلکہ دنیا سے جانے والے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن پر صرف انسان ہی نہیں جنات اور دیگر مخلوقات بھی روتی ہے، جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو جنات بھی روئے تھے (تاریخ الخلفاء ص: ۱۳۶)

اس لئے بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج وہ مصلے جس پر حضرت شیخ نماز پڑھا کرتے تھے، وہ مسند جس پر آپ براجمان ہو کر درس دیا کرتے تھے اور وہ راستے جن سے گذر کر آپ مسجد، دارالحدیث اور دفتر و گھر آیا جایا کرتے تھے یقیناً تمام بلک بلک کر رو رہے ہوں گے۔

آپ ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۹۱۸ء کو ضلع بلند شہر، موضع ”بسی“ میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن مجید اور عربی فارسی کی جملہ کتابیں شروع سے

آخر تک ”مدرسہ منج العلوم گلاؤٹھی، ضلع بلندشہر“ میں پڑھیں، پھر ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم کے دورہ حدیث میں داخلہ لیکر کامیابی حاصل کی اور ۱۳۶۶ھ میں دیگر فنون ہیئت و تجوید میں حفظ سبعہ کی تکمیل کی، حق جل مجدہ نے حضرت شیخ کو گونا گوں خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ بیک وقت محدث بھی تھے اور صدر مدرس بھی، شیخ الحدیث بھی تھے اور نائب مہتمم بھی، آپ کی ان خداداد صلاحیتوں سے مخلوق خدا نے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا چنانچہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء کے آخر میں آپ بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند مقرر ہوئے، اور چونکہ دارالعلوم کے ارباب حل و عقد نے آپ کی انتظامی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا اس لئے ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نائب مہتمم بھی مقرر کر دئے گئے، اور ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، پھر ۱۴۱۲ھ منصب صدارت بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا اور بحمد اللہ آپ ان تمام ذمہ داریوں کو اخیر تک بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔

آپ کو جو کمائیں دی جاتیں آپ ان کا حق ادا کر دیتے، آپ رات کے قلندر تو دن کے مجاہد تھے، کثرت مطالعہ اور تحقیق و تدقیق آپ کی عادت بن گئی تھی آپ کی صلاحیت و قابلیت کا اعتراف آپ کے اساتذہ کرام بھی کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”فن ہیئت“ میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، ہیئت کے رسالہ ”فتحیہ“ کے حواشی اس بات کے شاہد عدل ہیں، آپ صرف مدرس ہی نہیں، رجال ساز بھی تھے، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ پورے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث اور آپ کے جانشین حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، علامہ قمر الدین صاحب مولانا عبدالحق صاحب مدرسی محدث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی صاحب ”قاموس الجدید“ جیسے جبال العلم اور کبار علماء آپ کے تلامذہ ہیں سے ہیں کم از کم ۶۵ رسال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی فریضہ کو انجام دیا اور ۴۰ رسال درس حدیث آپ سے متعلق رہا جبکہ خاص ”أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري“ یعنی بخاری شریف کا درس ۳۲ رسال آپ سے متعلق رہا، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

جب آپ کی نقاہت و ضعفی دارالحدیث آنے جانے سے مانع بننے لگی تو بادل ناخواستہ تدریس سے سبکدوش ہو کر آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف رکھنے لگے مگر علم کے پروانے وہاں بھی پہنچ جایا کرتے تھے اور ان کا گھر بھی ایک چھوٹا سا ”دارالحدیث“ بن جایا کرتا تھا اس طرح سے آپ نے گزشتہ دو سال یعنی ۱۴۲۹ھ تک تدریسی حدیث کا فریضہ انجام دیا یعنی مسلسل ۳۲ رسال۔

حضرت والا صدر المدرسین ہوتے ہوئے بھی بڑوں کے ساتھ انتہائی تواضع اور انکساری اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت پداری سے ملا کرتے تھے۔ انتظامی امور میں حد درجہ صفائی اور سلیقہ مندی کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث کا درس حدیث:

علم و فن کا یہ بحر بے کراں اور رمز و معانی کا یہ ٹھکانہ مارتا سمندر جب مسند درس پر براجمان ہو جاتا تو طلبہ کرام کے ظروف کے مطابق علوم و معارف کے موتی بہاتا، تا کہ مہمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بارگراں نہ ہو چنانچہ حضرت شیخ درس میں نفس مسئلہ اور تحت عبارت کلام فرمایا کرتے تھے جس سے طلبہ کرام کو فہم متن اور مسائل و عبارت میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آتی تھی اور سونے پے سہاگہ یہ کہ اللہ غنی نے اپنے خزانہ قدرت سے آپ کو نصیح و بلغ اور ”شیریں زبان“ سے نوازا تھا، کہ کوثر و تسنیم سے دھلی زبان اور بھاری بھر کم آواز سے دارالعلوم کے درو یوار اور اس پاس کے علاقے گونج اٹھتے تھے، درس میں کسی طالب علم کو تشنہ لبی کی شکایت قطعاً نہ رہتی تھی، طلبہ میں یہ بات مشہور تھی کہ

”لوک قرآن کرے“ قاری“ ہوتے ہیں مگر حضرت شیخ اردو کرے بھی قاری ہیں“

یعنی آپ اردو میں بھی مخارج و ادائیگی کا اس قدر خیال فرماتے تھے، اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ کی عمر طبعی ۹۲ رسال تھی مگر آپ اخیر زمانہ درس تک انتہائی ادیبانہ، چست جملے اور مربوط گفتگو فرمایا کرتے رہے آپ کی تقریر کا کوئی جملہ سامعین کی سماعت سے ضائع نہیں ہوتا تھا، آپ کی درسی

تقریرا گرنوٹ کر لی جائے تو وہ ایک ایسی مکمل کتاب جو دلائل سے مدلل، براہین سے مستحکم، اقوال سلف سے مزین اور حشو و زوائد سے مبرا تیار ہو جائے۔
حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص حفاظت حدیث کا کام کرتا ہے، یعنی اچھی طرح سنتا ہے پھر اچھی طرح محفوظ رکھتا ہے اور پھر اسے دوسروں تک من و عن نقل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو ہمیشہ تروتازہ رکھتا ہے، چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش اور تروتازہ نظر آتے تھے، آپ کا چہرہ ایسا روشن اور چمکدار تھا کہ گویا کہ ”عکس قمر“ ہے، آپ کے انہیں اوصاف و کمالات کے پیش نظر احقر نے دارالعلوم کے آخری سال میں جو الوداعی ترانہ پیش کیا تھا اس میں حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی شان میں یہ بند جوڑا تھا

شیخ اول تری عمدہ شیریں زباں

راہ رو بھی سنے رک کر تیرا بیاں

رفق دل میں نہیں تیرا ثانی یہاں

تیری ناموس عزت پے مرجائیں گے

یاد کر کے تجھے ہم چل جائیں گے

(اصغر علی)

سراپا عشق و محبت:

حضرت شیخ کے اندر عشق نبی اور محبت رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جب کبھی دورانِ درس آقائے مدنی ﷺ کی امت کے تئیں شفقت و محبت اور آپ ﷺ کے ساتھ کفار و مشرکین کی طرف سے مصائب و آلام اور ابتلاء و آزمائش کا ذکر آجاتا تو حضرت شیخ کی آواز بھڑا جاتی، آنکھیں اشک بار اور زبان رک جاتی، منہ سے الفاظ نہ نکل پاتے جس سے طلبہ کرام پر سکتہ و گریہ طاری ہو جایا کرتا تھا۔

دوسری اہم بات جس کا ہم طلبہ نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت شیخ درس حدیث کے لئے شروع میں جس ہیئت پر بیٹھتے اسی ہیئت پر درس کا اختتام فرمادیتے، بار بار اپنے زانوؤں کو نہیں بدلتے اور یہی ہے حدیث رسول کا ادب و احترام، طلبہ کرام تھک جاتے تھے، مگر یہ عاشق رسول اور حدیث کا دیوانہ ایک جگہ سے ہلٹا ڈولتا بھی نہیں تھا، آپ کے ادب و احترام اور اہتمام درس حدیث کو دیکھ کر ہم طلبہ کو حضرت امام بخاریؒ کی اور امام مالکؒ کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی۔

تو اتر سے یہ ثابت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے ترتیب بخاری کے لئے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور حد درجہ کا اہتمام فرمایا تھا۔ حضرت شیخ بھی با وضو اور مودب ہو کر انتہائی اہتمام اور احترام کے ساتھ دارالحدیث میں تشریف لایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ طلبہ کرام کو حدیث کا درس دے رہے تھے، طلبہ نے آپ کے چہرہ میں تکلیف کے آثار محسوس کئے مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، جب درس دے چکے تو آپ نے طلبہ سے کہا کہ میری پیٹھ سے قمیص کو ہٹاؤ، طلبہ نے کپڑے کو ہٹایا تو دیکھا کہ آپ کی پیٹھ پر بچھو نے سترہ جگہ پر ڈنک مارا ہوا ہے، شاگردوں نے کہا حضرت آپ نے اشارہ کیوں نہ فرمادیا؟ ہم اسے ماردیتے، تو حضرت امام مالکؒ نے ایک بات کہی جو ہم علماء و طلبہ کے لئے نصیحت و سبق آموز ہے، آپ نے فرمایا ”صبرت بجلال حدیث رسول اللہ ﷺ“، یعنی میں نے بچھو کی تکلیف پر جو صبر کیا وہ حدیث رسول ﷺ کی عظمت شان کی وجہ سے۔

(تحفۃ العلماء والطلبہ)

غور کریں! کہ آپ نے بچھو کے ڈنک کو برداشت کر لیا مگر حدیث رسول کی بے ادبی و لا پرواہی کو گوارہ نہ فرمایا۔ اسی طرح حضرت شیخ بھی اپنے پیروں کے درم کو، تکلیف کو برداشت کر لیتے تھے مگر حدیث رسول کی بے ادبی و لا پرواہی کو ہرگز گوارہ نہ فرماتے تھے، گویا آپ اپنے اکابر و اسلاف کے عکس جمیل تھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تاناہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شیخ کے تلامذہ کے لئے مژدہ مسرت :

حضرت شیخ کو متعدد سلسلوں سے سند حدیث اور اجازت حاصل ہے، مگر ایک سند اتنی مختصر ہے کہ صرف تین واسطوں سے حضرت شیخ کے تلامذہ مرکز الاسانید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچ جاتے ہیں جو قابلِ صداقتِ ربات ہے، مثلاً حضرت شیخ کے تلامذہ کی سندیوں ترتیب پائے گی۔

”يقول جميع الطلاب حدثنا شيخنا مولانا نصير احمد خان، حدثنا الشيخ عبد الرحمن الأمرهوي، حدثنا الشيخ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی، حدثنا الشيخ عبد العزيز بن الشيخ ولي الله احمد الدهلوي، والسند تمامه الى المؤلف.

(نوٹ: یہ سند حدیث حضرت شیخ نے ملیشیاء سے آئے طلبہ کو اپنی طرف سے بطور خاص عطا کی تھی جس کی کتابت راقم کے ایک دوست مولانا منیر احمد بلیاوی نے کی ہے، حضرت شیخ اس قیمتی سلسلہ سند کو وقتاً فوقتاً دورانِ درس بھی تحدیث بالنعمت کے طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے۔



الوداع: اے دانائے راز

از قلم: سعد شکیل خان

متعلم دارالعلوم دیوبند

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جس نے ہمیں پریشان کن حالات میں ”استعینوا بالصبر“ کا حکم دیا اور ”ان اللہ مع الصابرين“ کی بشارت سنا کر ہماری ڈھارس باندھی۔

دروود و سلام نازل ہو ہمارے پیغمبر انسانیت ﷺ پر کہ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال پر ملال پر ”أنا بفراقك لمحزونون یا ابراہیم“، فرما کر قلب کا نسخہ کیمیا عطا فرمایا۔

ہم اس عظیم حادثہ پر جو بتاریخ ۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴ فروری ۲۰۱۰ء جمعرات کی رات کے تیسرے پہر میں حقائق اسلام کی حکمت آفرینیوں کے مخزن، کتاب اللہ کے ظاہر و باطن کے، انسانیت نواز، علوم سے آراستہ، علم حدیث پر مثالی وسعت نظر رکھنے والے شیخ الحدیث، زہد و انقاء اور فضل و کمال کے پیکر جمیل، صدر مدرس حضرت اقدس الامام، علامہ مولانا قاری نصیر احمد خان صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر معرض وجود میں آئی۔ ہم خدائے رحمن و رحیم سے توفیق صبر مانگتے ہیں اور اسوہ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے حضرت اقدس ہی سے اپنا صدمہ فراق بیان کرتے ہیں۔

حضرت والا کیسے یقین کر لیں کہ آپ نے ہم نیاز مندوں سے منہ پھیر لیا، نور معرفت سے روشن اور تابناک آنکھیں بند فرمالیں، علم و حکمت کے موتی برسائے والی زبان پر مہر سکوت ثبت فرمادی، ہمارے سروں سے اپنا دست شفقت اٹھالیا، اپنے الطاف و عنایات کا وسیع دامن سمیٹ لیا، ہم سے کنارہ کشی اختیار فرمائی، گوشہ تنہائی آپ کو پسند آگیا، اور بڑی خاموشی کے ساتھ آپ ہماری مشتاق اور بے چین نگاہوں سے مستور ہو گئے ”اناللہ وانا الیہ راجعون، أنتم سلفنا ونحن لكم خلف وانا ان شاء الله بكم لا حقون“

حضور والا آپ علم و حکمت کا چمکتا ہوا چاند تھے جس کی خنک اور ٹھنڈی چاندنی ہزاروں کے لئے وجہ سکون اور سامان قرار تھی، کسی بھی محفل میں آپ قدم رنجہ فرماتے تو واقعی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماہتاب علم و حکمت طلوع ہو رہا ہے، چادر ماہتاب پھیلتی جا رہی ہے اور دل و دماغ سکون و طمانینت کی ایسی لطیف کیفیات سے آسودہ ہوئے چلتے رہے ہیں جن کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ عظیم المرتبت تھے، رفیع المنزلت میر کارواں تھے، پیر ہرواں تھے، سالار قافلہ تھے، سرخیل طائفہ تھے، یادگار سلف تھے، تاجدار خلف تھے، بزرگوں کی آرزو تھے، خردوں کی آرزو تھے، گل سرسبد چمنستان مدنی تھے، ملت اسلامیہ کی شان تھے، جماعت علمائے دیوبند کی آن تھے۔

بظل جلیل آپ سے زیادہ کون اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ علم کا راستہ کتنا کٹھن اور دشوار ہوتا ہے، اس میں ایسی خطرناک گھاٹیاں آتی ہیں، کیسے بھیا نک موڑ ملتے ہیں، اور کیسے خوفناک مرحلے درپیش ہوتے ہیں قدم قدم پر مشکلات و مصائب سر راہ بنتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کا راستہ طے کرتے ہوئے فرمایا تھا ”لقد لقینا من سفرنا هذا نصباً“ سفر کی یہی دشواریاں اور راستے کے یہی پیچ و خم ہیں، جن سے گھبرا کر بہت سے عازمین سفر پہلے ہی قدم پر ارادہ سفر ترک کر دیتے ہیں، بعض کچھ آگے بڑھتے ہیں لیکن تھوڑا ہی فاصلہ طے کر کے ہمت ہار جاتے ہیں، بہت کم ہی جیالے اور سورما ایسے ہوتے ہیں جو مشکلات راہ سے بے پرواہ آگے اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، لیلائے علم کی دھن انہیں مسلسل سراپا اضطراب بنے رہنے پر مجبور کئے رہتی ہے تا آن کہ وہ عروس علم سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

زعیم العلم! آپ انہیں جیالوں میں سے تھے، آپ نے اپنے لئے اسی دشوار گزار مرحلہ اور صبر آزمائے کا انتخاب فرمایا آپ کو علم پر چڑھے تو پھر چڑھتے ہی چلے گئے، آپ زندگی بھر جادہ علم کے نشیب و فراز کو ہموار کرنے اور اس کے جھاڑ و جھنکار کو گل و گلزار بنانے میں لگے رہے، آپ نے اسی سنگلاخ راہ

پرایسے لالہ وسوسن اگائے اور نسرین و نسترین کھلائے جو فردوس نظر بنے، ایسی دل نواز لے چھیڑی جو جنت گوش بنی اور علم کے متوالوں کو ایسی شراب طہور پلائی کہ دل و دماغ عجیب دلاویز کیفیت سے دوچار ہوئے۔

عزیمت پناہ! آپ بیماریوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں کے بموجب نجیف و نزار ذات بن چکے تھے، پیرانہ سالی نے آپ کے قوی کو بالکل مضحل کر دیا تھا، آخر آپ نے عین میدان علم میں جام شہادت نوش فرمایا۔

پیارے داداجی! اپنے نالائق پوتے کی جانب سے ہدیہ مبارک قبول فرمائیں، آپ شہید علم بنے، بے شک شہید علم ے

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر ☆ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گی

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

میرے عظیم داداجی! آپ کیا تشریف لے گئے پوری محفل بے نور و بے رونق ہو گئی، علم و عرفان کا قصر درخشاں شب گزیدہ ہے اور اندھیروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، وہ عزت و آبرو داستان پارینہ بن گئی جو آپ کی رہین منت تھی اور حال یہ ہے کہ علوم معارف کا لہلہا تا چمن خزاں رسیدہ ہے اور اپنے بوڑھے مالی کو رو رہا ہے، پتہ پتہ سوگوار اور ڈالی ڈالی بے قرار ہے، ہر غنچہ گریاں اور ہر پھول ماتم کنناں ہے، گوشہ گوشہ سے سسکیوں کی آوازیں آرہی ہیں، آہو لں کا دھنواں اٹھ رہا ہے اور پوری فضا پر غبار الم چھاتا چلا جا رہا ہے۔

آہ!!! آپ ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں، بہت دور، اب آپ اطمینان و سکون کے ساتھ سو رہے ہیں اور دائمی راحت و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں، مبارک ہو آپ کو بستر گل اور پھولوں کی سبج، لیکن خدارا یہ تو بتائیے کہ آپ کے چلے جانے سے آپ کے اس نالائق پوتے کے دل میں حسرت و یاس کا جو کاری زخم لگا ہے وہ کیسے بھرے گا؟ کیسے بھرے گا؟ کیسے بھرے گا؟

اے رحمن و رحیم حضرت اقدس کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے بہترین جزا عطا فرما! ان کے درجات کو بلند فرما، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ

مقام نصیب فرما (آمین) ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆

پیکر اخلاق و شرافت

مولانا فاروق اعظم عاجز قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی

نجیف الجتہ، بلند قامت، کشادہ جبین، سفید بشرہ، نورانی داڑھی، آنکھوں پر موٹا چشمہ، سفید کرتا، سفید پاجامہ، سر پر دوپٹی روایتی ٹوپی، ہاتھ میں عصائے پیری، کالی جوتی پہنے ہوئے سر نیچے کر کے صدر دروازے سے ہو کر احاطہ مولسری کی طرف اس شان و شوکت کے ساتھ آرہے ہیں کہ سیکڑوں پروانے آپ پر نچھاور ہیں، یہ تھے ہم سب کے دل و جان سے عزیز استاذ محترم، بلکہ استاذ الاساتذہ بہت سے زندہ کرداروں کے عنوان، نمونہ اسلاف، معلم، مصلح مخلص، شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب جو ۱۹ صفر ۱۴۳۱ھ بروز جمعرات ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شیخ علم و عمل کا پیکر اور اخلاق و کردار کا مجسمہ تھے، اپنے ہزاروں شاگردوں میں بدرِ کامل، صلاح و تقویٰ میں نمایاں، عادات و اطوار میں منفرد اور بے شمار اوصاف و کمالات اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔

انگریزی فوج کے اعلیٰ منصب پر فائز، علماء نواز اور مولانا خلیل احمد انبیٹوئی کے مرید جناب عبدالشکور خاں صاحب کے گھر ۱۳۳۵ھ میں حضرت نے آنکھیں کھولیں، حضرت کے والد ماجد کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے "ترکِ موالات" کے اعلان کے بعد انگریزی ملازمت کو خیر آباد کہہ کر کاشت کاری میں لگ گئے، حضرت شیخ کا آبائی وطن قصبہ "بسی" ضلع بلندشہر (یوپی) ہے لیکن موجودہ رہائش دیوبند میں تھی۔

والدہ بھی انتہائی پارسا اور عبادت گزار تھیں، بچپن کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا اور اخلاقی تربیت کی فکر ان کے شب و روز کا مشغلہ تھا، تلاوت قرآن سے شغف کا یہ حال تھا کہ حافظہ نہ ہونے کے باوجود بچپن کو غلطیوں پر بے ساختہ ٹوکتیں۔

حضرت شیخ کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں صاحب چوں کہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے، اس لئے حضرت کی تعلیم کا آغاز یہیں سے ہوا، حفظ قرآن اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ ساتھ بخاری تک کی مکمل تعلیم اپنے بڑے بھائی سے اسی گہوارہ علم میں حاصل کی، درمیان میں کچھ خانگی الجھنوں کی وجہ سے ایک مرتبہ حضرت شیخ کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا، لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی نظر عنایت اور دعاؤں کے خاص اثر سے رکاوٹ ختم ہوئی اور تعلیمی مرحلہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

۱۳۶۲ھ میں جب مولانا بشیر احمد خاں صاحب بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو حضرت شیخ بھی برادر محترم کے ہمراہ آئے اور مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعجاز علی، مولانا بشیر احمد خاں اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک (پاکستان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ۱۳۶۳ھ میں از سر نو دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ تک حضرت نے تفسیر، قرأت، فقہ و اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور طب و حکمت جیسے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں، اور ان میں تخصص پیدا کیا۔ فن قرأت میں تو ایسی مہارت پیدا کی کہ فراغت کے بعد ہی ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر القراء کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہو گیا، لیکن اہل خانہ کی عدم رضامندی کی بنا پر وہاں نہیں جاسکے، البتہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند میں خدمت مقدر تھی۔

چوں کہ حضرت مدنی کی خاص توجہ حضرت شیخ پر مرکوز تھی، اس لئے انہیں کی کوشش سے ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کا بحیثیت مدرس تقرر ہوا، میزان سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا اور تدریس کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے وہ متوسط درجہ سے علیا اولیٰ پھر علیا ثانیہ کے استاذ مقرر ہوئے، اس دوران درس نظامی کے ہر فن کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائیں صرف ونحو ہو یا ادب و لغت یا پھر تفسیر و فقہ۔

۱۳۹۱ھ سے درس حدیث کا آغاز ہوا اور ۱۳۹۶ھ تک حدیث کی معروف کتابیں: مؤطا امام مالک، طحاوی، ترمذی اور مسلم شریف وغیرہ آپ کے

زیرِ درس رہیں۔ ۱۳۹۷ھ میں خدائے عزوجل نے حضرت شیخ کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف پڑھانے کی صورت میں شیخ الحدیث کا بلند مقام عطا کیا اور یہ سنہرا سلسلہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ وفات سے دو سال پہلے تک جاری رہا، اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کی بنا پر صفر ۱۳۲۹ھ کو دارالعلوم دیوبند سے سبک دوش ہو گئے تھے۔

ویسے تو حضرت شیخ نے اپنے تدریسی دور میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں اور پڑھانے بلکہ درس کی مقبولیت میں صلاحیت و استعداد کی کس قدر ضرورت ہوتی اور اس کا کیا رول رہتا ہے اہل نظر جانتے ہیں۔ فن میں ان کی حذاقت ہی کی بات ہے کہ دیگر درس گاہوں کے مقابلے میں آپ کی درس گاہ طالبانِ علوم سے بھری رہتی۔

حضرت کو معقول و منقول دونوں میں کامل دسترس حاصل ہے۔ مولانا نور عالم خلیل امینی لکھتے ہیں " (وہ) معقول و منقول دونوں میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں، بلکہ دارالعلوم میں علوم عقلیہ کے ماہرین کی اس وقت آخری کڑی ہیں "۔ (وہ کوہ کن کی بات ۳۳۶)

صرف و نحو، ادب و بلاغت اور تفسیر و حدیث کے ساتھ ساتھ علمِ ہیئت بھی حضرت شیخ کی دل چسپی کا خاص موضوع رہا ہے، اس فن کی "التصریح" نامی کتاب مستقل آپ کے زیرِ درس رہتی، اس فن میں حضرت کو بڑا کمال حاصل تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے اور طلبہ بھی بڑے ذوق و شوق کا مظاہرہ کرتے اور بڑی تعداد میں شریک درس ہوتے۔

دارالعلوم کے تدریسی عہد میں درس و تدریس کے علاوہ کئی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کے سپرد رہیں۔ حضرت شیخ کی علمی استعداد اور انتظامی صلاحیت کے پیش نظر ۱۳۹۱ھ میں اہتمام کی نیابت سپرد ہوئی، ۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، ۱۴۰۰ھ میں قائم مقام صدر مدرس منتخب ہوئے، اور ۱۴۱۲ھ میں تدریس کی صدارت تفویض ہوئی۔ اس طرح سے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ کی ۶۵ سالہ علمی خدمات کا سنہرا دور پوری طرح سامنے آ جاتا ہے۔ ۱۶ سال تک مسندِ صدارت پر رونق افروز رہے، اور ۳۲ سال تک بخاری شریف کا مقدس درس دیا۔ ایک مرتبہ حضرت نے خود فرمایا کہ "میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ۶۵ سال دارالعلوم دیوبند میں خدمت کا موقع دیا، ۳۲ سال بخاری پڑھائی، بھائی! دعا کرو کہ بس ایمان پر خاتمہ ہو جائے۔"

حضرت شیخ حسن صورت و حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صوت بھی رکھتے تھے، کلام انتہائی عام فہم اور سادہ ہونے کے ساتھ فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتا۔ گفتگو انتہائی صاف ستھری، واضح اور نکھری ہوئی ہوتی، خوش آوازی میں بھی دور دور تک ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، انداز نہایت شیریں، مثبت، متین اور سنجیدہ ہوتا، لہجہ عالمانہ اور رفتار گفتگو معتدل کہ نہ تو کسی پر بار گزرے اور نہ الجھن محسوس ہو اور نہ ہی کسی کی زبان پر سمجھ میں نہ آنے کا شکوہ بلکہ جوں جوں درس شباب پر آتا، طالبانِ علوم کی اضطرابی کیفیت میں اضافہ اور تشنگی مزید بڑھتی چلی جاتی۔ بلندی آواز کا یہ عالم کہ بلا مبالغہ بغیر مانتک کے باسانی پوری دارالحدیث ان کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھتی۔

حضرت شیخ کے طریقہ درس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سال کے ابتدائی ایام میں حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے، کلام انتہائی جامع مانع ہوتا، امام بخاری حدیث کے عنوان جو باب کی شکل میں قائم کرتے ہیں اس کو انتہائی پیچیدہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شیخ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ امام بخاری کے مقصد کو بھی سمجھاتے چلے جاتے، اس سلسلہ میں بخاری کا اسلوب کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرماتے اور مکمل ہنرمندی کے ساتھ حدیث، اس کا مفہوم، اس سے ملنے والا پیغام، اس پر عمل کرنے کی تاکید اور اس پر ملنے والے ثمرات کو تشنگانِ علوم کے ذہن و دماغ میں پیوست کر دیتے۔ تقریباً دو مہینہ کے بعد کلام مختصر کر دیتے انداز وہی رہتا، لیکن ششماہی بعد سے کلام کا سلسلہ انتہائی مختصر ہو جاتا اور حدیث خوانی ہوتی۔

حضرت شیخ کی ہمت کہنے یا حدیث پاک کی برکت کہ دورانِ درس حضرت بسا اوقات تین تین چار چار گھنٹے درس دیتے رہتے۔ لیکن نہ ہلنا ہے نہ جھکنا اور نہ ہی کسی قسم کا تکیہ، بس پالٹی مار کر پورے جاہ و جلال کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز پشت بالکل سیدھی اور داہنا ہاتھ کتاب پر، از اول تا آخر ایک

ہی نشست ہوتی۔ بیچ بیچ میں بھی ”امام بخاری فرماتے ہیں“ عبارت خواندہ کو ”پڑھئے“ وغیرہ وغیرہ اور اختلافی روایات کے وقت ”عند البعض“ کے بار بار دہرانے کا انوکھا انداز اپنے اندر بڑی دل آویزی رکھتا اور حضرت شیخ کی یہ ادا ہم شاگردوں کے دلوں کو موہ لیتی اور ہم جھوم جھوم اٹھتے۔

ایک طرف جہاں خواص نے باضابطہ طور پر ان سے حدیث و تفسیر کے علوم سے اپنی پیاس بجھائی تو دوسری طرف حضرت نے عوام کو بھی اپنے فیوض سے محروم نہیں رکھا۔ چنانچہ تملناڈو کے ”کوئمبر“ علاقہ کی اول ”ناگہ“ محلہ کی مسجد پھر ٹیپو ”سلطان مسجد“ میں تقریباً چالیس سال تک تفسیری خدمات انجام دیں، جس سے بہت سے بے راہوں کو راہ اور منزل کا پتہ چلا اور دین داری کی فضا قائم ہوئی، خرابی صحت اور ضعف کی وجہ سے چند سال قبل یہ سلسلہ منقطع ہوا۔

تصنیف و تالیف بھی ایک مستقل چیز ہے، ہر کسی کا یہ مقدر بن جائے ضروری نہیں، لہذا حضرت شیخ کی کوئی تصنیف تو نہیں ہے۔ لیکن حضرت والا کے دامن فیض سے فیضیاب ہونے والے صرف حدیث کے کم و بیش پچیس ہزار شاگرد ہیں، ان میں سے بے شمار ایسے ہیں جنہوں نے علمی، اصلاحی، تحقیقی اور تصنیفی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور دے رہے ہیں، موجودہ اساتذہ دارالعلوم بھی تقریباً ان کے شاگرد ہیں، اس طرح سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر بے شمار مدارس اور دینی اداروں میں حضرت کا فیض جاری و ساری ہے۔

چوں کہ حضرت شیخ کو فنِ ہیئت سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ اس لئے اس حوالہ سے بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ ابھی چند سالوں پہلے حضرت کے ایک خاص شاگرد مولانا ثمر الدین قاسمی (مقیم حال لندن) نے طلوع و غروب کے متعلق ایک عمدہ کتاب تصنیف کی ہے، جس سے دنیا بھر کے طلوع و غروب کے اوقات کی تعیین ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی رویت ہلال کے چند قابل ذکر مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ اہل تحقیق و جستجو کے لئے خاصے کی چیز اور نادر تحفہ ہے۔

حضرت شیخ کے کل دس اولاد ہوئیں۔ تین اللہ کو پیارے ہو چکے اور سات بفضل اللہ بقید حیات ہیں۔ ماشاء اللہ اولاد کی اولاد سے گھر ہر ابھر ہے۔ ان میں سے کئی برس روزگار ہیں اور بعض زیر تعلیم ہیں جنہوں نے اپنے دادا محترم کی خدمت کر کے خوب خوب آخرت کمائی ہے۔

حضرت شیخ کو اپنے استاذ و شیخ حضرت مدنیؒ سے کس قدر دلی لگاؤ اور سچی عقیدت تھی اس کا صحیح اندازہ حضرت کا کوئی شاگرد ہی کر سکتا ہے۔ دار الحدیث کے درود پوار اس منظر کے گواہ ہیں کہ جب بھی وہ حضرت مدنیؒ کا تذکرہ کرتے تو آب دیدہ ہو جاتے، بلکہ کبھی کبھی بولتے بولتے زبان بند ہو جاتی۔ اس تعلق خاطر کی بنا پر مولانا نصیر احمد خاں صاحب کا اصلاحی تعلق بھی حضرت مدنیؒ ہی سے رہا اور انہیں سے بیعت بھی تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا یہاں تک کہ بیعت کے ساتھ ساتھ خلعتِ خلافت سے بھی نوازے گئے۔ لیکن خود کبھی کسی کو انہوں نے بیعت نہیں کیا اور ہمیشہ بے نفسی اور گمنامی والی زندگی کو ترجیح دی، اور خود فرماتے کہ۔ ”بھئی میرا مزاج نہیں، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں۔“

علم و عمل کے ساتھ ساتھ خدا نے حضرت کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ ان کی رفتار و گفتار سے سنت کے عملی نمونہ کا اظہار ہوتا۔ صلاح و تقویٰ کے ساتھ نرم مزاجی، خوش اخلاقی اور تواضع ان کا طرہ امتیاز تھا، ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بطور خاص محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جو حضرت کو مقبولیت و محبوبیت کا اعلیٰ مقام عطا کرتی ہیں۔

معروف ادیب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رقم طراز ہیں۔ ”تواضع، حلم و بردباری، نرم خوئی، خوش اخلاقی، صلاح و تقویٰ وغیرہ صفات کی وجہ سے آپ طلبہ، اساتذہ، ملازمین اور تمام متعلقین دارالعلوم میں محبوب شخصیت کے مالک ہیں۔“

(بات ۳۳۶)

ان کی تواضع کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان سے کبھی کوئی چوک یا غلطی ہو جاتی اور اس پر ان کو واقفیت بھی ہو جاتی تو بر ملا حضرت اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے تھے۔ بلکہ بعض مرتبہ کبھی کسی بات پر اپنے کسی شاگرد کو ڈانٹ دیتے تو دوسرے وقت میں بلاتا مل معذرت خواہی بھی کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کا دل اہل علم کی عظمتوں سے بھی لبریز دکھائی دیتا، اساتذہ کو بھی برابر اپنی عقیدت و محبت کا خراج پیش کرتے اور

بلک اٹھتے۔ اسی طرح جب بھی دعا کا کوئی موقع آتا تو ”آپاجی“ (والدہ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب) کی صحت و عافیت کے لئے ضرور دعا کرتے۔
 بھیڑ بھاڑ اور جلسہ جلوس میں بہت کم شریک ہوتے، گوشہ نشینی اور گم نامی ان کا امتیاز تھا۔ رات سویرے سونا اور سویرے بیدار ہونا ان کے مستقل معمول میں داخل تھا۔ پچاسوں سال سے تہجد کا سلسلہ اور جہری ذکر کا معمول، روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوت قرآن، اس کے بعد ناشتہ کر کے تدریسی مشغلہ، دوپہر کھانے کے بعد قیلولہ، بعد عصر اپنی بیٹھک میں لوگوں سے ملاقات اور وعظ و نصیحت، صحت کے زمانے تک یہ معمولات زندگی کا اہم حصہ بنے رہے اور ایک حد تک اس کی پابندی بھی لیکن جب حضرت کی صحت گر گئی اور ضعف و نقاہت بڑھتی چلی گئی، تو اب اول وقت میں بیدار ہو کر اشارے سے نماز فجر ادا کرتے تھے، اس کے بعد تلاوت، اکثر اوقات آرام فرماتے تھے، لیکن ذکر الہی سے زبان ہر دم تر و تازہ رہتی، روزانہ بعد نماز ظہر بخاری شریف کے دو صفحات کی تلاوت کا معمول اخیر تک جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔



بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

سلیم احمد خان بلند شہری

بڑا ہی دل گداز اور صبر آزمایا تھا وہ لمحہ جب ۱۹ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ شب پنجشنبہ کو موبائل کی گھنٹی بجی، اچانک رات میں آنے والے فون سے مجھے تشویش ہوئی اور فون اٹھانے کے بعد وہ تشویش ہی نہیں بلکہ ایسی دلسوز جان لیوا اور ہوش اڑانے والی خبر ثابت ہوئی، جس سے میں دم بخود ہو گیا اور مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور اولاً تو مجھے یقین نہ ہوا اور میں نے اس خبر کو متنبی کے اس شعر کا مصداق گردانا، ”جزعت فیہ مالی الی الکذب“ لیکن پھر ذہن میں یہ آیا کہ شاید خبر صادق ہو، اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سرپٹ گھر کی طرف دوڑ پڑا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بارونق برآمدہ جس میں حضرت شیخؒ جلوہ افروز رہا کرتے تھے، آج اس میں سکوت اور افسردگی چھائی ہوئی ہے اور گرد و پیش اہل خانہ و دیگر متعلقین بے حذر و خجیدہ و افسردہ کھڑے حضرت کو تک رہے ہیں گویا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ حضرت کچھ فرمائیں اور وہ فیضیاب ہوں لیکن حضرت کچھ بولنے والے نہ تھے، کیونکہ وہ اس عالم ناسوت سے کوچ کر چکے تھے، کچھ ہی دیر بعد طلبہ اساتذہ اور شہر کے لوگ جوق در جوق حضرت کے مکان پر پہنچنا شروع ہو گئے، ایک انبوہ کثیر نے حضرت کا آخری دیدار کیا جو شخص بھی دیکھ کر آثارِ خج و الم کی ایک تصویر دکھائی دیتا تھا، کتنی ہی آنکھوں میں آنسو تھے، کتنے ہی دلوں کا درد آہوں میں تبدیل ہو گیا تھا، اہل خانہ و اعزہ پر سراپیمگی اور درد و الم کی بڑی کر بناک کیفیت طاری تھی، ہر شخص بقدر تعلق اس حادثہ کی چوٹ محسوس کر رہا تھا، کوئی نہ تھا جس نے اس حادثہ کی خبر سن کر دل نہ تھام لیا ہو۔

ولادت با سعادت:

بلند شہر سے شمالی جانب تقریباً ۲۵ کلومیٹر کی دوری پر پٹھان برادری پر مشتمل چند آبادیاں ”بارہ بستی“ کے نام سے موسوم ہیں انہیں میں ”بسی“ نامی ایک گاؤں میں حضرت کے بقول ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ بمطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۶ء بروز دوشنبہ حافظ عبدالشکور خان صاحب کے گھر میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

والد محترم کی ایام طفولیت میں انتقال فرمانے کی وجہ سے آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور برادر اکبر مولانا بشیر احمد خان صاحب نے فرمائی، حضرت نے ”مدرسہ منبع العلوم، قصبہ گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر“ میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور حفظ قرآن اور فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کی تمام کتب برادر اکبر سے پڑھیں۔

دارالعلوم میں داخلہ:

۶۲-۱۳۶۱ھ میں جب برادر اکبر کو بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا تو حضرت شیخ بھی برادر محترم کے ہمراہ تشریف لے آئے اور دوبارہ دورہ حدیث شریف کیا اور فراغت کے بعد مزید تین سال ۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۵ھ تک دیگر فنون تجوید و قرأت اور حفظ، سب سے عشرہ نیز فن طب میں مہارت حاصل کی، حضرت نے دورہ حدیث شریف کے سال بخاری و ترمذی شریفین کو شیخ الادب مولانا اعجاز علی صاحب امر ہوئی سے پڑھا تھا، چونکہ حضرت مدنی اس سال مجبوس تھے لیکن حضرت کی خواہش حضرت مدنی سے پڑھنے کی تھی، اس لئے آئندہ سال دیگر کتب پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت مدنی سے بخاری و ترمذی کی بھی تکمیل کی نیز حضرت والا کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی سے بھی اجازت حدیث حاصل تھی۔

دارالعلوم میں ترقی:

چونکہ حضرت مدنی سے خاص تعلق تھا اس لئے انہیں کی کاوشوں کے نتیجے میں یکم ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم میں درجہ ابتدائی میں تقرر عمل میں آیا۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ میں درجہ وسطیٰ (ب) میں ترقی ہوئی۔ ۲۴ شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجہ وسطیٰ (الف) میں ترقی ہوئی۔ ۶ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ میں درجہ علیا میں ترقی اور منصب ”نیابت اہتمام“ سپرد کیا گیا، صفر ۱۴۰۰ھ میں مجلس شوریٰ نے قائم مقام صدر مدرس مقرر کیا (بارہ سال تک اس عہدہ پر

رہے) ربیع الاول ۱۴۱۲ھ میں مجلس شوریٰ نے صدر مدرس مقرر کیا (سترہ سال تک صدر مدرس رہے) ابتدائی کتب سے لے کر دورہ حدیث شریف تک ہر فن کی کتب زیر درس رہیں۔

مسند مدرس حدیث :

۱۳۱۹ھ میں موطا امام مالکؒ، طحاوی شریف، مسلم شریف جلد ثانی ۱۳۹ھ تک پڑھائیں، ۱۳۹ھ خدائے عزوجل نے حضرت شیخؒ کو ”أصح الكتب بعد کتاب اللہ“ بخاری شریف کی صورت میں شیخ الحدیث کا بلند مقام عطا کیا اور یہ سنہرا سلسلہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ صفر ۱۴۲۹ھ تک جاری رہا کیونکہ آپ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کی بنا پر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ میں دارالعلوم سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

اوصاف و کمالات :

حضرت کو معقول و منقول درس میں کامل دسترس حاصل تھی بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ دارالعلوم میں علوم عقلیہ کے ماہرین کی آخری کڑی تھے اور ”علم ہیئت“ کے عظیم شہسوار اور بلا شرکت غیر، بے تاج بادشاہ تھے بریں بنا اس فن کی مشہور کتاب ”التصریح“ ہمیشہ زیر درس رہی اور آپ نے ”علم ہیئت“ کی مشہور کتاب ”چغمینی“ پر عربی حاشیہ بھی رقم کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار کمالات اور اوصاف سے نوازا تھا آپ فطرتاً انتہائی نیک اور صالح انسان تھے آپ کا خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، تواضع و شفقت، رحم دلی، خیر خواہی، محبت و اخلاص جیسے اوصاف آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے، نماز باجماعت کے انتہائی پابند، جمعہ کو ہمیشہ کافی پہلے مسجد پہنچنے کا معمول تھا اور صلاۃ التسبیح بھی ہر جمعہ کو پڑھتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بے شمار اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔

بیعت و سلوک :

حضرت نے سلوک کے مراحل اولاً حضرت مدنی کے زیر نگرانی طے کئے اور ان کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام سے رجوع فرمایا اور خلعت خلافت سے نوازے گئے۔

پسماندگان :

حضرت شیخؒ کا نکاح ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۳ جولائی ۱۹۳۷ء بروز جمعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس اولاد عطا فرمائیں، جن میں چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے سات بچہ اللہ بقید حیات ہیں ایک صاحبزادے زمانہ طفولیت اور دو صاحبزادیاں چند سال قبل حضرت کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئیں نیز حضرت کے فی الوقت نو پوتے اور آٹھ پوتیاں، تین نواسے اور آٹھ نواسیاں ہیں، حضرت دو سال قبل آنت اترنے کی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے دن بدن صحت گر رہی تھی اور ضعف و نقاہت بڑھ رہی تھی تا آنکہ وفات سے دس روز قبل بیماری نے شدت اختیار کر لی تھی، جس کے سبب ۲۵ جنوری ۲۰۱۰ء کو بغرض معالجہ میرٹھ لیجا یا گیا، تین دن تک وہاں زیر علاج رہے، مختلف جانچیں کرائیں جو صحیح نکلیں، چنانچہ آپ کو گھر واپس لے آیا گیا مگر دن بدن ضعف بڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ آپ نے وفات سے ایک ہفتہ قبل خورد و نوش کا سلسلہ بند فرما دیا تھا، سوائے انگور کے چند دانے سنترہ کی ایک کاش اور چند قوتوں میں نصف فحان چائے ہی آپ کی غذا رہ گئی تھی، حتیٰ کہ سہ روز قبل اس کو بھی ترک فرما دیا ۱۸ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ بمطابق ۴ فروری ۲۰۱۰ء تقریباً دو بجے آپؒ محبوب حقیقی سے جا ملے اور امید و نیم کے درمیان زندگی گزارنے والا فرشتہ صفت انسان، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب ہم سے جدا ہو گیا ”انا لله وانا الیہ راجعون“

زندگی ایسی جیو تم، دشمنوں کو رشک ہو

اور موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

